U 974

9-12-05

Title - ILM KALAAM.

Creator - Shibli Nemani

Publisher - Matba Maruf (Azamgarh).

Date - 1341 H

Pages - 85

Subjects - Islam - Ilm Kalaam; Islam - Aqayad-O-Falsafa.

الکلام

یعنی

علم کلام جدید جسمیں اسلام کے عقائد کو فلسفۂ حال کے مقابلہ مین ثابت کیا گیا ہے،

از

حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ مین چھپی

طبع چہارم ، ۱۳۴۱ھ

فہرست الکلام حصۂ دوم

دیباچہ

مذہب اسلام تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

عقائد، عبادات، اخلاق۔

عقائد مین اصل الاصول دو ہین، وجود باری، اور نبوت، اس کتاب مین انہی دو اصول سے بحث ہی، باقی مباحث تبعًا اور ضمنًا آ گئے ہین،

قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا مہمات عقائد مین ہے لیکن اس کے لیے ایک مستقل تصنیف درکار ہی، اس لیے اس حصہ مین مین نے اس سے بحث نہین کی، بلکہ اس کو ایک مستقل کتاب کے لیے اُٹھا رکھا ہے جو الکلام کا دوسرا حصہ ہوگا اور جس کا نام علوم القرآن ہوگا عبادات اور اخلاق کا بیان بھی اسی کتاب مین آجائیگا اس طرح علم کلام کا سلسلہ تین جلدون مین پورا ہو جائے گا، متکلمین کی سوانح عمریان اس سلسلہ سے الگ ہین خدا ان کے اتمام کے بھی اسباب بہم پہونچائے۔

شبلی نعمانی

حیدرآباد (دکن)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نتوان ز گفتگو بہ حقیقت رسید لیک

افسانہ ز گوہر نایاب سفتنی ست

حامداً و مصلیاً

جدید علم کلام کا مایۂ خمیر اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے حصہ کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین وہی قدیم علم کلام ہے تاہم اس کی تدوین و ترتیب جس حیثیت سے ہونی چاہیے اسکے لحاظ سے اس کو جدید بھی کہہ سکتے ہین۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے؛

تم پڑھ آئے ہو کہ علم کلام کے مختلف طریقے اور مختلف شاخین ہین اُن مین جو طریقہ حقیقی علم کلام کہلانے کا مستحق تھا وہ قدما کا علم کلام تھا لیکن قدما کی ایک تصنیف بھی آج موجود نہین، ملل و نحل، کتب کلامیہ، اور تفسیر کبیر مین جستہ جستہ قدما کے اقوال مذکور رہین، ان تمام اقوال کو اس استقصا کے ساتھ جمع کرنا چاہیے کہ علم کلام کے اہم مسائل آجائین،

متاخرین مین سے جو لوگ اہل حقیقت تھے انھون نے یہ طرز اختیار کیا تھا کہ درسی کتابین عام مذاق کے موافق لکھتے تھے، اور اپنے اصلی خیالات و معتقدات دوسری کتابون مین ظاہر کرتے تھے جنکی نسبت یہ بھی تاکید کرتے تھے کہ عوام پر ظاہر نہ کی جائین۔ مثلاً علم کلام مین امام غزالی کی متعدد تصنیفات ہین قواعد العقائد، اقتصاد، تہافتہ الفلاسفہ وغیرہ وغیرہ

امام غزالی نے تصریح کی ہے کہ کتب متداولہ مین اونھون نے اصل حقیقت ظاہر نہین کی،

لیکن اُنھون نے خود جا بجا مختلف کتابون مین تصریح کی ہے کہ ان تصنیفات مین جو باتین مذکور ہین وہ اصلی حقائق نہین ہین بلکہ عوام کے عقائد کے محفوظ رکھنے کے لیے ہین،

جواہر القرآن[1] مین جہان علوم قرآنی کا بیان کیا ہے لکھتے ہین،

اَلثَّانِیْ هُوَ مُحَاجَّةُ الْكُفَّارِ وَمُجَادَلَتُهُمْ وَمِنْهُ يَنْشَعِبُ عِلْمُ الْكَلَامِ الْمَقْصُوْدُ لِرَدِّ الضَّلَالَاتِ وَالْبِدَعِ وَاِزَالَةِ الشُّبُهَاتِ وَيَتَكَفَّلُ بِهِ الْمُتَكَلِّمُوْنَ وَهٰذَا الْعِلْمُ قَدْ شَرَحْنَاهُ عَلٰى طَبَقَتَيْنِ سَمَّيْنَا الطَّبَقَةَ الْقَرِيْبَةَ مِنْهَا الرِّسَالَةَ الْقُدْسِيَّةَ وَالطَّبَقَةَ الَّتِیْ فَوْقَهَا الْاِقْتِصَادَ فِی الْاِعْتِقَادِ وَمَقْصُوْدُ هٰذَا الْعِلْمِ حِرَاسَةُ عَقِيْدَةِ الْعَوَامِّ عَنْ تَشْوِيْشِ الْمُبْتَدِعَةِ وَلَا يَكُوْنُ هٰذَا الْعِلْمُ مَلِيًّا بِكَشْفِ الْحَقَائِقِ وَبِجِنْسِهٖ يَتَعَلَّقُ الْكِتَابُ الَّذِیْ صَنَّفْنَاهُ فِیْ تَهَافُتِ الْفَلَاسِفَةِ وَالَّذِیْ اَوْرَدْنَاهُ فِی الرَّدِّ عَلَى الْبَاطِنِيَّةِ فِی الْكِتَابِ الْمُلَقَّبِ بِالْمُسْتَظْهِرِیْ وَفِیْ كِتَابِ حُجَّةِ الْحَقِّ وَقَاصِمِ الْبَاطِنِيَّةِ وَكِتَابِ الْمُفَصَّلِ لِلْخِلَافِ فِیْ اُصُوْلِ الدِّيْنِ،

دوسرا علم۔ کافرون سے بحث و مجادلہ کرنا ہے اور اسی سے علم کلام پیدا ہوتا ہے جس کا مقصود یہ ہے کہ بدعتون کو رد کیا جائے اور شبہے زائل کیے جائین اور اس علم کے متکفل متکلمین ہین۔ اور ہمنے اس علم کو دو انداز پر لکھا ہے، جو معمولی ہے اسکا نام رسالہ قدسیہ ہے اور جو اس سے بلند تر ہے اسکا نام الاقتصاد فی الاعتقاد ہے اور مقصود اس علم کا عوام کے عقیدہ کو بدعتون کی رخنہ اندازی سے محفوظ رکھنا ہے اور اس علم مین حقائق ظاہر نہین کیے جاتے۔ اور اسی قسم کی ہماری وہ کتاب ہے جسکا نام تہافۃ الفلاسفہ ہے اور مستظہری جو باطنیہ کی رد مین ہے اور حجۃ الحق۔ وقاصم الباطنیہ و کتاب المفصل للخلاف فی اصول الدین۔

[1] جواہر القرآن کا کامل نسخہ میرے پاس موجود ہے لیکن اسکے کچھ اجزا بمبئی مین چھپ گئے ہین اور یہ عبارت اُن مین موجود ہے،

ان تصریحات سے قطع نظر کرکے امام صاحب کی کتابین خود اس بات کی شہادت دے رہی ہین، وہی عقائد جنکو کتب کلامیہ مین بڑے زور شور سے ثابت کرتے ہین، دوسری تصنیفات مین اُن کی نسبت لکھدیتے ہین کہ ان عقائد کی اصلی حقیقت کچھ اور ہے،

جن تصنیفات مین امام صاحب نے اسلام کے اصلی عقائد اور اُن کے حقائق بیان کیے ہین انکو نہایت اہتمام سے مخفی رکھنا چاہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ باوجود مختصر اور سہل ہونیکے وہ رواج پذیر نہین، خدا کی ذات صفات افعال اور قیامت کے متعلق عقائد کو اُنھون نے احیاء العلوم وغیرہ مین نہایت تفصیل سے لکھا ہی لیکن جواہر القرآن مین لکھتے ہین کہ

وَهٰذِهِ الْعُلُوْمُ الْاَرْبَعَةُ اَعْنِیْ عِلْمَ الذَّاتِ وَالصِّفَاتِ وَالْاَفْعَالِ وَعِلْمَ الْمَعَادِ اَوْدَعْنَا مِنْ اَوَائِلِهٖ وَمَجَامِعِهٖ الْقَدْرَ الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْهُ مَعَ قُصُوْرِ الْعُمْرِ وَكَثْرَةِ الشَّوَاغِلِ وَالْاٰفَاتِ وَقِلَّةِ الْاَعْوَانِ وَالرُّفَقَاءِ بَعْضَ التَّصَانِيْفِ لٰكِنَّا لَمْ نُظْهِرْهُ فَاِنَّهٗ يَكِلُّ عَنْهُ اَكْثَرُ الْاَفْهَامِ وَيَسْتَضِرُّ بِهِ الضُّعَفَاءُ وَهُمْ اَكْثَرُ الْمُتَوَسِّمِيْنَ بِالْعِلْمِ بَلْ لَا يَصْلُحُ اِظْهَارُهٗ اِلَّا عَلٰى مَنْ اَتْقَنَ عِلْمَ الظَّاهِرِ وَسَلَكَ فِیْ قَمْعِ الصِّفَاتِ الْمَذْمُوْمَةِ مِنَ النَّفْسِ طُرُقَ الْمُجَاهَدَةِ حَتّٰى اِرْتَاضَتْ

یہ چارون علوم یعنی علم ذات و صفات و افعال و معاد انکے ابتدائی اور جامع اصول جہانتک مجکو معلوم ہوسکے مین نے بعض تصنیفات مین درج کیے، باوجود اسکی کہ فرصت کم اور آفتین بہت تھین اور دوست و مددگار کم یاب تھے، لیکن ان تصنیفات کو مین نے ظاہر نہین کیا کیونکہ اکثر لوگ اُنکو سمجھ نہ سکتے اور اُن سے اُن کو نقصان پہونچتا اور مدعیان علم اکثر اسی قسم کے ہین، ان تصنیفات کو صرف ان لوگون کے سامنے ظاہر کرنا چاہیے جنکو علم ظاہر مین کمال حاصل ہوچکا ہو اور صفات مذمومہ کے دور کرنے مین اسقدر کوشش کرچکے ہون کہ ان کا نفس رام

نَفْسُہٗ وَاسْتَقَامَتْ عَلٰی سَوَاءِ السَّبِیْلِ فَلَمْ یَبْقَ لَہٗ حَظٌّ فِی الدُّنْیَا وَلَمْ یَبْقَ لَہٗ طَلَبٌ اِلَّا الْحَقُّ وَ رُزِقَ مَعَ ذٰلِکَ فِطْنَۃً وَقَّادَۃً وَ قَرِیْحَۃً مُنْقَادَۃً وَ ذُکَاءً بَلِیْغًا وَ فَہْمًا صَافِیًا وَحَرَامٌ عَلٰی مَنْ یَّقَعُ ذٰلِکَ الْکِتَابُ بِیَدِہٖ اَنْ یُّظْهِرَہٗ اِلَّا عَلٰی مَنِ اسْتَجْمَعَ فِیْہِ ھٰذِہٖ الصِّفَاتُ

ہو گیا ہو اور دنیا کی خواہش بالکل باقی نہ رہی ہو اور طلب حق کے سوا انکی اور کچھ غرض نہو۔ ان سب باتون کے ساتھ ذکی الطبع خوش فہم۔ حدید الذہن سلیم الطبع ہون جس کے ہاتھ مین یہ تصنیف پڑجائے اسپر حرام ہو کہ کسی شخص کے سامنے اُسکو ظاہر کرے بجز ایسے شخص کے جسمین یہ تمام صفات جمع ہون،

امام صاحب کے اِن الفاظ پر خوب غور کرو فرماتے ہین کہ "اصلی حقائق لوگون کے سامنے بیان کیے جائین تو اُنکی سمجھ مین نہ آئین اور اُنکو نقصان پہنچائین"۔ اس پر شاید کسی کو خیال ہوتا کہ یہ تو عوام کی حالت ہے۔ علما کے سامنے اظہار حقائق مین کیا تامل ہو سکتا ہے اسلیے جتا دیا کہ آج کل جو علما ہین وہ عوام ہی کے ہم پایہ ہین،

مخاطب صحیح کے لیے بڑی قید یہ لگاتے ہین کہ "دنیا سے اُس کو کسی قسم کی غرض نہو"، اس سے صاف ظاہر ہے کہ حقائق اصلی کے ظاہر کرنے پر، عوام برہم ہوتے ہین، اسلیے اس منصب کا وہ مستحق ہو جس کو عوام کی کچھ پرواہ نہو،

امام رازی کی نسبت اُن کے حالات مین تم پڑھ آئے ہو کہ وہ اپنے اصلی خیالات کس کس غیر معمولی پیرایہ مین ظاہر کرتے ہین ابن رشد نے اپنی تصنیفات مین صاف لکھدیا ہے کہ جمہور کے سامنے اصلی حقائق ظاہر نہ کرنے چاہئیں،

اب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانونکو

سربمہر رکھا تھا ان کو وقف عام کردے۔

قدیم علم کلام مین صرف، عقائد اسلام کے متعلق بحث ہوتی تھی کیونکہ اس زمانے مین مخالفین نے اسلام پر جو اعتراضات کئے تھے عقائد ہی کے متعلق تھے لیکن آج کل تاریخی، اخلاقی، تمدنی، ہر حیثیت سے مذہب کو جانچا جاتا ہے، یورپ کے نزدیک، کسی مذہب کے عقائد اس قدر قابل اعتراض نہین جسقدر اس کے قانونی اور اخلاقی مسائل ہین۔ ان کے نزدیک تعدد نکاح، طلاق، غلامی، جہاد کا کسی مذہب مین جائز ہونا، اس مذہب کے باطل ہونیکی سب سے بڑی دلیل ہے، اس بنا پر علم کلام مین اس قسم کے مسائل سے بھی بحث کرنی ہوگی، اور یہ حصہ بالکل نیا علم کلام ہوگا،

سب سے بڑی ضروری چیز یہ ہے کہ دلائل اور براہین ایسے صاف اور سادہ پیرایہ مین بیان کئے جائین کہ سریع الفہم ہونے کے ساتھ دل مین اُتر جائین۔ قدیم طریقہ مین، پیچ در پیچ مقدمات، منطقی اصطلاحات۔ اور نہایت دقیق خیالات سے کام لیا جاتا تھا۔ اس طریقہ سے مخالف مرعوب ہوکر چُپ ہو جاتا تھا لیکن اس کے دل مین یقین اور وجدان کی کیفیت نہین پیدا ہوتی تھی،

غرض، جدید علم کلام کے ترتیب دینے مین، انہی امور مذکورہ کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیے اخیر مین تخصیص کے ساتھ، ان بزرگونکے نام بتا دینے بھی ضرور ہین۔ جو اس علم کلام کے ماخذ ہین۔ اور وہ یہ ہین۔ ابومسلم اصفہانی۔ قفال۔ ابن حزم۔ امام غزالی۔ راغب اصفہانی، ابن رشد۔ امام رازی۔ شاہ ولی اللہ،

علوم جدیدہ اور مذہب

تمام دنیا مین ایک غل مچ گیا ہے کہ "علوم جدیدہ اور فلسفۂ جدیدہ نے مذہب کی بنیاد متزلزل کردی ہے"! فلسفہ اور مذہب کے معرکہ مین ہمیشہ اس قسم کی صدائین بلند ہوتی رہی ہین، اور اس لحاظ سے یہ کوئی نیا واقعہ نہین، لیکن آج یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ فلسفۂ قدیمہ قیاسات اور ظنیات پر مبنی تھا اس لیے وہ مذہب کا استیصال نہ کرسکا۔ بخلاف اسکے فلسفۂ جدیدہ تمام تر تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہی، اس لیے مذہب کسی طرح اُسکے مقابلہ مین جانبر نہین ہوسکتا

یہ ایک عام صدا ہے جو یورپ سے اٹھکر تمام دنیا مین گونج اٹھی ہے، لیکن ہم کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ اس واقعیت مین مغالطہ کا کسقدر حصہ شامل ہوگیا ہے،

یونان مین فلسفہ ایک مجموعہ کا نام تھا جس مین طبیعیات۔ عنصریات فلکیات، الٰہیات مابعد الطبیعۃ سب کچھ شامل تھا لیکن یورپ نے نہایت صحیح اُصول پر اس کے دو حصے کر دیے، جو مسائل، مشاہدہ اور تجربہ کی بنا پر قطعی اور یقینی ثابت ہوگئے ان کو سائنس کا لقب دیا، جو مسائل، تجربہ اور مشاہدہ کی دسترس سے باہر تھے اُن کا نام فلسفہ رکھا۔

مسائل جدیدہ کی نسبت یہ عام خیال جو پھیلا ہوا ہے کہ وہ قطعی اور یقینی ہین اس مین پہلی غلطی یہ ہے کہ جو چیزین قطعی اور یقینی ہین وہ صرف سائنس کے مسائل ہین اور یہی وجہ ہی کہ یورپ مین انکی نسبت طبقۂ علما مین کسی قسم کا اختلاف نہین۔ لیکن فلسفہ کی یہ حالت نہین ہی، یورپ مین آج فلسفہ کے بیسون اسکول ہین، اور ان مین اس شدت سے اختلاف ہے کہ اگر ان سب کو صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ ایک ہی چیز سفید بھی ہوسکتی ہے

اور سیاہ بھی،

اب دیکھنا چاہیے کہ سائنس کو مذہب سے کیا تعلق ہی، سائنس جن چیزون کا اثبات یا ابطال کرتا ہے، مذہب کو ان سے مطلق سروکار نہین، عناصر کس قدر ہین؟ پانی کن چیزون سے مرکب ہی؟ ہوا کا کیا وزن ہے؟ نور کی کیا رفتار ہے؟ زمین کے کسقدر طبقات ہین؟ یہ اور اس قسم کے مسائل، سائنس کے مسائل ہین، مذہب کو ان سے کچھ سروکار نہین، مذہب جن چیزون سے بحث کرتا ہی وہ یہ ہین، خدا موجود ہے یا نہین؟ مرنے کے بعد دوسری قسم کی زندگی ہی یا نہین؟ خیر و شر یا نیکی و بدی کوئی چیز ہی یا نہین؟ ثواب و عقاب ہی یا نہین؟ ان مین سے کون سی چیز ہے جس کو سائنس ہاتھ لگا سکتا ہے؟ سائنس کے اساتذہ نے جب کہا ہے تو یہ کہا ہے کہ ہم کو ان چیزونکا علم نہین یا یہ کہ، یہ چیزین مشاہدہ اور تجربہ کے احاطہ سے باہر ہین، یا یہ کہ ہم ان باتون کا یقین نہین کرتے کیونکہ ہم صرف اُن باتون کا یقین کرتے ہین جو تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہو سکتی ہین، کوتاہ نظر عدم علم سے علم عدم سمجھ جاتے ہین، سائنس والے کہتے ہین کہ ہم کو یہ چیزین معلوم نہین ہیں کوتاہ بین اسکے یہ معنے لیتے ہین کہ ہم کو ان چیزون کا نہ ہونا معلوم ہے، حالانکہ ان دونون باتون مین زمین و آسمان کا فرق ہے،

یورپ مین تقسیم عمل کے اصول پر عمل ہے یعنی تمام اہل فن نے اپنے اپنے کام تقسیم کر لیے ہین، اور ہر فرقہ اپنے کام مین اس طرح مشغول ہی کہ اس کو دوسری چیزونسے مطلق غرض نہین، ان مین ایک فرقہ مادیین کا (میٹر لیسٹ) ہے جس کا موضوع بحث

مادہ ہے۔ اس گروہ نے مادہ کے متعلق نہایت عجیب عجیب اسرار معلوم کیے ہین۔ یہی فرقہ ہے
جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ مذہب کا خدا کا روح کا منکر ہے لیکن درحقیقت وہ ان
باتون کا منکر نہین بلکہ یہ کہتا ہے کہ ان چیزون کا ثبوت ہمارے دائرۂ تحقیقات سے باہر ہے
پروفیسر لیتریہ (Lettre) جو اس گروہ کا بہت بڑا عالم ہی لکھتا ہی کہ "چونکہ ہم کائنات
کے آغاز اور انجام سے ناواقف ہین اسلیے ہمارا یہ منصب نہین کہ کسی ازلی یا ابدی وجود کا
انکار کرین جسطرح ہمارا یہ کام بھی نہین کہ ہم اس کو ثابت کرین۔ مادی مذہب اپنے آپکو، عقل اوّل
کے وجود کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہی کیونکہ اس کو اسکے متعلق کسی قسم کا علم نہین۔ ہم
حکمت الٰہی کے نہ منکر ہین نہ مثبت۔ ہمارا کام نفی و اثبات سے بالکل الگ رہنا ہے"۔

فرانس کے ایک طبی رسالہ مین ایک دفعہ ایک مضمون چھپا تھا کہ "ادراک و فکر اس
فاسفورس سے پیدا ہوتا ہے جو دماغ مین ہے اور فضائل انسانی مثلاً شجاعت۔ اخلاص
شرافتِ نفس، یہ سب اعضائے انسانی کی کہربائی تموجات ہین"۔ اس پر فرانس کے ایک
مشہور فاضل کامل فلامریان نے جو طبعیات کا بڑا ماہر ہے، ایک مضمون لکھا جسمین اسنے
مضمون نگار سے اسطرح خطاب کیا۔

"کس نے تم سے کہا ہو لوگونکو گمان ہوگا کہ تمھارے اُستادون نے تمکو یہ سکھایا
ہوگا۔ لیکن یہ گمان صحیح نہین، مین نہین جانتا کہ یہ بیہودہ دعوی زیادہ تر قابل تعجب ہے؟
یا مدعیانِ علم کی جرأت؟ نیوٹن جب کوئی مسئلہ بیان کرتا تھا تو کہتا تھا کہ "بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہی"
کیپلر کہا کرتا تھا کہ "تم ان چیزون کو فرض کر لو"، بخلاف اسکے تم لوگ کہتے ہو کہ "ہم ثابت

کرتے ہین، "ہم باطل کرتے ہین" "یہ موجود ہے" "یہ معدوم ہی" "علم نے یہ فیصلہ کردیا ہی" "اور علم نے یہ ثابت کردیا ہے" حالانکہ تمھارے ان دعوون مین علمی دلائل کی جھلک بھی نہین تم اپنی حماقت سے دلیری کرکے علم پر اس قدر بڑا بار ڈال دیتے ہو؟ جو باتین تم کہتے ہو اگر علم کے کانمین پڑجائین (اور پڑنی ہی چاہیین کیونکہ تم علم کے فرزند ہو) تو تمھاری حماقت پر اسکو ہنسی آجائیگی تم کہتے ہو کہ "علم مثبت ہے" "نافی ہے" "آمر ہے" "ناہی ہی" یہ باتین کہکر غریب علم کے ہونٹون پر ایسے بڑے بڑے بھاری الفاظ رکھدیتے ہو جس سے ممکن ہی کہ اُسکے دلمین غرور آجائے عزیزو! علم۔ ان تمام مسائل مین سے نہ کسی کا اثبات کرتا ہے نہ انکار"

یہ ہے ماہرین فن کی رائے لیکن بعض کم درجہ کے مادیین، اپنی حد سے بڑھکر نفی کا دعوےٰ بھی کر بیٹھتے ہین، اور انہی کی طبع کاریان ہین جس نے ہمارے ملک کے نوجوانونکی آنکھون کو خیرہ کردیا ہے، اسلیے ہم کو زیادہ غور و فکر سے دیکھنا چاہیے کہ وہ اپنے دعوی پر کس قسم کے دلائل قائم کرتے ہین۔ مثال کے لیے ہم ایک اہم مسئلہ یعنی روح کے وجود کے متعلق اُن کے اقوال نقل کرتے ہین،

ڈاکٹر شفلر (Sheffler) کہتا ہی کہ "روح مادہ ہی کی ایک قوت کا نام ہی جو اعصاب سے پیدا ہوتی ہے" ویرشو کا قول ہی کہ "روح ایک قسم کی میکانکل حرکت ہی" بوشنر (Buchner) کہتا ہے کہ "انسان صرف مادّہ کا ایک نتیجہ ہے" "دو بلوا ریمون (Du: Bois: Reymond) کہتا ہی کہ "تمام اعصاب مین ایک کہربائی تموج پایا جاتا ہے اور جس کو فکر کہتے ہین وہ مادہ ہی کی ایک حرکت کا نام ہے" "دو تریشہ (Du. Dutrocher)

جو فزیکل سائنس کا بڑا عالم ہے کہتا ہو کہ "زندگی فطرت کا کوئی اصلی قاعدہ نہین بلکہ ایک اتفاقی استثنا ہے جو مادّہ کے عام اصولون کے مخالف ہے"، فرانس کے ایک مشہور میگزین نے ایک مضمون مین بیان کیا تھا کہ دماغ مین جو فاسفورس ہو فکر اسی کا ایک نتیجہ ہے اور جس چیز کو، اخلاص شجاعت اور فضیلت کہتے ہین وہ اعضائے جسمانی کی کہربائی موجین ہین"

کیا یہ رائین قطعیات مین شمار ہو سکتی ہین؟ کیا انکی بنا پر یہ دعوی کیا جا سکتا ہو کہ علوم جدیدہ نے روح کو باطل ثابت کر دیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ مذہب اور سائنس کے حدود بالکل الگ الگ ہین، سائنس کا جو موضوع ہے مذہب کو اس سے کچھ واسطہ نہین، اور مذہب کو جن چیزون سے بحث ہو، سائنس کو ان سے کچھ غرض نہین، فلسفہ البتہ کہین کہین مذہب سے ٹکرا جاتا ہے، لیکن قطعیات اور یقینیات مین اسکا شمار نہین اور یہی وجہ ہے کہ اُس کے مختلف اسکول ہین اور ان اسکولون مین باہم نہایت سخت اختلاف ہے۔ انمین سے بعض خدا کے منکر ہین تو بہت سے خدا کے قائل بھی ہین، وجود روح کے مقر بھی ہین اور منکر بھی۔ اخلاق کے اصول ایک فرقہ کے نزدیک کچھ ہین اور دوسرے کے نزدیک کچھ اس حالت مین مذہب اس لحاظ سے مطمئن رہتا ہے کہ

چو دیدی کہ در دشمن افتاد جنگ

خلط مبحث اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب سائنس اور مذہب دونون مین سے کوئی اپنی حد سے بڑھکر دوسرے کی حد مین قدم رکھتا ہو اور یہی خلط مبحث تھا جس نے ملاحدہ اور منکرین مذہب کے خیالات کو قوت دی۔ بلکہ درحقیقت اسی خلط مبحث نے الحاد اور بددینی کے

خیالات پیدا کردیے۔ یورپ مین پہلے مذہب کو اس قدر وسیع کرلیا گیا تھا کہ کسی قسم کا کوئی علمی مسئلہ مذہب کی دست اندازی سے بچ نہین سکتا تھا؛ چنانچہ خاص اس مقصد کی غرض سے اسپین مین مجلس انکوزیشن قائم ہوئی تھی جسکا کام یہ تھا کہ جو لوگ، مذہب کے خلاف کچھ کہتے ہون انکی تحقیقات کرے اور انپر کفر اور ارتداد کا الزام لگاے؛ چنانچہ اٹھارہ برس مین یعنی ۱۴۸۱ سے لیکر ۱۴۹۹ء تک۔ دس ہزار دو سو بائیس آدمی، ارتداد کے الزام مین زندہ آگ مین جلا دیے گئے، اس مجلس نے ابتداے قیام سے اخیر زمانہ تک تین لاکھ چالیس ہزار آدمیونکو کافر اور ملحد قرار دیا جن مین سے کئی لاکھ آگ مین جلا دیے گئے،

جس قسم کی باتونپر کفر کا الزام لگایا جاتا تھا اس کا اندازہ۔ ذیل کے واقعات سے ہوگا کوپرنکس نے نظام بطلیموسی سے انکار کرکے یہ ثابت کیا کہ زمین اور چاند وغیرہ آفتاب کے گرد گھومتے ہین اسپر مجلس انکوزیشن نے فتویٰ نافذ کیا کہ یہ راے۔ کتاب مقدس کی مخالف ہے اور اس بنا پر کوپرنکس مرتد اور کافر ہے۔

گلیلو نے جو دوربین کا موجد گذرا ہے، ایک کتاب کوپرنکس کی حمایت مین لکھی جسمین ثابت کیا کہ زمین آفتاب کے گرد گھومتی ہے۔ اسپر مجلس انکوزیشن نے فتویٰ دیا کہ وہ مستوجب سزا ہے چنانچہ اس کو گھٹنونکے بل کھڑا کراکر یہ حکم دیا گیا کہ وہ اس مسئلہ سے انکار کرے۔ لیکن جب وہ اپنے عقیدہ پر ثابت قدم رہا تو قید خانہ بھیجدیا گیا۔ اور دس سال تک محبوس رہا۔

کولمبس نے جب کسی نئے جزیرہ کے دریافت ہونے کی امید پر سفر کرنا چاہا تو کلیسا نے فتویٰ دیا کہ اس قسم کا ارادہ، مذہب کے خلاف ہے،

زمین کے کروی ہونے کا خیال جب اول اول ظاہر کیا گیا تو پادریون نے سخت مخالفت کی کہ یہ اعتقاد، کتاب مقدس کے خلاف ہے،

غرض ہر قسم کی علمی ایجادات اور اکتشافات پر پادریون نے کفر و ارتداد کے الزام لگائے تاہم چونکہ علمی ترقی کا اُٹھان تھا انکی کوششین بے کار گئین، اور علوم و فنون تکفیر ہی کے سایہ مین پھولے اور پھلے۔

پادریون کے تعصبات اور وہم پرستی اگرچہ علم کو دبا نہ سکے لیکن اسکا یہ نتیجہ ہوا کہ علمی گروہ نے پادریون ہی کے خیالات اور اوہام کو مذہب سمجھا اور اس بنا پر نہایت مضبوطی سے انکی راے قائم ہوگئی کہ مذہب جس چیز کا نام ہے وہ علم اور حقیقت کے خلاف ہے، یہی ابتدائی خیال ہے، جس کی آواز بازگشت آج تک یورپ مین گونج رہی ہے،

بے شبہہ اگر مذہب اسی چیز کا نام ہے تو وہ سائنس کے مقابلہ مین کسی طرح نہین ٹھہر سکتا لیکن اسلام نے پہلے ہی دن کہدیا تھا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی تم لوگ دنیا کی باتین خود خوب جانتے ہو، یہ ظاہر ہے کہ سائنس اور تمام علوم جدیدہ اسی دنیا سے متعلق ہین معاد اور آخرت سے انکو کچھ واسطہ نہین۔

اس موقع پر یہ نکتہ لحاظ کے قابل ہے کہ اسلام مین سیکڑون فرقے پیدا ہوے اور ان مین اس قدر اختلاف رہا کہ ایک نے دوسرے کی تکفیر کی، یہ تکفیر بڑے بڑے مسائل پر محدود نہ تھی بلکہ نہایت چھوٹی چھوٹی باتو نپر ایک دوسرے کو اسلام کے دائرہ سے خارج کردیتا تھا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن علمی تحقیقات و اکتشافات کی بنا پر کبھی کسی شخص کی تکفیر نہین کیگئی

قدماے مفسرین کا خیال تھا کہ پانی آسمان سے آتا ہے یعنی آسمان پر ایک دریا ہے، بادل اُسی سے پانی لیتے ہین اور برساتے ہین، آفتاب، پانی کے ایک چشمہ مین غروب ہوتا ہے، زمین مسطح ہے کروی نہین، ستارے جو ٹوٹتے ہین شیاطین کے شعلہ ہاے آتشین ہین، مفسرین ان تمام باتونکو قرآن کے نصوص سے ثابت سمجھتے تھے، چنانچہ امام رازی نے مفسرین قدیم کے یہ تمام اقوال تفسیر کبیر مین نقل کیے ہین،

لیکن جب عباسیون کا علمی دور آیا اور فلسفہ اور طبعیات نے ترقی کی تو لوگون نے ان خیالات کی مخالفت کی، باوجود اسکے خود مفسرین کے گروہ مین سے ایک شخص نے بھی ان لوگونکو کافر اور منکر قرآن نہین کہا، معتزلہ کو محدثین اس بنا پر کافر کہتے ہین کہ وہ قرآن کے مخلوق ہونیکے قائل ہین لیکن اس بنا پر کوئی اُنکو کافر نہین کہتا کہ وہ جادو کی حقیقت سے منکر ہین، غرض جس حد تک تحقیق و تفتیش کیجائے۔ عموماً یہ ثابت ہوگا کہ مسلمانون نے علمی تحقیقات اور ایجادات کو کبھی مذہب کا حریف مقابل نہین سمجھا۔ بلکہ محققین نے صاف تصریح کردی کہ اسباب کائنات اور مسائل ہئیت، وغیرہ نبوت کی سرحد سے بالکل الگ ہین اور انبیا کو تہذیب اخلاق کے سوا اور کسی چیز سے غرض نہین،

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین۔

وَمِنْ سِيَرِهِمْ أَنْ لَا يَشْتَغِلُوا بِمَا لَا يَتَعَلَّقُ بِتَهْذِيبِ النَّفْسِ وَسِيَاسَةِ الْأُمَّةِ كَبَيَانِ أَسْبَابِ حَوَادِثِ الْجَوِّ مِنَ الْمَطَرِ وَالْكُسُوفِ وَالْهَالَةِ وَعَجَائِبِ النَّبَاتِ	انبیاء کا ایک اصول یہ ہے کہ جو امور تہذیب نفس اور قوم کی سیاست سے تعلق نہین رکھتے انہین وہ مشغول نہین ہوتے مثلاً بارش۔ گرہن، اور ہالہ کے اسباب بیان کرنا یا نباتات

والحیوان ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیة وقصص الانبیاء والملوك والبلدان ونحوها اللهم الا کلمات یسیرة الفها اسماعهم وقبلها عقولهم یؤتی بها فی التذکیر بآلاء الله والتذکیر بایام الله علی سبیل الاستطراد بکلام اجمالی یسامح فی مثله بایراد الاستعارات والمجازات ولهذا الاصل لما سألوا النبی عن لمیة نقصان القمر وزیادته اعرض الله تعالی عن ذالك الی بیان فوائد الشهور فقال یسئلونك عن الاهلة قل هی مواقیت للناس والحج

اور حیوانات کے عجائبات یا چاند سورج کی رفتار یا روزانہ حوادث کے اسباب۔ یا انبیاء اور سلاطین کے قصے یا شہروں کے حالات بیان کرنا۔ ان چیزوں سے وہ بحث نہیں کرتے مگر ہاں چند معمولی باتیں جن سے لوگوں کے کان آشنا ہو چکے ہیں اور انکی عقلوں نے ان باتوں کو قبول کر لیا ہے، اُن باتوں کو بھی انبیاء علیہم السلام خدا کی شان اور قدرت کے ذکر میں ضمنی طور پر اجمالاً بیان کرتے ہیں اور اس میں مجاز اور استعارہ سے کام لیتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب لوگوں نے آنحضرت سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی علت دریافت کی تو خدا نے اسکی جواب سے اعراض کیا اور اسکے بجائے مہینوں کی تعیین کا فائدہ بیان کر دیا چنانچہ فرمایا ویسئلونک الخ

شاہ صاحب نے انبیاء کی تعلیم کا جو اصول بتایا اس کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ مذہب اسلام کو سائنس اور علوم جدیدہ سے کسی قسم کے خطرہ پہونچنے کا احتمال ہے۔

مذہب انسان کی فطرت مین داخل ہی

انسانؔ اور حیوان کا مقابلہ کرو۔ حیوان اپنی ضروریات کا سامان اپنے ساتھ لیکر پیدا ہوتا ہی۔ انکا لباس انکے ساتھ ہوتا ہے جو موسم کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے۔ دشمنون سے مقابلہ کرنے کے لیے پنجے۔ ناخن۔ ڈنک کے ہتھیار اسکے ساتھ پیدا ہوتے ہین۔ جن غذاؤن پر اسکی زندگی کا مدار ہی۔ پیدا ہونے کے ساتھ اس کو ہر طرف۔ جنگل ہو یا پہاڑ خشکی ہو یا دریا ویرانہ ہو یا آباد۔ ہر جگہ مہیا ملتی ہین،

انسان کا یہ حال ہی کہ جب پیدا ہوتا ہے تو کسی قسم کا سامان اسکے پاس نہین ہوتا اسکی جلد نازک ہوتی ہی۔ ہاتھ پاؤن کمزور ہوتے ہین، جسم پر کوئی لباس نہین ہوتا دشمن سے حفاظت کے لیے سینگ یا پنجے نہین ہوتے۔ اس کے ساتھ عالم فطرت کی جتنی چیزین اسکے گرد وپیش ہوتی ہین سب کی سب اوسکی دشمن نظر آتی ہین، آفتاب کی گرمی۔ بادون کی جھڑی، لُوؤن کی لپٹ۔ جاڑون کی ٹھنڈ، ہر چیز چاہتی ہے کہ اسکو تباہ کردے،

ان مصائب و مشکلات کے مقابلہ کرنے کے لیے قدرت نے اس کو کوئی جسمانی ہتھیار نہین دیا، کیونکہ جن ہتیار اور پرزور دشمنون کا اسکو سامنا کرنا تھا، اسکے لیے کوئی جسمانی آلہ کافی نہین ہوسکتا تھا، قدرت نے اُس کو ان ہتھیارون کے بدلے ایک ایسی عام قوت

سلہ اس موقع پر یہ جتا دینا ضرور ہے کہ اس حصہ مین ہمنے جا بجا یورپ کے حکما اور علما کے اقوال نقل کیے ہین لیکن ہمنے انکی اصلی تصنیفات کے دیکھنے کی زحمت نہین اُٹھائی ہی۔ بلکہ مصر کے ایک فاضل مصنف کی تصنیفات پر اعتماد کیا ہے جسکا نام فریدی وجدی بک ہے اس بحث مین اسکی دو تصنیفین ہین تطبیق الدیانۃ الاسلامیہ در الحدیقۃ الفکریۃ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ جن یورپین فاضلون کے اقوال نقل کیے گئے ہین ہین انمین سے اکثر جرمن اور فرینچ کے علما ہین ہمارے نئی تعلیم یافتہ احباب جو انگریزی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہین جانتے انکے ناموں کے متعلق غلطی نکرنی چاہیے،

عطا کی جسکے ذریعہ سے اُسنے ہر قسم کے دشمنون کے مقابلہ کے لیے جدا سامان طیار کیے دھوپ گرمی ۔ جاڑے، سے محفوظ رہنے کے لیے ہر قسم کے لباس اور مکانات بنائے جانورون کے مقابلہ کے لیے تیغ و خنجر طیار کیے ۔ دریاؤن پر پل باندھے ۔ پہاڑ تراشے ۔ لوہا پگھلایا ۔ برق کو مسخر کیا ہوا کو تھاما، غرض تھوڑے عرصہ کے بعد دیکھا تو تمام کائنات اُسکے پنجۂ اقتدار مین تھی،

عقل کلی

اس عام قوت کا نام عقل کلی یا عقل انسانی ہے لیکن چونکہ قدرت کو منظور تھا کہ انسانکی ترقیان بلند سے بلند نقطہ پر بھی پہنچکر ٹھہرنے نہ پائین، اس لیے وہ (یعنی قدرت) ایک دم بھی انسان کو چین نہین لینے دیتی، وہ اسکے مخالفون کو نئے نئے ہتھیار دیتی جاتی ہے جس سے انسان پر نئے نئے طرح کے حملے کیے جاتے ہین، جن بیماریون کا علاج معلوم ہو چکا تھا، انکے علاوہ نئے امراض پیدا ہوتے ہین ۔ دنیا کا جغرافیہ جس قدر معلوم ہو چکا تھا اُسکے علاوہ نئی آبادیونکا پتہ لگتا ہے، اور وہان نئے ضروریات پیش آتے ہین ۔ آرام و آسایش کے جو سامان مہیّا ہو چکے تھے راحت طلبی کا مادّہ بڑھکر وہ سامان بے کار ہو جاتے ہین، مجبوراً انسان ان نئے مخالفون کے مقابلہ کے لیے نئی طیاریان کرتا ہے، اور ترقی کی جس حد تک پہونچ چکا تھا اس سے آگے نکل جاتا ہے،

عالم کون اور انسان کی یہ باہمی کشمکش ہی وہ چیز ہے جو انسان کی تمام ترقیونکی جڑ ہے اور جس کی بدولت آج سیکڑون ہزارون نئے نئے ایجادات کا سلسلہ قائم ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہے، لیکن ان بیرونی دشمنون اور مخالفون سے زیادہ سخت اور زیادہ خطرناک دشمنونکا ایک اور گروہ ہے جو خود انسان کے اندر موجود ہے اور جن سے

اُسکو ہمیشہ سخت معرکہ آرائیاں رہتی ہین۔ طمع اس کو آمادہ کرتی ہے کہ عزیز و بیگانہ۔ دوست و دشمن دور و نزدیک کے تمام دولت و مال پر قبضہ کر لیا جائے، کینہ پروری کا تقاضا ہے کہ مخالفون کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے۔ جاہ طلبی کہتی ہے کہ جب تک تمام عالم کی گردنین جھک نہ جائین، آرام نہ لے، خواہش نفس مجبور کرتی ہے کہ دنیا مین کسی کا پردۂ عصمت محفوظ نہ رہنے پائے، ان دشمنون سے بچانے کے لیے ایک حد تک عقل کام آتی ہے، وہ بتاتی ہے کہ اگر تم کسی کی آبرو کا قصد کروگے تو وہ بھی کریگا تم کسیکو برباد کرنا چاہوگے تو وہ بھی چاہے گا۔ تم دوسرونکی عزت نکروگے تو وہ بھی نہ کرینگے لیکن اولاً تو اس قسم کی پیش بینی عقل خاص خاص تعلیم یافتہ اشخاص مین ہو سکتی ہے۔ اسکے علاوہ بہت سے ایسے موقع پیش آتے ہین، جہان اس قسم کے انتقام کا مطلق اندیشہ نہین ہوتا۔ حکومت کا خوف۔ جاسوس کا ڈر۔ بدنامی کا احتمال۔ انتقام کا خطرہ۔ ایک چیز بھی نہین ہوتی۔ ان موقعون پر عقل اُن پرزور مخالفون کا مقابلہ نہین کر سکتی، بلکہ ایک دوسری قوت سے، جو سینہ سپر ہوتی ہے اور انسان کو اُن دشمنونکے حملے سے بچاتی ہے اس قوت کا نام **نور ایمان**، کانشنس، حاسۂ اخلاقی ہے، اور یہی چیز مذہب کی بنیاد ہے،

نور ایمان

یہ **قوت**، انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے۔ عالم و جاہل۔ رذیل و شریف۔ شاہ و گدا۔ افریقہ کا وحشی، اور یورپ کا تعلیم یافتہ، سب اسمین برابر کے حصہ دار ہین اور یہی معنی ہین قرآن کی اس آیت کے،

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ　　اپنا مُنھ طرف سے موڑ کر دین کیطرف کیجیے وہ خدا کی فطرت ہے جسپر

فِطْرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ   خدا نے انسان کو مخلوق کیا ہی خدا کی خلقت مین تغیر نہین
الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ   ہوتا یہی ٹھیک دین ہی لیکن اکثر لوگ جانتے نہین،

جرمن کا ایک حکیم گسلر لکھتا ہی کہ "مذہب ابدی چیز ہے کیونکہ مذہب جس حاسہ کا نتیجہ ہے وہ کسی زمانہ مین کبھی معدوم نہین ہوسکتا،، فرانس کا مشہور فاضل معلم رینان جو مذہب کا پابند تھا اپنی کتاب "تاریخ مذہب" مین لکھتا ہے، کہ "یہ ممکن ہے کہ کل وہ اشیا جن کو ہم محبوب رکھتے ہین، اور کل وہ چیزین جو لذائذ زندگی مین محسوب ہین مٹ جائین، لیکن یہ ناممکن ہے کہ مذہب دنیا سے معدوم ہوجائے یا اس کی قوت مین زوال نہ جائے، وہ ہمیشہ اس بات کا علانیہ ثبوت دیگا کہ مادی مذہب (میٹرلیسٹ) بالکل غلط ہے جو یہ چاہتا ہے کہ انسان کی دماغی قوت اس پست خاکی زندگی تک محدود رہ جائے[۱]،،

پروفیسر سبیٹہ (Sabatea) فلسفہ دینیہ مین لکھتا ہی کہ "مین کیون پابند مذہب ہون؟ اسلیے کہ اس کے خلاف ہو ہی نہین سکتا تھا کیونکہ پابند مذہب ہونا میری ذاتیات مین ہے، لوگ کہین گے کہ یہ وراثت، یا تربیت، یا مزاج کا اثر ہے مین نے خود اپنی رائے پر یہی اعتراض کیا ہے لیکن مین نے دیکھا کہ سوال پھر پیدا ہوتا ہی اور وہ حل نہین ہوتا، مذہب کی ضرورت جس قدر مجکو اپنی ذاتی زندگی کے لیے ہے، اس سے زیادہ عام سوسائٹی کو ہے مذہب کے شاخ و برگ ہزارون دفعہ کاٹ ڈالے گئے ہین لیکن جڑ ہمیشہ قائم رہی ہے اور اس نے نئی برگ و بار پیدا کرلیے ہین، اس بنا پر مذہب ابدی چیز ہی جو کبھی زائل نہین ہوسکتی

---

[۱] یہ دونون قول تطبیق الدیانۃ الاسلامیۃ صفحہ ۲۴ و ۲۵ مین مذکور ہین،

مذہب کا چشمہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا ہے اور فلسفیانہ فکر اور زندگی کے دردناک تجربے اس کو اور گہرا کرتے جاتے ہین، انسانیت کی زندگی مذہب ہی سے قائم ہوئی ہے اور اسی سے قوت پائیگی"[1]

دنیا کے اخلاقی نظم ونسق کو اسی حاسہ مذہبی ہی نے تھام رکھا ہے، ورنہ اگر تعلیم وتمدن پر مدار ہوتا تو یورپ کا اخلاقی پلہ اسیقدر تمام دنیا سے بھاری ہوگیا ہوتا جسقدر تعلیم وتمدن مین اسکا پایہ بلند ہے

مذہب کے فطری ہونے کی دوسری دلیل

دنیا مین افراد انسانی کے خاص خاص مختصات یعنی زبان - قوم - ملک - صورت رنگ کو حذف کرتے جاؤ تو جو چیزین قدر مشترک رہ جائینگی، ان مین ایک مذہب ہوگا اور یہ بہت بڑی دلیل اس بات کی ہے کہ مذہب فطری چیز ہے - جن چیزون کو ہم انسان کی فطرت خیال کرتے ہین مثلاً اولاد کی محبت - انتقام کی خواہش - کمال کی قدردانی، وغیرہ وغیرہ ان کے فطری ہونے کی یہی وجہ قرار دیتے ہین کہ تمام دنیا کے آدمیون مین مشترک پائی جاتی ہین - اس بنا پر جب ہم دیکھتے ہین کہ دنیا مین ہر قوم - ہر نسل، ہر طبقہ کوئی نہ کوئی مذہب رکھتا ہے تو صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب فطری چیز ہے - اس سے بڑھکر یہ کہ مذہب کے جو مقدم اصول ہین وہ تمام مذاہب مین یکسان پائے جاتے ہین خدا کا وجود، اس کی پرستش کا خیال - حیات بعد الموت - اعمال کی جزا وسزا - رحمدلی - ہمدردی - عفت کا اچھا سمجھنا - جھوٹ - دغا - زنا - چوری کو برا جاننا - دنیا کے تمام مذہبون کا اصل اصول ہے

تیسری دلیل

فطرت نے افراد انسانی مین بے انتہا فرق مراتب رکھا ہے - دولت و مال - جاہ وحشم - فضل وکمال - ذہن وذکا کے عطا کرنے مین ایک طرف تو یہ فیاضی ہے کہ اس سے

---

[1] الحیوۃ سال اول صفحہ ۱۵۵

زیادہ ہو نہین سکتی، سکندر و تیمور، ارسطو و افلاطون، ہومر و فردوسی، اسی فیاضی کے نمونے ہین
دوسری طرف یہ مجمل ہے کہ انسان اور بندر مین اتنا کم فرق رہ جاتا ہے کہ ڈارون کو نظر
تک نہین آتا۔ با اینہمہ جو باتین شرط زندگی اور مدار حیات ہین وہ تمام افراد انسانی کو یکسان
عطا کی ہین۔ افریقہ کا جاہل سے جاہل وحشی بھی اسی طرح کھاتا پیتا۔ چلتا۔ پھرتا سوتا جاگتا۔ بولتا
چالتا ہے جس طرح یونان کا بڑے سے بڑا حکیم ان ضروریات کو انجام دیتا ہے،

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مذہب کا اسقدر حصہ۔ جو تمام دنیا کی قومون مین
مشترک ہے لازمۂ انسانی تھا۔ اور اس وجہ سے قدرت نے تمام قومون کو یکسان عطا کیا، ارسطو، اور بہتم
بہت سے دلائل کے بعد اس نتیجہ تک پہونچے کہ سچائی، دیانت داری، عفت، حلم اچھی چیزین ہین،
لیکن افریقہ کا ایک وحشی بغیر تعلیم اور بغیر کسی دلیل کے خود بخود ان چیزون کو اچھا جانتا اور
اچھا سمجھتا ہے،

مذہب اسلام

مذہب اسلام

یہ تو ثابت ہو چکا کہ مذہب فطری چیز ہے یعنی جس طرح انسان مین ہمدردی محبت جوش انتقام۔ قدرتی جذبات پائے جاتے ہین اسی طرح میلان مذہب بھی قدرتی اور فطرتی ہے، اور جس طرح اور قدرتی جذبات کسی شخص مین کم کسی مین زیادہ۔ کسی مین ضعیف کسی مین بہ شدت، اور شاذ و نادر افراد مین بالکل نہین پائے جاتے، بعینہ مذہب کا یہی حال ہے،

لیکن چونکہ (جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے) جاذبہ مذہبی، اس بنا پر انسان کو عطا کیا گیا ہے کہ بغیر اسکے نوع انسانی کا بقا ممکن نہ تھا، اسلیے مذہب کا جسقدر حصہ تمام انسانون مین یکسان مشترک ہے وہ نہایت سادہ مجمل۔ اور ناتمام ہے، اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا، اسکی صاف اور صریح تمثیل یہ ہے کہ انسان کے زندہ رہنے کے لیے، کھانا پینا، گرمی سردی سے بچنا، ضروری ہے اسلیے قدرت نے ان ضروریات کا سامان، ادنی سے ادنیٰ آدمی کے لیے بھی مہیا کیا ہے لیکن یہ ضرور نہین کہ یہ سامان اعلیٰ درجہ کے بھی ہون، کھانے کے لیے سدرمق، رہنے کے لیے خس کا جھونپڑا، لباس کے لیے درختون کے پتے بھی مہیا ہو گئے تو قدرت کا فرض ادا ہو گیا، اس سے بڑھکر مختلف قسم کے الوان نعمت، عالیشان محل بیش بہا ملبوسات سب کے لیے ہونے ضرور نہین فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ

یہی حال مذہب کا ہے۔ خدا کا اعتراف، عبادت کا میلان، معاد کا خیال جزا و سزا کا یقین نبوت کا اعتراف، لازمۂ انسانی تھا اسلیے سب فرقون مین مشترک۔ ہا اور اس مین کسی قوم اور کسی فرقہ کی تخصیص نہین لیکن یہ امور کہ خدا کے کیا اوصاف ہین ؟ کس قسم کی

تمام مذاہب مین کسی ایک کی ترجیح کی وجہ

عبادت فرض ہے؟ کیون فرض ہی؟ معاد کی کیا حقیقت ہے؟ جزا و سزا کی کیا غرض ہی؟ نبوت کے کیا معنے ہین؟ ان سوالات کا جواب تمام مذاہب مین یکسان نہین مل سکتا۔ اس مین فرق مراتب ہے اور جس نسبت سے جس مذہب نے ان سوالات کا صحیح جواب دیا ہے، اسی نسبت سے وہ مذہب زیادہ صحیح اور کامل ہے،

یورپ مین منکرین مذاہب کا جو گروہ پیدا ہو گیا ہے اور روز بروز بڑھتا جاتا ہی اسکے انکار مذہب کی وجہ یہی ہی کہ وہ مذاہب موجودہ مین سوالات مذکورہ بالا کا صحیح اور مکمل جواب نہین پاتے،

پروفیسر لاروس (Larousse) مذہب کی مخالفت کرتے ہوئے لکھتا ہے

"اگر ہم کہتے ہین کہ اُن باتون کا اعتقاد کرنا چاہیے جو عقل مین آئین، تو ہم سے کہا جاتا ہے نہین ہرگز نہین، عقل کو جو نیک و بد کی ممیز ہے، ذلیل کیا جاتا ہی، یہانتک کہ جب عقل کی آنکھین

یورپ کو مذہب سے کیون مخالفت

اسقدر اندھی کردیجاتی ہین کہ خرق عادت، ایک معمولی بات بنجاتی ہی، سفید سیاہ ہوجاتا ہی، بدنما چیز خوشنما ہوجاتی ہی تو مذہب آتا ہی اور کہتا ہے کہ گردن ڈالدو! کس کے آگے؟ عقل کے آگے؟ نہین۔ فطری فرائض کے آگے؟ نہین، احساسات اندرونی کے آگے؟ نہین، اصول فطرت کے آگے؟ نہین"[1]

مانسیو بنجمن کانستان نے جو فرانس کا مشہور عالم ہے "مذہب کی حقیقت اور مذہب کی نشو و نما پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس مین وہ مذہب کے نقصانات کی تفصیل بیان کرکے لکھتا ہے کہ "مذہب جن بنیادون پر قائم ہوا ہے وہ علم کی مخالف ہین اور اس لیے

---

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۴،

یہ قطعی ہے کہ تمام مذاہب برباد ہو جائیں"،

برتلو (Berthelot) لکھتا ہے "علم نے اب پوری آزادی حاصل کرلی ہے اور اسبات کا خوف نہیں رہا کہ مذہب اسکو دبالے"۔

ان تصریحات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان منکرین مذاہب کے نزدیک چونکہ مذہبی اصول تحقیقات علمی کے مخالف ہیں اسلیے وہ صحیح نہیں ہو سکتے، ورنہ اگر کوئی مذہب ایسا ہو جسکے تمام اصول عقل کے موافق ہوں تو منکروں کو بھی اس کی تسلیم سے انکار نہ ہوگا، اسی بنا پر یورپ کے بڑے بڑے محققین نے مذہب کا ایک خیالی خاکہ کھینچا ہے اور اس کا نام "دیانتہ طبیعیۃ" رکھا ہے، وہ کہتے ہیں کہ مذاہب موجودہ غلط ہیں لیکن اگر ایک نیا مذہب ایجاد کیا جائے جسکے اصول حسب ذیل قرار دیے جائیں تو وہ بے شبہہ تسلیم کے قابل ہوگا۔ اور تحقیقات علمی کا ساتھ دے سکیگا،

فطری مذہب

ژول سیمان نے اس عقلی مذہب کا تفصیلی خاکہ حسب ذیل کھینچا ہے،

فطری مذہب کا خاکہ

"ثواب آخرت کے یہ معنی ہیں کہ انسان قانون کا پابند ہو لیکن یہ قانون کیا ہے؟ اپنی ذات کی حفاظت، اُن خصائص کو ترقی دینا جو انسان کی فطرت میں مضمر ہیں بنی نوع کی محبت اور خدمت، خدا کی عبادت، لیکن خدا کی عبادت کے کیا معنی ہیں؟ اپنے فرائض کا ادا کرنا۔ اچھے کام کرنا۔ وطن کی محبت، عمل اور اخلاص، یہی فطری مذہب ہے" اور یہی فطری عبادت ہے"،

---

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۲،

"یہ تو فطری مذہب کے اعمال ہیں، عقائد یہ ہیں۔ ایک قادر مطلق کا یقین، جو ہر چیز پر قادر ہے، جس کو کوئی شے بدل نہیں سکتی اور جس کے تمام کام اصول اور ترتیب پر مبنی ہیں[1]"

لارڈ ویشس کہتا ہے، اگر مذہب کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ اُن معقول خیالات کے مجموعہ کا نام ہے جنکا مقصود یہ ہے کہ تمام افراد انسانی ایک رشتہ مین منسلک ہو جائین اور وہ جسمانی فائدون سے اسی طرح بہرہ یاب ہون جس طرح قوت عقلیہ سے، تو تم یہ کہ سکتے ہو کہ مذہب، نوع انسانی کے لیے ایک لابدی چیز ہے[2]"

ایک اعلیٰ تر مذہب کے کیا اصول قرار پا سکتے ہین

غرض خواہ ان اقوال کی بنا پر خواہ خود واقعیت کے لحاظ سے، ایک صحیح۔ کامل اور ابدی مذہب کے لیے جو باتین ضروری ہین یہ ہین،

(۱) مذہب کی صحت کا مدار عقل قرار دیا جائے نہ تقلید؛

(۲) کوئی عقیدۂ مذہبی عقل کے خلاف نہ ہو،

(۳) عبادات کے یہ معنی نہ قرار دیے جائین کہ وہ مقصود بالذات ہین اور خدا ہمارے تکلیفات شاقہ اٹھانے سے خوش ہوتا ہے، بلکہ عبادات سے خود نوع انسانی کا فائدہ مقصود ہو اور وہ اعتدال سے متجاوز نہ ہون۔

(۴) دینی اور دنیوی فرائض کو اس اعتدال کے ساتھ قائم کیا جائے کہ ایک سے دوسرے کو ضرر نہ پہنچے بلکہ ایک دوسرے کا دست و بازو بن جائے۔

(۵) مذہب، تمدن کی اعلیٰ سے اعلیٰ ترقی کا ساتھ دے سکے بلکہ خود اس ترقی کا رستہ دکھائے

---

[1] ماخوذ از تطبیق صفحہ ۲۰ [2] تطبیق صفحہ ۲۵ و ۲۶،

ہم اس کتاب مین اول انہی اصول کے معیار پر اسلام کو جانچنا چاہتے ہین۔

عقل اور مذہب

سب سے پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ تمام مذاہب مین عقل کو کیا درجہ دیا گیا ہے اور اسلام نے عقل کی کیا منزلت قائم کی ہے، دنیا مین آج جس قدر مذاہب موجود ہین ان سب مین تلقین کی ابتدا اس حکم سے شروع ہوتی ہے کہ ”مذہب مین عقل کو دخل نہ دو“ یہی جابرانہ حکم ہے جس کی بدولت مذہب ہر قسم کی تحقیقات اور اجتہادات سے مطمئن رہتا ہے اور ان مین سے کوئی چیز اس کی جباری کو کم نہین کر سکتی۔ اسی کا اثر ہے کہ ایک شخص منطق فلسفہ ریاضیات مین سیکڑون عجیب وغریب ایجادات کرتا ہے۔ اور ارسطو و افلاطون کی غلطیان نکالتا ہے لیکن جب اسکے سامنے اس مسئلہ کا ذکر آتا ہے کہ ”ایک تین ہین اور تین ایک“ تو اس کی نقادی اور نکتہ سنجی بالکل کند اور بیکار ہو جاتی ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سقراط اتنا بڑا فلسفی ہو کر جان دینے کے وقت وصیت کرتا جاتا ہے کہ فلان بت پر مین نے نذر چڑھانے کی منت مانی تھی وہ پوری کی جائے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ تمام مذاہب مین بڑے بڑے حکما و علما پیدا ہوتے ہین لیکن مذہب کے لغو سے لغو عقیدہ کی نسبت بھی ان کو شک نہین پیدا ہوتا عقل کی اس بیکاری سے صرف یہ نقصان نہین پہونچتا کہ جو لغو عقیدہ ایک دفعہ قائم کر لیا گیا تھا وہ اپنے حال پر قائم رہتا ہے، بلکہ توہمات اور عجائب پرستی کا دور روز بروز بڑھتا جاتا ہے یہان تک کہ چند روز کے بعد مذہب کے عمدہ عقائد بھی ان توہمات کے ہجوم مین چھپ جاتے ہین، اور مذہب ہمہ تن عجائبات اور ناممکنات کا مجموعہ بن جاتا ہے

یہی چیز ہے جس نے یورپ کے آزاد خیالون کو مذہب سے متنفر بنا دیا ہے۔ پروفیسر لاروس نے تمام مذاہب کے برباد ہوجانے کی جو پیشین گوئی کی ہے اسی بنا پر کی ہو کہ مذہب عقل کو برباد کرنا چاہتا ہے اس لیے ضرور ہے کہ خود برباد ہوجائے، یہی پروفیسر ایک مقام پر لکھتا ہو کہ "اگر ہم بغیر خود غرضی اور وہم پرستی کے اس بات کا پتہ لگائین کہ دنیا مین آج تک جسقدر مادی، دماغی، اور اخلاقی ترقیان ہوئی ہین اُن کا اصلی سبب کیا ہے تو صرف یہ جواب ہے کہ عقل کا جبر کے شکنجہ سے نجات پانا"

اسلام کی تلقین

اب دیکھو اسلام کی کیا تلقین ہے؟

قرآن مجید مین یہودیون، عیسائیون، بت پرستون اور ملحدون کو سیکڑون جگہ مختلف طریقون سے عقائد اسلام کی دعوت دی ہے لیکن ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ تقلیداً ان عقائد کو مان لو، بلکہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اجتہاد اور غور کے ذریعہ سے اُنکو منوانا چاہا ہے اور تقلید پرستی کی سخت برائی کی ہے، مخالفین اسلام کو سب سے بڑا الزام جو دیا وہ یہ تھا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ (یوسف)	آسمان اور زمین مین کسقدر بیشمار نشانیان ہین لیکن لوگ انپر گذر جاتے ہین۔ اور اُنکی طرف رخ نہین کرتے،
لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (سورہ اعراف قبل رکوع اخیر)	انکے دل تو ہین لیکن اس سے سمجھ کا کام نہین لیتے۔
اِنَّا وَجَدْنَا اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (پارہ ۲۵)	ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہی کے پیچھے پیچھے چلے جائینگے،
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ۔	اور بعض لوگ ایسے ہین جو خدا کے بابت بن علمی کے جھگڑتے ہین

اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰن — کیا یہ لوگ، قران پر غور نہین کرتے۔

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — کیا یہ لوگ آسمان اور زمین کے کارخانہ کو دغور سے نہین دیکھتے،

یہ تمام آیتین تو کلی طور پر عقل سے کام لینے کے متعلق تھین، مذہب کے تمام اصول وفروع کے متعلق اسلام نے جو تلقین کی وہ عقل کی بنا پر کی،

نفس مذہب کی ضرورت اسطرح ظاہر کی۔

اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّیْنِ حَنِیْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ — اپنا منھ سب طرف سے پھیر کر دین کی طرف کر یہ خدا کی وہ فطرت ہے جسپر خدا نے لوگونکو پیدا کیا ہے، خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین ہوتی

اسلام کی دعوت کا حکم دیا تو اسکے یہ طریقے بتائے،

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ، — اپنے خدا کی راہ کی طرف لوگونکو با دحکمت سے نصیحت سے اور اُن لوگون سے بحث کر د بہ طرز پسندیدہ،

خاص خاص اسلامی عقائد جہان کہین بیان کئے ہر ایک عقیدہ کے ساتھ اُسکی عقلی دلیل بیان کی۔ خدا کے ثبوت کے دلائل تو اس کثرت سے مذکور ہین کہ اس کتاب مین اسکا احاطہ نہین ہوسکتا وحدانیت کو اس طرح ثابت کیا،

لَوْ كَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا — اگر آسمان و زمین مین کئی خدا ہوتے تو دونون مین فساد آجاتا

خدا کے عالم ہونے کی یہ دلیل بیان کی۔

اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ — کیا جسنے پیدا کیا وہ علم نہین رکھتا،

رسول اللہ صلعم کی نبوت پر مخالفون کو جو استعجاب تھا اسکو اسطرح رفع کیا۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ — کہدو کہ مین پیغمبرون مین سے کوئی انوکھا نہین،

معاد کے ممکن ہونے کا اس طرح یقین دلایا۔

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِي أَنْشَأَهَا أَوَّلَ مَرَّةٍ — کہدے کہ وہی زندہ کریگا جس نے پہلی بار پیدا کیا تھا

أَوَلَيْسَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ — کیا جسنے آسمان اور زمین پیدا کیا وہ اسپر قادر نہین

بِقَادِرٍ عَلَىٰ أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ — کہ اُن جیسے اور پیدا کر دے،

معاد کی ضرورت اس طرح ثابت کی۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ — کیا تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ ہم نے تم کو یون ہی بیکار پیدا کیا

إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ — اور یہ کہ تم ہمارے ہان لوٹ کر نہ آؤگے،

غرض خواہ نفس مذہب خواہ بالخصوص مذہب اسلام، خواہ خاص خاص اسلامی عقائد جس چیز پر یقین دلانا چاہا، ساتھ ہی دلیل بھی بیان کی اور ایک جگہ بھی یہ نہین کہا کہ اُن عقائد کو بلا دلیل تسلیم کر لو"

اس موقع پر یہ بات، خاص لحاظ کے قابل ہی کہ آجکل زمانہ کے مذاق کیوجہ سی، تمام اہل مذاہب اس بات کے مدعی ہین کہ ہمارا مذہب عقل سے ثابت ہی، لیکن دیکھنا یہ ہی کہ یہ خود انکا دعوی ہے یا اُن کے مذہب نے بھی ایسا دعوی کیا ہے،

اسلام کے سوا۔ دنیا مین اور کسی مذہب نے یہ دعوی نہین کیا کہ وہ عقل سے ثابت ہے اور مذہب کو عقل کے بنا پر ماننا چاہیے۔ اور یہ وہ بڑا فرق ہے جو علانیہ اسلام کو تمام دوسرے مذاہب سے ممتاز کرتا ہے،

وجود باری

وجود باری پر قدما کا طریقہ استدلال

خدا کے اثبات پر قدما اس طرح استدلال کرتے تھے، کہ عالم حادث ہے اور جو چیز حادث ہے یعنی ازلی نہین ہے وہ کسی علت کی محتاج ہے اور یہی علت خدا ہے، اس استدلال کا دوسرا مقدمہ بدیہی ہے، پہلے مقدمہ پر یہ استدلال کیا جاتا تھا کہ عالم مین تغیر ہوتا رہتا ہے اور جو چیز تغیر پذیر ہے وہ حادث ہے۔ یہ استدلال بظاہر نہایت صاف اور واضح تھا اور اسلیے اس کی زیادہ چھان بین نہین کی گئی، لیکن وہ فی الواقع صحیح نہ تھا۔ تمام چیزین جو عالم مین موجود ہین، دو چیزون کا مجموعہ ہین۔ مادہ اور ایک خاص صورت، جو چیز بدلتی رہتی اور تغیر پذیر ہے، وہ صرف صورت ہے، اصل مادہ ہمیشہ قائم رہتا ہے۔ کوئی چیز جب فنا ہوتی ہے تو صرف اُسکی صورت فنا ہوتی ہے، اصل مادہ کسی نہ کسی صورت مین ہمیشہ موجود رہتا ہے۔ ایک کاغذ کو جلادو کاغذ جل کر راکھ ہو جائیگا، اب کاغذ فنا ہو گیا لیکن راکھ موجود ہے جو اصل مادہ کی ایک دوسری صورت ہے، راکھ کو برباد کردو کسی نہ کسی صورت مین وہ قائم رہیگی، غرض جو چیز حادث ہے وہ صرف صورت ہے اصل مادہ کے حادث ہونے پر نہ کوئی تجربہ پیش کیا جا سکتا ہے، نہ کوئی استدلال قائم کیا جا سکتا ہے،

اس بنا پر عالم کو حادث کہنا صورت کے اعتبار سے صحیح ہے لیکن مادہ کے لحاظ سے صحیح نہین اور جب عالم کا حدوث ثابت نہین تو استدلال بھی صحیح نہین، ارسطو نے اس اعتراض کے لحاظ سے استدلال کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنے یہ کہ عالم کے تمام اجزا ترکیبیا

کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہی، کیونکہ تمام اجسام یا بڑھتے رہتے ہین یا گھٹتے ہین اور بڑھنا یا گھٹنا حرکت ہی کی ایک قسم ہے۔ جن چیزون کو ہم بحال خود قائم دیکھتے ہین، اُنکے اجزا بھی بدلتے رہتے ہین یعنی پُرانے اجزا فنا ہوتے جاتے اور اُن کے بجائے نئے آتے جاتے ہین، اجزا کا بدلتا رہنا، بھی ایک قسم کی حرکت ہے اس لیے تمام عالم متحرک ہے اور جو چیز متحرک ہے، ضرور ہے کہ اس کے لیے کوئی محرک ہو، اب دو صورت ہے، یا یہ سلسلہ کسی حد تک جاکر ٹھہر جائیگا یعنی اخیر مین ایک ایسی چیز ثابت ہوگی جو بالذات یا بواسطہ تمام اشیا کی محرک ہے اور خود متحرک نہین، یہی خدا ہے یا یہ سلسلہ کہین ختم نہ ہوگا، اس صورت مین غیر متناہی کا وجود لازم آئے گا اور یہ محال ہے،

ارسطو کا استدلال

ارسطو کا اصل مذہب یہ ہے کہ عالم قدیم ہے اور وہ بذات خود پیدا ہوا لیکن اسکی حرکت حادث ہے اور خدا اسی حرکت کا خالق ہے، اسی بنا پر ارسطو نے خدا کے ثبوت مین حرکت سے استدلال کیا۔ حکماے اسلام مین سے ابن رشد کا بھی یہی مذہب ہے۔

بوعلی سینا کا مذہب

بوعلی سینا بھی عالم کے قدیم ہونے کا قائل ہے لیکن اسلام کے اثر سے اس بات کا قائل ہو سکا کہ عالم خدا کا پیدا کیا ہوا نہین، اس لیے اُسنے یہ راے اختیار کی کہ عالم قدیم بھی ہے اور خدا کا مخلوق بھی ہے، اسپر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ جب عالم اور خدا دونون قدیم اور ازلی ہین تو ایک کو علت اور دوسرے کو معلول کیونکر کہا جاسکتا ہے، کیونکہ علت و معلول مین زمانہ کا تقدم و تاخر ضرور ہے۔ بوعلی سینا نے اس کا جواب دیا کہ علت کے لیے صرف تقدم بالذات کافی ہے، زمانہ کے لحاظ سے مقدم ہونا ضرور نہین، مثلاً کنجی کی حرکت، قفل کے

کھل جانے کی علت ہی لیکن کنجی کی حرکت اور قفل کے کھلنے مین ایک لحظہ اور ایک آن کا بھی آگا پیچھا نہین،

متکلمین کے نزدیک چونکہ خدا کے سوا کسی چیز کا قدیم ہونا خدا کی یکتائی مین خلل انداز تھا اسلیے انھون نے عالم کے حدوث کا دعویٰ کیا اور حدوث ہی سے خدا کے وجود پر دلیل قائم کی، عالم کے حادث ہونے پر متکلمین کا جو استدلال ہے اُس کے سمجھنے کے لیے پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے،

متکلمین کا استدلال

(۱) عالم مین دو قسم کی چیزین پائی جاتی ہین عرض یعنی جو چیزین بذات خود قائم نہین بلکہ جب پائی جاتی ہین تو کسی دوسری چیز مین ہوکر پائی جاتی ہین مثلاً بو۔ رنگ مزہ رنج خوشی جوش جوہر یعنی وہ چیزین جو بذات خود قائم ہین۔ مثلاً پتھر مٹی پانی،

(۲) کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہوسکتا کیونکہ جس قدر جواہر ہین کسی نہ کسی صورت اور ہیئت مین ہوتے ہین اور صورت و ہیئت عرض ہین، تمام جواہر مین کسی نہ کسی قسم کی حرکت پائی جاتی ہے اور حرکت عرض ہے غرض جوہر کے جسقدر افراد ہین اُن مین کسی نہ کسی عرض کا پایا جانا ضرور ہے، اور اس بنا پر کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہوسکتا،

(۳) عرض حادث ہے یعنی پیدا ہوتا ہے اور فنا ہو جاتا ہے،

(۴) جو چیز عرض سے کبھی خالی نہ ہو سکتی ہو ضرور ہے کہ حادث ہو کیونکہ اگر وہ قدیم ہو تو لازم آئیگا کہ عرض بھی قدیم ہو کیونکہ دو چیزین جو لازم و ملزوم ہون اُنمین سے ایک چیز اگر قدیم ہو گی تو ضرور ہے کہ دوسری چیز بھی قدیم ہو، ورنہ لازم و ملزوم مین فصل زمانی لازم آئیگا اور یہ محال ہے،

اب عالم کے حادث ہونے پر اسطرح استدلال کیا جاسکتا ہو کہ عالم دو صورت سے خالی نہین، جوہر ہوگا یا عرض اور جوہر و عرض دونون حادث ہین عرض کا حادث ہونا تو ظاہر ہے، جوہر اسلیے کہ کوئی جوہر عرض سے خالی نہین ہوسکتا، اور یہ ثابت ہوچکا ہے کہ جو چیز عرض سے خالی نہ ہوسکتی ہو، وہ حادث ہے،

اور جب یہ ثابت ہوا کہ عالم حادث ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے لیے کوئی علت ہو اب اگر علت بھی حادث ہو تو اس کے لیے بھی کوئی علت درکار ہوگی۔ اس صورت مین اگر یہ سلسلہ کہین جاکر ختم ہوگا تو وہی خدا ہے اور نہ ختم ہوگا تو دور و تسلسل لازم آئیگا اور دور و تسلسل محال ہے

متکلمین کا یہ استدلال فرفوریوس (پارفریس) سے ماخوذ ہے جیسا کہ ہم نے تاریخ علم الکلام مین نقل کیا ہے لیکن یہ استدلال اُسوقت صحیح ہوسکتا ہے جب یہ تسلیم کرلیا جائے کہ زمانہ غیر متناہی کا وجود نہین ہوسکتا ورنہ یہ استدلال محض مغالطہ ہے،

یہ سچ ہے کہ جوہر عرض سے خالی نہین ہوسکتا لیکن کسی خاص عرض کا ہونا ضروری نہین بلکہ ہر وقت کسی نہ کسی عرض کا وجود چاہیے اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو یہ فرض کیا جاسکتا ہے کہ عالم قدیم ہو، اور علی سبیل البدلیۃ کسی نہ کسی عرض کے ساتھ متصف رہتا ہو یہ اعراض الگ الگ تو حادث ہین لیکن انکا سلسلہ جو علی سبیل البدلیۃ ہے، غیر متناہی اور قدیم ہے عالم کے حادث ہونے پر استدلال یہ تھا کہ اگر عالم قدیم ہو تو اعراض کا بھی قدیم ہونا لازم آئیگا، ہم کہتے ہین کہ اعراض کے ہر ہر فرد کا قدیم ہونا لازم نہین آتا بلکہ اعراض کے سلسلہ علی سبیل البدلیۃ کا قدیم ہونا لازم آتا ہو اور جب زمانہ غیر متناہی ہے تو سلسلہ کا قدیم ہونا ہی ممکن ہے

متکلمین نے اور بھی بہت سی دلیلین قائم کی ہین لیکن سب کی صحت اس بات پر موقوف ہے کہ سلسلہ غیر متناہی کا محال ہونا ثابت کیا جائے غیر متناہی کے محال ہونے پر حکما اور متکلمین نے بہت سے دلائل قائم کیے ہین لیکن وہ تمام دلائل اُس صورت مین جاری ہوتے ہین جب یہ مانا جائے کہ یہ سلسلہ مرتب موجود ہے، لیکن منکرین خدا علل کا سلسلہ اسطرح مانتے ہین کہ ہر علت فنا ہوکر اُسکے بجائے دوسری علت آجاتی ہے محقق دوانی نے رسالہ زوراء کی شرح مین دعویٰ کیا ہے کہ اس صورت مین بھی دلیل جاری ہوسکتی ہے کیونکہ گو علتین فنا ہوتی جاتی ہین لیکن انکا مجتمع و مرتب ہونا فرض کیا جاسکتا ہے کیونکہ علل کا مجتمع ہونا محال عقلی نہین اور جو چیز محال نہین وہ فرض بھی کی جاسکتی ہے۔ لیکن محقق موصوف کا یہ قول صحیح نہین، علتون کا اجتماع گو محال بالذات نہین، لیکن محال بالغیر ہوسکتا ہے اور محال بالغیر کے فرض کرلینے سے بھی محال آتا ہے، گو یہ محال محال بالغیر ہوگا،

ان دلائل مین ایک بڑا نقص یہ ہے کہ ان سے اگر خدا کا وجود ثابت بھی ہوتا ہے تو اُسکا فاعل با اختیار ہونا ثابت نہین ہوتا۔ ان دلائل سے صرف ایک علۃ العلل (کاز آف دی کازز) کا وجود ثابت ہوتا ہے لیکن علت کے لیے یہ ضرور نہین کہ اُس سے معلول بارادہ اور بہ اختیار صادر ہو، آفتاب روشنی کی علت ہے لیکن آفتاب کو نہ علم ہے نہ ارادہ، بلکہ روشنی اُس سے خود بخود بلا علم و ارادہ صادر ہوتی ہے۔ اسی بنا پر بہت سے حکما کا مذہب ہے کہ خدا نے عالم کو بہ اختیار نہین پیدا کیا اور تعجب ہے کہ شیخ بوعلی سینا بھی اُنہی کا ہمزبان ہے،

ان تمام تقریرون سے تمکو معلوم ہوا ہوگا کہ افلاطون اور ارسطو اس مسئلہ کو حل نکرسکے

اور متکلمین بھی چونکہ انہی کے نقش قدم پر چلے تھے اس لیے وہ بھی ناکام رہے،
اب دیکھو **قرآن مجید** نے اس عقیدہ کو کیون کر حل کیا۔

وجود باری

پر

قرآن مجید کا طریقہ استدلال

خدا کا خیال انسان کی فطرت مین داخل ہے

حقیقت یہ ہے، کہ خدا کا اعتراف، انسان کی اصل فطرت مین داخل ہے، علم الانسان کے ماہرون نے اس مسئلہ پر بحث کی ہے کہ انسان جب بالکل فطری حالت مین تھا یعنی علوم و فنون اور تہذیب و شائستگی کا بالکل وجود نہین ہوا تھا اس وقت اس نے سب سے پہلے اصنام کی پرستش کی تھی یا خدا کی؟ مادیین (میٹرلیسٹ) کے سوا اور تمام محققین نے فیصلہ کیا ہے کہ انسان نے پہلے خدا کی پرستش اختیار کی تھی مشہور محقق مکس مولر اپنی کتاب مین لکھتا ہے "ہمارے اسلاف نے خدا کے آگے اسوقت سر جھکایا تھا جب وہ خدا کا نام بھی نہ رکھ سکے تھے، جسمانی خدا (بت)، اس حالت کے بعد اس طرح پیدا ہوئے کہ فطرت اصلی، مثالی صورت کے پردہ مین چھپ گئی"

یہی وجہ ہے کہ جس زمانہ سے دنیا کی تاریخ معلوم ہے، دنیا کے ہر حصہ مین خدا کا اعتقاد موجود تھا، آثوری، مصری، کلدانی، یہود، اہل فنشیہ سب کے سب خدا کے قائل تھے،
پلوٹارک کہتا ہے کہ "اگر تم دنیا پر نظر ڈالوگے تو بہت سے ایسے مقامات ملین گے جہان نہ قلعے ہین۔ نہ سیاست۔ نہ علم۔ نہ صناعت۔ نہ حرفہ۔ نہ دولت۔ لیکن ایسا کوئی مقام

نہین ملسکتا، جہان خدا نہ ہو،،

ولٹیر جو فرانس کا مشہور فاضل اور وحی والہام کا منکر تھا۔ کہتا ہے کہ زرواسٹر منو سولن سقراط، سرو سب کے سب، ایک سردار، ایک منصف، ایک باپ کی پرستش کرتے تھے،،[1] یہی فطرت ہے جس کو قرآن مجید نے ان لفظون مین بیان کیا ہے،

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ[2] — اور جب کہ خدا نے بنی آدم کی پیٹھ سے انکی نسل کو نکالا،

ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ — اور خود ان کو انھی پر گواہ کیا کہ کیا مین تمہارا خدا نہین

اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا — ہون سب بول اٹھے کہ ہان ہم گواہ ہین۔

لیکن چونکہ خارجی اسباب سے اکثر یہ فطری احساس دب جاتا ہے اس لیے خدا نے جا بجا اسی فطرت کو متنبہ کیا ہے،

اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ — کیا خدا کی نسبت بھی شک ہو سکتا ہے؟ جو آسمان وزمین کا موجد ہے

اور چونکہ خارجی اسباب کیوجہ سے بعض اوقات یہ فطری احساس اس قدر دب جاتا ہے کہ محض اشارہ اور تنبیہ کافی نہین ہوتی اسلیے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ تجربی اور حسی مقدمات کے ذریعہ سے استدلال بھی کیا ہے،

انسان کو آغاز تمیز مین جن بدیہی اور حسی مقدمات کا علم ہوتا ہے ان مین ایک یہ ہے

---

[1] دیکھو مانسیو یو تقیر کی کتاب الفلسفہ، ترجمہ عربی، مطبوعہ بیروت صفحہ ۵۰، یہ مصنف فرانس کی یونیورسٹی کا پروفیسر تھا،

[2] محققین اور ارباب نظر نے اس آیت کے یہ معنے بیان کیے ہین کہ خدا نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ خواہ مخواہ اس کو خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر

کہ وہ جب کسی چیز کو مرتب۔ باقاعدہ اور منتظم دیکھتا ہے تو اس کو یقین ہو جاتا ہو کہ کسی دانشمند نے ان چیزون کو ترتیب دیا ہے، اگر کسی جگہ ہم چند چیزین بے ترتیب رکھی دیکھین تو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ آپ سے آپ یہ چیزین اکٹھی ہوگئی ہون گی، لیکن جب وہ اس ترتیب اور سلیقہ سے چنی گئی ہون کہ ایک ہوشیار صناع بھی بہ مشکل اسطرح چن سکتا ہے تو یہ خیال کبھی نہین ہو سکتا کہ آپ سے آپ یہ ترتیب پیدا ہو گئی ہو گی اسکو ایک اور واضح مثال مین سمجھو۔ خواجہ **حافظ یا نظامی** کا کوئی شعر لو۔ اُسکے الفاظ اُلٹ پلٹ کر کے کسی معمولی آدمی کو دو اور اس سے کہو کہ الفاظ کو آگے پیچھے رکھکر ترتیب دے، وہ سو سو طرح الٹ پلٹ کریگا، لیکن اتفاقیہ طور سے بھی کبھی یہ نہ ہوگا کہ حافظ اور نظامی کا شعر نکل آئے حالانکہ وہی الفاظ ہین۔ وہی حروف ہین، وہی جملے ہین صرف ذرا سی ترتیب کا پھیر ہے۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ نظام عالم، جو اسقدر باقاعدہ مرتب و موزون ہے وہ خود بخود قائم ہو گیا ہو، قرآن مجید مین خدا کے وجود پر اسی سے استدلال کیا ہے،

وجود باری پر استدلال

صُنْعَ اللّٰهِ الَّذِیْٓ اَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ مَا تَرٰی	یہ خدا کی کاریگری ہو جس نے ہر شے کو خوب پختہ طور سے بنایا
فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ	خدا کی کاریگری مین تم کو کہین فرق نظر نہ آئے گا، پھر دوبارہ
الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ	دیکھو کہین دراڑ دکھائی دیتی ہو،
خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا۔	خدا نے ہر شے کو پیدا کیا پھر اوس کا ایک اندازہ معین کیا،
لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔	خدا کی بناوٹ مین ردوبدل ممکن نہین،
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا۔	خدا کے طریقہ مین تم ردوبدل نہین پا سکتے،

ان آیتون مین عالم کی نسبت تین اوصاف بیان کیے ہین۔ کامل اور بے نقص ہر
موزون اور مرتب ہے۔ ایسے اصول اور ضوابط کا پابند ہے جو کبھی ٹوٹ نہین سکتے۔ یہ
دلیل کا صغریٰ ہے۔ کبریٰ خود ظاہر ہے یعنی جو چیز کامل۔ مرتب اور مستقر النظام ہوگی وہ خود
بخود پیدا نہین ہوگئی ہوگی بلکہ کسی صاحب قدرت اور صاحب اختیار نے اسکو پیدا کیا ہوگا،

آج جبکہ تحقیقات و تدقیقات کی انتہا ہوگئی ہے، جبکہ کائنات کے سیکڑون اسرار
فاش ہوگئے ہین، جبکہ حقائق اشیاء نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹ دیا ہے بڑے بڑے فلاسفر
اور حکما انتہاے غور و فکر کے بعد خدا کے ثبوت مین یہی استدلال پیش کرسکے جو قرآن مجید نے
تیرہ سو برس پہلے نہایت قریب الفہم اور صاف طریقہ مین ادا کیا تھا،

آئزک نیوٹن کہتا ہے " کائنات کے اجزا مین باوجود ہزارون انقلابات زمان
و مکان کے جو ترتیب اور تناسب ہے، وہ ممکن نہین کہ بغیر کسی ایسی ذات کے پایا جاسکے
جو سب سے اوّل ہے اور صاحب علم اور صاحب اختیار ہے،،

حکماے یورپ کی شہادت

اس زمانہ کا سب سے بڑا حکیم ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے " ان تمام اسرار سے جن کی
یہ کیفیت ہے کہ جسقدر ہم زیادہ غور کرتے ہین اسیقدر وہ اور زیادہ مغلق ہوتے جاتے ہین،
اسقدر قطعی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت موجود ہے جس سے
تمام اشیا صادر ہوتی ہین "

کیل فلاماریان کہتا ہے " تمام اساتذہ اس بات کے سمجھنے سے عاجز ہین کہ وجود کیونکر ہوا

سلہ فرانس کا ایک مشہور فاضل ہے،

اور یہ کیون کر برابر چلا جاتا ہے" اسی بناپر انکو مجبوراً ایک ایسے خالق کا اقرار کرنا پڑتا ہے جسکا موثر ہونا ہمیشہ اور ہر وقت قائم ہے"

پروفیسر لینی (Linne) لکھتا ہی" خداے قادر ودانا اپنی عجیب وغریب کاریگریون سے میرے سامنے اسطرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میری آنکھین کھلی کی کھلی رہجاتی ہین اور مین بالکل دیوانہ بنجاتا ہون، ہر چیز مین گو وہ کتنی ہی چھوٹی ہو اُسکی کس قدر عجیب قدرت، کس قدر عجیب حکمت، کس قدر عجیب ایجاد پائی جاتی ہے"

فونتل-انسائکلوپیڈیا مین لکھتا ہے،

"علوم طبعیات کا مقصد صرف یہ نہین ہے کہ ہماری عقل کی پیاس بجھائے بلکہ اسکا بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنی عقل کی نظر خالقِ کائنات کی طرف اٹھائین اور اُسکے جلال وعظمت پر فریفتہ ہوجائین"

ملاحدہ (یعنی منکرین خدا) کے اعتراضات

سب سے پہلے یہ بات بتانے کے قابل ہے کہ خدا کا انکار کوئی جدید خیال نہین،
ہمیشہ ہر زمانہ مین ملاحدہ کا ایک گروہ موجود تھا، جو خدا کے وجود کا قطعی منکر یا کم از کم متردد
اور مشکک تھا، سائنس اور فلسفۂ حال سے اس مسئلہ پر کوئی نئی روشنی نہین پڑی ہے،
خدا کے انکار کے متعلق کوئی نئی دلیل نہین قائم ہوسکی ہے بلکہ ملاحدۂ سابق و حال مین
یہ فرق ہے کہ ملاحدہ سابق کے دلائل زیادہ دقیق اور پرزور ہوتے تھے، اِنکے مقابلہ
مین ملاحدہ حال کے دلائل کو دلائل نہین کہہ سکتے، ان کے تمام مباحث کا ماحصل یہی
کہ "خدا کا کوئی ثبوت نہین ملتا" "مادہ کے سوا عالم مین اور کوئی چیز موجود نہین" "خدا
کے اعتراف کے بغیر نظام عالم کا سلسلہ قائم ہوسکتا ہے" یہ ظاہر ہے کہ یہ کوئی استدلال
نہین، بلکہ عدم علم کا اعتراف ہے،

متکلمین اسلام نے ملاحدۂ سابق کے دلائل نہایت تفصیل سے نقل کیے ہین علامہ
ابن حزم نے ملل و نحل مین، ملاحدہ ہی کے اعتراضات سے ابتدا کی ہے اور پھر ان کے
جواب دیے ہین۔ یہ اعتراضات، نہایت ہی قوی اور پرزور ہین تفنن کے لیے ہم ایک
اعتراض کی تقریر نقل کرتے ہین،

خدا کے وجود پر ملاحدہ کا قدیم اعتراض

خدا کا وجود اگر تسلیم کیا جائے تو ہم پوچھتے ہین کہ ایک واقعہ جو آج پیش آیا۔ اُسکی
علت قدیم ہوگی یا حادث؛ اگر قدیم ہو تو لازم آئیگا کہ یہ واقعہ بھی قدیم اور ازلی ہو، کیونکہ

علت کے ساتھ معلول کا وجود لازم ہے اور اگر حادث ہو تو اُس کی علت بھی حادث ہوگی اور پھر اُس کے لیے کوئی اور علت درکار ہوگی، اب اگر یہ سلسلہ کسی ایسی علت پر جا کر ختم ہو جو قدیم اور ازلی ہے تو اس تمام سلسلہ کا درجہ بدرجہ قدیم ہونا لازم آئیگا، کیونکہ علۃ العلل جب قدیم ہی تو اُس کا پہلا معلول قدیم ہوگا، اور جب پہلا معلول قدیم ہے تو اُسکا معلول بھی قدیم ہوگا۔ وَهَلُمَّ جَرًّا اور اگر یہ سلسلہ کسی قدیم اور ازلی علت پر ختم نہین ہوتا بلکہ الیٰ غیر النہایۃ چلا جاتا ہے تو خدا کہان باقی رہتا ہے،

ملاحدہ سابق کے اور بہت سے قوی اعتراضات ہین، لیکن ہم کو اُن سوئے ہوئے فتنون کے جگانے کی ضرورت نہین، یورپ کے ملاحدہ آج کل خدا کے وجود پر جو اعتراضات کر رہے ہین اور جس کی بنا پر ہمارے ملک مین، مذہب کی طرف سے بیدلی پھیلتی جاتی ہی، ہمکو صرف ان اعتراضات کا نقل کرنا اور اُنکا جواب دینا کافی ہے،

مادّیین

جن لوگونکو منکر خدا کہا جاتا ہے وہ مادّیین (میٹرلیسٹ) ہین لیکن درحقیقت اُن لوگونکا یہ دعویٰ نہین کہ خدا نہین ہے، بلکہ یہ لوگ کہتے ہین کہ وہ ہماری تحقیقات کے دائرہ سے باہر ہے کیونکہ اُنکا دائرۂ علم مادہ تک محدود ہے اور یہ ظاہر ہے کہ خدا مادّی نہین، پروفیسر لیتریہ کا قول ہم اوپر نقل کر آئے ہین کہ "مادّی مذہب اپنے آپکو عقل اول کی بحث سے بالکل الگ رکھتا ہے کیونکہ اُس کو اُسکے متعلق کسی قسم کا علم نہین، ہم حکمت الٰہی کے نہ منکر ہین، نہ مثبت، ہمارا کام نفی و اثبات دونون سے الگ رہتا ہے"

اسی گروہ مین سے بعض ترقی کرکے یہ بھی کہتے ہین کہ خدا کے اقرار و انکار سے

دونون پہلوؤن مین سے انکار کا پہلو زیادہ قوی ہے وہ کہتے ہین کہ سب سے پہلی جو چیز
کرنا چاہیے کہ کسی شے کے انکار یا اقرار اثبات یا نفی کے اصول اوپیہ کیا ہین؟ فلسفۂ حال
نے تحقیقات علمیہ کا سب سے پہلا اصول جو قرار دیا ہے وہ یہ ہے کہ جب تک کسی شے کے
وجود کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم کو اس کا وجود تسلیم نہین کرنا چاہیے" کانٹ اور بیکن نے
اپنے فلسفہ کا سنگ بنیاد اسی مسئلہ کو قرار دیا اور اسی مسئلہ کی بدولت ارسطو کے ظنی فلسفہ کے
تمام ارکان متزلزل ہوکر قطعیات اور یقینیات کی بنیاد قائم ہوئی، روزمرہ کے تجربہ مین ہم
اسی اصول کے پابند ہین، فرض کرو ایک شے ہے جسکے نہ وجود کی شہادت ہو نہ عدم کی، تو
ہمارا علم، اس کی نسبت کس قسم کا ہوتا ہی؟ ہم یہ نہین کہتے کہ اس شے کے متعلق ہم کچھ نہین
جانتے، بلکہ ہم یہ کہتے ہین کہ جہان تک ہم کو معلوم ہی یہ شے موجود نہین مثلاً یہ ممکن ہے کہ دنیا
کے کسی حصہ مین ایسے آدمی موجود ہون جنکے دو سر ہون، ممکن ہے کہ ایسے جانور موجود ہون
جو صورۃً آدمی ہون، ممکن ہے کہ ایسے دریا ہون جن مین مچھلیون کے بجائے آدمی رہتے ہون،
لیکن ہم ان چیزون کی نفی کا یقین رکھتے ہین، کیون؟ اسی لیے کہ اُنکے وجود کی کوئی شہادت
موجود نہین، اس اصول کا نتیجہ یہ ہے کہ خدا کے ثبوت، و عدم ثبوت، دونون سے کسی پر اگر
کوئی دلیل قائم نہ ہو تو یقین کا رجحان اسی طرف ہوگا کہ خدا موجود نہین ہے،

مادیین کس بنا پر خدا کے قائل نہین

اس بنا پر ہمکو خدا کی نفی پر کسی دلیل کے قائم کرنے کی ضرورت نہین بلکہ صرف یہ دیکھنا
ہے کہ ثبوت کے جو دلائل پیش کیے جاتے ہین وہ صحیح ہین یا نہین، ثبوت کے جسقدر دلائل
ہین سب مین قدر مشترک یہ ہی کہ اگر خدا کا وجود نہو تو سلسلہ غیر متناہی کا وجود لازم آئیگا لیکن

غیر متناہی کے محال ہونے پر کوئی دلیل نہین، دیہ بحث بہ تفصیل اوپر گذر چکی ہی شاید یہ کہا جائے
کہ غیر متناہی کا خیال انسان کی عقل سے بالاتر ہے، اور یہی اُسکے محال ہونے کی دلیل
ہے، لیکن خدا کو جس طرح قدیم اور ازلی مانا جاتا ہے، وہ بھی غیر متناہی کی ایک دوسری
صورت ہی، ایک خدا جو ازل سے موجود ہے، اور جس کی کوئی انتہا نہین، کیا ایک سلسلۂ غیر متناہی
کے تسلیم کرنے سے کچھ کم عجیب ہے ؟

خدا کے ثبوت مین یہ مقدمہ بڑے آب وتاب سے پیش کیا جاتا ہے کہ ہم بداہۃً دیکھتے
ہین کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اس کی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے،

لیکن یہ مسئلہ کہ جو چیز پیدا ہوتی ہے اُسکی کوئی نہ کوئی علت ہوتی ہے تشریح طلب ہے
یہ بیشک صحیح ہے کہ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے بغیر علت کے نہین دیکھا
لیکن سوال یہ ہے کہ ہم نے کیا چیز پیدا ہوتے دیکھی ہے ؟ کیا ہمنے اصل مادّہ کو پیدا ہوتے
دیکھا ہے ؟ ہم نے جن چیزون کو پیدا ہوتے دیکھا ہے وہ مادّہ کی صورتین ہین نہ کہ اصل مادّہ،
اس لیے اس سے صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ صورتون کے پیدا ہونے کے لیے علت درکار ہے
اس سے زیادہ جو دعوی کیا جائے، اسکی بنیاد تجربہ، اور مشاہدہ نہین ہے بلکہ صرف تخیل ہے
اس بنا پر یہ دعوی کرنا کہ عالم کے لیے کوئی علت ضرور ہی صحیح نہین، کیونکہ عالم مادہ کا
نام ہے اور مادہ کا حادث اور مخلوق ہونا ثابت نہین ہوا اس لیے اس کی علت بھی
ثابت نہین ہو سکتی،

شاید یہ کہا جائے کہ گو مادّہ قدیم اور مخلوق ہے لیکن مادّہ کبھی صورت

خالی نہین ہوسکتا، اس لیے ان صورتون کے لیے کوئی علت ہوگی اور وہی خدا ہے، لیکن یہ استدلال بھی صحیح نہین، اس لیے کہ مادہ قدیم ہے اور یہ صورتین علی سبیل البدلیۃ پیدا ہوتی اور فنا ہوتی رہتی ہین، اس بنا پر اُن کے لیے ایک قدیم علت نہین بلکہ ہزارون لاکھون حادث علّتین درکار ہین،

عالم کا وجود خدا کے بغیر فرض کیا جاسکتا ہے یا نہین۔

اصل یہ ہے کہ خدا کے وجود کی جو ضرورت ہے وہ صرف اس لحاظ سے ہے کہ نظام عالم کا سلسلہ کس بنیاد پر قائم کیا جائے؟ اس لیے ہم کو صرف یہ دیکھنا چاہیے کہ عالم کا وجود اور عالم کا نظام، خدا کے وجود کے بغیر، فرض کیا جاسکتا ہے یا نہین؟ اگر کیا جاسکتا ہے تو خدا کے وجود کے تسلیم کی کوئی ضرورت نہین رہتی،

یہ امر قطعی ہے کہ کوئی شے عدم محض سے وجود مین نہین آسکتی، اس بنا پر عالم کا مادہ قدیم ہے، تحقیقات جدیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم کی ترکیبی صورت سے پہلے فضائے غیر تناہی مین، نہایت چھوٹے چھوٹے اجزا پھیلے ہوئے تھے، ان اجزا کو علمی اصطلاح مین دیمقراطیسی کہتے ہین، یہ اجزا آپس مین ملے اور ترکیب پاکر رفتہ رفتہ یہ عالم پیدا ہوگیا۔

اس تجویز پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ یہ اجزا خود بخود کیونکر مل گئے؟ اور یہ گوناگون مرکبات خود بخود کیونکر پیدا ہوگئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح مادہ قدیم ہے **حرکت** اور **قوت** بھی قدیم ہے، حرکت ان اجزائے دیمقراطیسی کی نظری خاصیت ہے، جو اجسام ہم کو ساکن نظر آتے ہین، اُنکے اجزائے دیمقراطیسی بھی ہر وقت حرکت مین رہتے ہین، اور اگر اُن کو کبھی سکون ہوتا ہے تو وہ متقابل جذب کے تعارض کی وجہ سے ہوتا ہے

بہرحال مادّہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، اور مادّہ کبھی حرکت سے خالی نہین ہوسکتا اس بنا پر اجزائے دیمقراطیسی کا باہم مل جانا کوئی استبعاد کی بات نہین؛

اب جو کچھ شبہہ باقی رہتا ہے وہ یہ ہے کہ محض بخت و اتفاق سے ایسی ایسی عجیب و غریب مخلوقات جو سرتاپا حکمت اور صنعت سے بھری ہوئی ہین کیونکر پیدا ہوسکتی ہین؟ اسی سوال کو مذہب نے نہایت موثر الفاظ مین ادا کیا ہے، اور یہ سمجھایا ہے کہ خدا کا وجود اس سوال کا لازمی نتیجہ ہے ربین کہتا ہے: اے آسمانو! مجکو خبر دو، اے دریاؤ! مجکو بتاؤ! اے زمین مجکو جواب دے! اے بے انتہا ستارو! تم بولو کون ساہات ہے جس نے تمکو افق مین تھام رکھا ہے؟ او شب چاردہ! کسنے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا ہے؟ تو کس قدر پرشان ہے، کسقدر عظمت مآب ہے! تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جسنے تجکو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اُسنے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو اُبھارا ہے، او فسردہ رسان سحر! او نیر شگرف او ہمیشہ روشن رہنے والا ستارہ! او آفتاب درخشان! سچ بتا تو کس کی ادائے طاعت کے لیے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کیساتھ اپنی روشن شعاعین عالم پر ڈالتا ہے؛ اے پر رعب سمندر! اے وہ کہ غضبناک ہوکر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے کس نے تجکو محبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر کٹہرہ مین قید کر دیا جاتا ہے، تو اس قیدخانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے تیری موجون کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہین بڑھ سکتا،

خدا تمام اشیا کا بالذات خالق ہے یا بواسطہ

ان سوالات کے جواب دینے کے لیے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیے، کہ خود اہل مذہب نے کائنات کی خلقت، اور اس کے بقا اور استمرار کا کیا اصول قرار دیا ہے، اس بارہ مین اہل مذہب کے دو گروہ ہین، ایک گروہ کی یہ راے ہے کہ عالم مین جو کچھ پیدا ہوتا رہتا ہے ایک ایک چیز کو خود خدا، بالذات اور بلاواسطہ پیدا کرتا ہے، اسباب وعلل اور درمیانی وسائط کوئی چیز نہین، پانی جو برستا ہو، تو اس وجہ سے نہین برستا کہ سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے وہ اوپر جاکر، سردی کی وجہ سے پانی بنجاتی ہے اور بادل بنکر برستی ہے، بلکہ خدا بالذات پانی برساتا ہے،

دوسرا گروہ کہتا ہے کہ خدا نے اشیا مین خواص اور تاثیر رکھی ہے اور انہی خواص اور تاثیر کی وجہ سے کائنات کا سلسلہ پیدا ہوتا رہتا ہے، مثلاً خدا نے پانی مین یہ خاصیت رکھی ہے کہ حرارت پاکر وہ بھاپ کی صورت مین بدل جاتا ہے، بھاپ کا یہ خاصہ ہے کہ خنکی پاکر وہ پانی بنجاتی ہے، اب ان خاصیتون کے پیدا کرنے کے بعد، خدا کو بار بار ہمیشہ دست اندازی نہین کرنی پڑتی بلکہ انہی خاصیتون کی بنا پر اوقات معینہ مین خود بخود بھاپ پیدا ہوتی ہے، اوپر جاتی ہے، پانی بنتی ہے، اور برستی ہے۔ اسی طرح خدا نے خلقت کے اصول اور قوانین مقرر کر دیے ہین جن کے موافق نظام عالم قائم ہے اور نئے حوادث کا سلسلہ جاری رہتا ہو، محققین اہل مذہب کا عموماً یہی مذہب ہے، اور خود مسلمانون مین اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقون کی یہی راے ہے،

جب یہ مسلم ہوگیا کہ عالم کا سلسلہ چند قوانین قدرت پر قائم ہو تو بحث صرف یہ رہجاتی ہی

کہ یہ قوانین قدرت خود بخود بنے ہین، یا خدانے بنائے ہین، اگر پہلا احتمال فرض کیا جائے تو خدا کی مطلق ضرورت نہین رہتی۔

قوانین قدرت خود بنتے ہین

مادہ کی نسبت یہ ثابت ہوچکاہے کہ وہ قدیم ہے۔علوم جدیدہ نے یہ بھی ثابت کردیاہے کہ مادہ کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہے، یعنی جب محض اجزاے دیمقراطیسی تھے تو یہ اجزا ہمیشہ حرکت مین تھے، اور جب ان اجزا کی ترکیب سے مختلف اجسام بنے، تب بھی یہ اجزا ہر وقت خود بخود حرکت مین رہتے ہین گو ہم کو نظر نہین آتے، ان امور کے تسلیم کے بعد اس بات کی کوئی ضرورت باقی نہین رہتی کہ قوانین قدرت کے لیے، ایک الگ صانع یعنی (خدا) تسلیم کیا جائے، اجزاے دیمقراطیسی جب آپس مین امتزاج پاتے ہین، تو مختلف صورتین پیدا ہوجاتی ہین، اور ہر صورت خود ایک خاصّہ اور ایک اثر رکھتی ہے، یہ خاصّہ و اثر خود اس ترکیب و امتزاج کا نتیجہ ہے، باہر سے کوئی شخص، ان صورتون مین وہ خواص پیدا نہین کرتا، اس مضمون کو یون سمجھو کہ خود فلسفۂ قدیمہ مین یہ مسئلہ طے ہوچکاہے کہ ذاتیات اور لوازم مجعول نہین مثلاً خدانے مختلف انواع کے درخت پیدا کیے، جن مین سے ہر نوع کا پتہ، شاخین پھول پھل، مزہ، رنگ مختلف ہوتاہے، لیکن یہ چیزین خدانے بالذات پیدا نہین کین، بلکہ صرف اس نوع کو پیدا کیا، اور یہ چیزین اسکے لوازم ہونے کی وجہسے آپ سے آپ پیدا ہوگئین،

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین،

سلہ صفحہ ۲۰،

فَإِنَّهُ جَعَلَ لِكُلِّ نَوْعٍ أَوْرَاقًا بِشَكْلٍ خَاصٍّ	خدا نے ہر قسم کے درخت کیلیے جداگانہ شکل کے پتے۔ جداگانہ
وَأَزْهَارًا بِلَوْنٍ خَاصٍّ وَثِمَارًا مُخْتَصَّةً	رنگ کے پھول۔ جداگانہ مزے کے پھل بنائے جنکے ذریعہ سے
بِطُعُومٍ وَبِتِلْكَ الْأُمُورِ يُعْرَفُ أَنَّ هٰذَا	معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص درخت فلان درخت کے افراد مین
الْفَرْدَ مِنْ نَوْعِ كَذَا وَكَذَا۔ وَهٰذِهٖ كُلُّهَا	داخل ہے اور یہ سب خاصیتین، صورت نوعیہ کی تابع ہین اور
تَابِعَةٌ لِلصُّوْرَةِ النَّوْعِيَّةِ مُلْتَوِيَةٌ	اسی مین لپٹی ہوئی ہین

پھر آگے چلکر لکھتے ہین

وَلَيْسَ لَكَ أَنْ تَقُوْلَ لِمَ كَانَتْ ثَمَرَةُ النَّخْلِ عَلٰى	اور تم یہ پوچھ نہین سکتے کہ خرما کا پھل اس صفت کا کیون
هٰذِهِ الصِّفَةِ فَإِنَّهُ سُؤَالٌ بَاطِلٌ لِأَنَّ	ہوتا ہے کیونکہ ایسا سوال کرنا لغو ہے اسوجہ سے کہ ماہیت کے جو لوازم ہین انکے
وُجُوْدَ لَوَازِمِ الْمَهِيَّاتِ مَعَهَا لَا يُطَالِبُ بِلِمَ	ساتھ ہی پیدا ہوتے ہین اور انکی نسبت یہ سوال نہین ہوسکتا کہ کیون ہوے

اس امر کے تسلیم کرنے کے بعد کہ مظاہر قدرت کا بڑا حصہ خود اشیا کی صورت نوعیہ کا نتیجہ ہے یعنی انکو بالذات خدا نے پیدا نہین کیا بلکہ وہ صور نوعیہ کا لازمی نتیجہ تھین جو خود بخود انکے ساتھ پیدا ہوگئین، یہ بحث باقی رہ جاتی ہے کہ صور نوعیہ کا خالق کون ہے؟ اس قدر حکماے قدیم کے نزدیک بھی مسلم ہے کہ صور نوعیہ، قدیم اور ازلی ہین، نشر الطوالع مین ہے

وَزَعَمَ أَرِسْطَاطَالِيْسُ وَأَبُوْنَصْرٍ الْفَارَابِيُّ	ارسطو ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کا خیال ہے کہ افلاک کا
وَأَبُوْعَلِيِّ بْنِ سِيْنَا أَنَّ الْأَفْلَاكَ قَدِيْمَةٌ بِمَوَادِّهَا	مادہ، مقدار، اور اشکال، قدیم ہین صرف انکی حرکت قدیم
وَمَقَادِيْرِهَا وَأَشْكَالِهَا سِوٰى حَرَكَاتِهَا وَالْعَنَاصِرِ بِمَوَادِّهَا	نہین ہے اور عناصر کا مادہ اور انکی صور جسمیہ کی نوع
وَصُوَرِهَا الْجِسْمِيَّةِ بِنَوْعِهَا وَصُوَرِهَا النَّوْعِيَّةِ بِجِنْسِهَا	اور صور نوعیہ کی جنس قدیم ہے،

صور نوعیہ قدیم ہین یا حادث

صور نوعیہ کا قدیم ہونا جب خود اہل مذہب تک تسلیم کرتے ہین تو اب صرف یہ بحث رہجاتی ہو
کہ صور نوعیہ خود بخود پیدا ہو گئین یا خدا نے پیدا کین، اہل مذہب اس بات پر کوئی دلیل نہین
قائم کر سکتے کہ صور نوعیہ خدا نے پیدا کین، بلکہ یہ احتمال زیادہ قرین قیاس ہو کہ وہ خود بخود پیدا
ہو گئین کیونکہ جب وہ قدیم اور ازلی ہین تو اُن کو بغیر کسی قوی دلیل کے معلول کہنا بالکل
خلاف عقل ہے۔ حاصل یہ کہ اجزاے دیمقراطیسی قدیم ہین، ان کے ساتھ حرکت بھی قدیم ہو
حرکت سے امتزاج پیدا ہوا، امتزاج نے مختلف صور نوعیہ پیدا کین، باقی تمام مظاہر
کائنات ان صور نوعیہ کے نتائج لازمی ہین جیسا کہ خود اہل مذہب کو تسلیم ہے،

رابرٹ انگرسال جو امریکہ کا مشہور ملحد ہے، اپنی کتاب "انکار خدا" مین لکھتا ہے،
"فرض کرو کہ نیچر سے برتر کوئی قوت نہین اور مادہ اور قوت ازل سے موجود ہین، اب خیال
کرو کہ دو ذرہ باہم ملین تو کیا کوئی نتیجہ پیدا ہوگا؟ ہان! فرض کرو اگر وہ مخالف جہتون سے برابر
قوت کے ساتھ آئین تو دونون رک جائین گے اور یہی نتیجہ ہوگا۔ اگر ایسا ہی ہو تو مادہ۔ قوت
اور نتیجہ بلا کسی ایسی قوت کے ہین جو نیچر سے برتر ہو۔ اگر فرض کرو کہ دو ذرے اسطرح ملین تو
کیا نتیجہ بعینہ وہی نہوگا؟ ہان ایک ہی قسم کی حالت سے ایک ہی قسم کا نتیجہ ہوگا۔ اور اسی
کے معنی قانون اور ترتیب کے ہین۔ تو اب مادہ۔ قوت۔ قانون۔ ترتیب بلا ایسی قوت کے
ہین جو نیچر سے بالاتر ہو"

شاید یہ کہا جائے کہ جس طرح یہ سلسلہ فرض کیا جاتا ہے، یہ بھی فرض کیا جاسکتا ہے
کہ مادہ ورا جزاے دیمقراطیسی قدیم ہین لیکن خدا کے پیدا کئے ہوئے ہین اور پھر ان کے

امتزاج اور اختلاط سے عالم پیدا ہوا، اور جب اس سلسلہ کے فرض کرنے مین کوئی استحالہ نہین تو اسی کو ترجیح کا حق ہے کیونکہ جواز مین دونون احتمال برابر ہین اور دوسرے احتمال کو ترجیح زائد یہ ہے کہ دنیا کا بڑا حصہ اسی احتمال کو آج تک مانتا آتا ہے۔

لیکن یہ خیال بھی صحیح نہین کیونکہ واقعیت کے لحاظ سے دونون احتمال یکسان نہین ہین،

تمام مدرکات اور معلومات کی واقعیت کا اصلی معیار یہ ہے کہ جو علم جس قدر زیادہ، محسوسات پر مبنی اور محسوسات سے زیادہ قریب ہے اُسی قدر یقینی اور زیادہ قابل اعتماد ہے، جس قدر محسوسات سے بُعد ہوتا جاتا ہے اُسی قدر یقینی ہونے کا درجہ گھٹتا جاتا ہے اور اگر تحلیل کرنے کے بعد اس کی انتہا محسوسات تک نہین پہونچتی، تو وہ محض وہمی علم ہے کیونکہ یہ امر محقق ہو چکا ہے کہ انسان اُن اشیاء کو جان سکتا ہے جو یا محسوس ہین یا محسوسات سے ماخوذ ہین،

اس بنا پر پہلا احتمال یعنے محض مادہ اور حرکت کا مبدا کائنات ہونا زیادہ تر قریب یقین ہے عالم مین جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ مادہ ہے، حرکت ہے، قوت ہے، یہ مسئلہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ تمام دنیا ملکر کسی چیز کو نہ مطلق فنا کر سکتی ہے نہ عدم محض سے پیدا کر سکتی، اس سے خود بخود ثابت ہوتا ہے کہ مادہ قدیم ہے اسلیے مادہ کا قدیم ہونا بھی گویا محسوسات مین داخل ہے یہ بھی محسوسات مین داخل ہے کہ چند قوانین قدرت ہین جن کے مطابق کائنات کا سلسلہ قائم ہے مثلاً کشش اجسام مسئلہ ارتقا۔ انتخاب طبعی وغیرہ وغیرہ۔

خدا کا وجود محسوسات سے ماخوذ نہین

لیکن دوسرا احتمال یعنی خدا کا وجود نہ خود محسوسات مین ہے نہ محسوسات سے ماخوذ ہے، اس قدر بے شبہہ محسوس ہے کہ ہر حادث، علت کا محتاج ہے، لیکن مادہ، حادث نہین،

اور چونکہ حرکت اور قوت، خود مادہ کے لوازم طبعی ہین اس لیے وہ بھی حادث نہین، اور جب مادّہ۔ قوت۔ حرکت قدیم ہین، اور کائنات کے تمام انواع، انہی چیزونکا نتیجہ ہین، توخدا کا وجود کن محسوسات سے ماخوذ کہا جاسکتا ہے؟ پروفیسر لیتریہ کہتاہے کہ "جن اسباب نے کائنات کو پیدا کیاہے، بظاہر وہ خود کائنات مین موجود ہین؛ اور اُن سے الگ نہین اور انہی اسباب کو ہم قوانین فطرت سے تعبیر کرتے ہین" ایک اور مشہور پروفیسر کہتا ہی کہ "قوانین فطرت اور خدا، ان دونون مین سے ہم کو صرف ایک کی ضرورت ہی"

یہ ان ملاحدہ کے خیالات ہین جنکا یہ بیان ہی کہ ہم کو خدا کے وجود پر کوئی دلیل نہین ملتی، اور اگر صرف احتمال سے کام لیا جائے تو خدا کے عدم کا احتمال، وجود سے زیادہ قوی ہے لیکن ملاحدہ کا ایک گروہ ایسا بھی ہی جو علانیہ اس بات کا مدعی ہی کہ خدا کا وجود جسطرح بیان کیا جاتا ہے، ہو ہی نہین سکتا،

یہ لوگ کہتے ہین کہ خدا کے معنے اگر صرف علۃ العلل کے ہین تو ہم کو کچھ بحث نہین لیکن اگر یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ وہ قادر مطلق۔ حکیم۔ صاحب ارادہ۔ عادل۔ اور رحیم بھی ہے تو اسکا ثبوت نہین ہوتا، بلکہ اس کے خلاف بہت سے دلائل موجود ہین جن کی تفصیل ذیل مین ہے،

منکرین خدا کے دلائل

(۱) ڈارون کے مسئلہ ارتقاء نے ثابت کر دیا ہی کہ تمام مخلوقات نہایت ادنی درجہ سے ترقی کرتے کرتے موجودہ حالت پر پہونچی ہین خود انسان جو اشرف المخلوقات کہا جاتا ہے نہایت ادنی درجہ کا جانور تھا، ترقی کرتے کرتے بندر کی حد تک پہنچا اور پھر ایک دو زینہ کے بعد

آدمی بنگیا، اس بنا پر کیون کر قیاس کیا جاسکتا ہی کہ دنیا کا پیدا کرنیوالا، قادر مطلق اور حکیم ہی، مابرٹ انگرسال اپنی کتاب مین جو خدا کے انکار پر ہے لکھتا ہے،

"فرض کرو ایک جزیرہ پر ایک آدمی دس لاکھ برس کی عمر کا ملے جس کے پاس ایک نہایت عمدہ خوبصورت گاڑی موجود ہو، اور اس کا یہ دعوی ہو کہ یہ گاڑی اسکی لاکھون برس کی محنت کا نتیجہ ہے جس کے ایک ایک پرزہ کے ایجاد کرنے مین پچاس پچاس ہزار برس صرف ہوے، تو کیا ہم اس سے یہ نتیجہ نکالین گے کہ وہ شخص ابتدا ہی سے فن جرثقیل مین ماہر تھا "مخلوق کی ترقی سے کیا یہ بات ظاہر نہین ہوتی کہ خالق مین بھی ترقی ہوئی ہی، کیا ایک نیک، عاقل اور قادر مطلق خدا انسان کو پیدا کرنا چاہتا تو اسطرح پیدا کرتا کہ پہلے نہایت ابتدائی اور ادنی درجہ کی سادہ حالت مین پیدا کرتا۔ پھر ایک غیر محدود زمانہ کے بعد آہستہ آہستہ ترقی دیکر انسان بناتا اس طرح سالہائے بیشمار، ان شکلون اور ہیئتون کے بنانے مین صرف ہوئے جن کو آخر کار خارج کرنا پڑا"

(۲) دنیا مین نہایت کثرت سے جور وظلم، خونریزی اور قتل، مصیبت اور رنج پایا جاتا ہے، اس لیے کیون کر قیاس کیا جاسکتا ہے، کہ دنیا کا خالق، رحیم اور عادل ہی انگرسال کہتا ہی کہ "دنیا کی سطح کو ایسے خوفناک اور نفرت انگیز جانورون سے بھرنا جو ایک دوسرے کی تکلیف اور ایذا پر اپنی زندگی بسر کرتے ہین، کیا اس مین بصیرت اور عقلمندی کی علامت پائی جاتی ہے؟ اس دنیا کے پیدا کرنے والے کے رحم کی کون قدر کرسکتا ہے جب کہ ہر جانور دوسرے جانور کو کھاتا ہی، یہان تک کہ ہر منہ ایک مذبح اور ہر پیٹ ایک قبرستان ہی،

اس عام اور دائمی خونریزی مین غیر محدود بصیرت اور محبت کا وجود غیر ممکن ہے،

"سالہا سال کی تاریکی مین جو تکلیفین بنی نوع انسان کو پہنچین وہ قیاس نہین کی جاسکتین، زیادہ تر حصّہ، اس تکلیف کا کمزور، نیک اور معصوم لوگون نے برداشت کیا، عورتون سے زہریلے درندون کی طرح سلوک کیا گیا، معصوم بچے حشرات الارض کی طرح پانون سے کچلے گئے،، قوم کی قوم پر صدیون غلامی کا فتوی رہا اور تمام عالم مین وہ ستم برپا رہا جس کو زبان قلم ادا نہین کر سکتی"

اگر کوئی کہے کہ آیندہ دنیا مین ان مصیبت زدون کو تکلیف کا بدلا مل جائیگا تب بھی اس اعتراض کا جواب نہین ملتا، اس بات کی امید کرنے کا ہم کو کیا حق حاصل ہے کہ ایک کامل۔عاقل، نیک اور با اقتدار حکیم ہمارے ساتھ بمقابلۂ حال کے آیندہ بہتر سلوک کریگا، کیا خدا مین زیادہ قوت آجائیگی؟ کیا وہ زیادہ رحیم ہو جائیگا؟ کیا اسکی مہربانی اپنی عاجز مخلوق کے ساتھ زیادہ ترقی کر جائیگی؟"

(۳) یہ امر ظاہر ہے کہ سیکڑون آدمی خلقۃً نہایت بیرحم۔سخت دل، بدکار اور مائل بہ شہوات، ہوتے ہین، بلکہ خلقت کا زیادہ حصّہ بُرے ہی آدمیون کا ہے، اس صورت مین کیون کر قیاس ہو سکتا ہے کہ ایک حکیم اس قسم کے اشخاص کا پیدا کرنا جائز رکھتا، قیامت کی جزا و سزا۔ اس عقدہ کو حل نہین کر سکتی، کیونکہ اصل سوال یہ ہے کہ ان اشخاص کے پیدا ہونے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ پیدا کرنا اور پھر اُنکو قیامت مین سزا دینا اس سے کیا فائدہ؟ اگر خدا قادر مطلق ہے تو اُسکو دنیا مین صرف نیکی، راست بازی، انکو کاری

پیدا کرنی چاہیے تھی۔ فریب۔ جھوٹ۔ فسق۔ فجور۔ حسد۔ بغض۔ دشمنی۔ انتقام۔ بیرحمی کے وجود کی کیا ضرورت تھی؟ ان تمام باتون سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی صاحب ارادہ اور مختار خدا نہین ہے، بلکہ صرف لاآف نیچر ہے، جس کے موافق کائنات کا ایک سلسلہ قائم ہے اور بغیر کسی غرض، اور مقصد، کے جو کچھ ہوتا ہے ہوا جاتا ہے،

ایک مشہور ملحد کہتا ہے کہ "جہان تک ہم تمیز کر سکتے ہین ہمکو معلوم ہوتا ہے کہ نیچر بلا محبت اور بلا ارادہ ہمیشہ مختلف اشکال بناتا اور بدلتا رہتا ہے، نہ اس کو غم ہے نہ خوشی، زہر و غذا، رنج و طرب، زندگی و موت، ہنسی اور آنسو، سب اسکے نزدیک یکسان ہین، نہ وہ رحیم ہے، نہ وہ خوشامد سے خوش ہوتا ہے، نہ آنسو گرانے سے متاثر"

ملاحدہ کے اعتراضات کا جواب

ہم کو اس سے انکار نہین کہ عالم اجزاے دیمقراطیسی سے بنا ہے۔ ہمکو یہ بھی تسلیم ہے کہ عالم قدیم ہے جیسا کہ خود مسلمانون کے ایک بڑے فرقہ معتزلہ، اور حکماے اسلام یعنے فارابی۔ ابن سینا اور ابن رشد کی رائے ہے۔ بلکہ جیسا کہ ابن رشد نے تلخیص المقال مین لکھا ہے خود قرآن مجید کی ان آیتون سے اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا وَّکَانَ عَرْشُہٗ عَلَی الْمَآءِ ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ وَھِیَ دُخَانٌ، یہی متبادر ہوتا ہے، ہم یہ بھی تسلیم کرتے ہین کہ مادہ کے اجزا متحرک ہین حرکت۔ مادہ کی ذاتیات مین سے ہے مختلف قوانین قدرتیہ ہین جنکے موافق اجزا باہم ملتے ہین، ترکیب پاتے ہین اور پھر انھین خاص خاص قوی اور خواص پیدا ہو جاتے ہین، لیکن کائنات کا مقدمہ ان باتون سے

ملاحدہ کے اعتراض کا رد

بھی حل نہین ہوتا۔ اس کی تفصیل یہ ہے،

اس مین شبہہ نہین کہ عالم۔ کا تمام نظام، قوانین قدرت، یا لاآف نیچر پر قائم ہے لیکن یہ قوانین، الگ الگ مستقل بالذات، اور ایک دوسرے سے بے تعلق نہین ہین بلکہ سب ایک دوسرے کے موافق، تناسب اور معین ہین ان مین باہم اسقدر تناسب اور ربط ہے کہ ایک چھوٹی سی چیز کے پیدا کرنے مین کل قوانین قدرت باہم ملکر کام کرتے ہین۔ ایک کمزور سے کمزور گھانس اُسوقت پیدا ہوسکتی ہے جب خاک ہوا۔ پانی وغیرہ سے لیکر بڑے بڑے اجرام فلکی مثلاً آفتاب و ماہتاب، وغیرہ کے افعال اور خواص اُسکے پیدا کرنے مین، شارکت اور توافق کو عمل مین لائین، اسکی مثال بالکل ایسی ہے جس طرح انسان کے جسم مین سیکڑون اعضا، جوارح اور اعصاب ہین، یہ اعضا اور جوارح الگ الگ ہین اور ہر ایک کا کام جدا ہے لیکن کوئی عضو اس وقت تک کام نہین دے سکتا جب تک اور تمام اعضا بالذات یا بواسطہ اُسکے عمل مین شریک نہون، یا کم سے کم یہ کہ اُس کے کام مین خلل انداز نہ ہون، اسی سے اس بات پر استدلال کیا جاتا ہو کہ ان اعضا کے قوی مستقل حیثیت نہین رکھتے بلکہ انسان مین کوئی اور عام قوت ہو جو ان تمام اعضا کی جداگانہ قوتون سے بالاتر ہے، اور جس کی ماتحتی مین یہ سب باتفاق کام کرتے ہین، اس عام قوت کو نفس۔ روح۔ یا مزاج سے تعبیر کیا ہے،

تمام قوانے قدرت باہم موافق اور معاون ہین

قوانین قدرت کا بھی یہی حال ہو، عالم مین سیکڑون ہزارون قوانین قدرت ہین۔ لیکن اگر ائین سے ایک بھی باہمی توافق کے مرکز سے ذرا ہٹ جائے تو تمام نظام عالم

برہم ہوجائے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کوئی اور بالاتر قوت ہے جو ان تمام قوانین قدرت کو محکوم رکھتی ہے اور جس نے ان تمام قوانین میں، باہم توافق۔ تناسب ربط اور اتحاد پیدا کیا ہے میٹرلسٹ یہ کہہ سکتا ہے کہ "مادہ خود بخود پیدا ہوا، مادہ کے ساتھ حرکت پیدا ہوئی، حرکت نے امتزاج پیدا کیا، اور پھر رفتہ رفتہ بہت سے قوانین قدرت پیدا ہوگئے لیکن وہ اس بات کی وجہ نہیں بتا سکتا کہ ان سیکڑون ہزارون بلکہ لاکھون قوانین قدرت مین یہ توافق۔ تناسب اور اتحاد کہان سے آیا، توافق اور اتحاد پیدا ہونا۔ خود ان قوانین کی ذاتی خاصیت نہین ہے اور اگر کوئی ایسا دعوی کرے تو محض ایک فرضی احتمال ہوگا جسکی کوئی نظیر پیش نہین کیجا سکتی، یہی بالاتر قوت جو تمام قوانین قدرت پر حاکم ہے اور جس نے ان تمام قوانین مین ربط اور اتحاد قائم کیا ہے خدا ہے یہی معنے ہین قرآن مجید کی اس آیت کے وَلَهُ أَسْلَمَ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا زمین اور آسمان مین جو کچھ ہے سب اسکا کہا مانتے ہین بجبر یا بخوشی یورپ کے بڑے بڑے حکما اور فلاسفرز کو اسی بنا پر خدا کا اقرار کرنا پڑا ہے۔

ملین اڈورڈ Milne Edwards کہتا ہے "انسان اس وقت سخت حیرت زدہ ہوجاتا ہے، جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوے ایسے لوگ بھی موجود ہین جو یہ کہتے ہین کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت واتفاق کے نتائج ہین یا دوسری عبارت مین یون کہنا چاہیے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہین، یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیان جنکو لوگون نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے اُن کو بالکل باطل کر دیا ہے، فزیکل سائنس جاننے والا کبھی ایسے اعتقاد نہین لا سکتا"۔

ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے "یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہین جب ہم ان پر زیادہ بحث کرتے ہین تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی اور ابدی قوت ہے جس سے تمام اشیا وجود مین آتی ہین!"

پروفیسر لینہ کہتا ہے "وہ خداے اکبر جو ازلی ہے، جو تمام چیزون کا جاننے والا ہے، جو ہر چیز پر قادر ہے، اپنی عجیب وغریب کاریگریون سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ مین مبہوت اور مدہوش ہو جاتا ہون[1]"

اب ہم اُن اعتراضات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو خدا کے قادر مطلق، رحیم اور عادل ہونے کی نسبت کیے جاتے ہین، یہ اعتراض کہ اگر خدا قادر مطلق ہوتا تو دنیا کو بتدریج کیون پیدا کرتا، اسقدر لغو ہے کہ توجہ کے بھی قابل نہین،

ایک قطرہ کا رحم مین پڑنا۔ پرورش پانا، گوشت پوست چڑھنا، مختلف اعضا کا پیدا ہونا، جان کا پڑنا، خون سے غذا پانا اور پھر نور کا پتلا بنکر ہستی کے منظر پر آنا، زیادہ اعجوبہ زا اور کمال قدرت کی دلیل ہے؟ یا دفعۃً بنا بنا ایک انسان مجسم کا پیدا ہو جانا؟

البتہ یہ اعتراض توجہ کے قابل ہے کہ دنیا مین نیکی کے ساتھ برائی کیون ہو؟

بوعلی سینا نے شفا مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دنیا کی تین حالتین فرض کی جاسکتی ہین،

محض بھلائی ہی بھلائی ہوتی۔ محض بُرائی ہوتی۔ زیادہ بھلائی ہوتی اور کسی قدر بُرائی

[1] ہربرٹ اسپنسر اور پروفیسر لینہ کے یہ اقوال پہلے بھی ہم نقل کر چکے ہین،

اب فرض کرو کہ قدرت کے سامنے یہ تینون پیش ہین تو اسکو کیا کرنا چاہیے؟
پہلی صورت کی نسبت کسی کو اختلاف نہین ہو سکتا کہ وہ اختیار کرنے کے قابل ہو دوسری صورت بھی قابل بحث نہین کیون کہ ہر شخص کے نزدیک وہ قابل اختیار ہے اور قدرت نے بھی ایسا ہی کیا، یعنے ایسی دنیا پیدا نہین کی جس مین برائیان ہی برائیان ہون، صرف تیسری صورت بحث کے قابل ہے۔ یعنے قدرت کو ایسا عالم پیدا کرنا چاہیے یا نہین جس مین بھلائیان زیادہ اور برائیان کم ہون، اگر ایسا پیدا نہ کیا جاتا تو بے شبہہ یہ فائدہ ہوتا کہ چند برائیان عالم وجود مین نہ آتین لیکن اس کے ساتھ بہت سی بھلائیون کا بھی وجود نہ ہوتا۔ اسکا یہ نتیجہ ہوتا کہ چند برائیون کے لیے دنیا ہزارون بھلائیون سے محروم رہجاتی۔

ابن رشد نے اس اعتراض کا اور جواب دیا ہے، وہ کہتا ہے کہ دنیا مین جو برائی پائی جاتی ہے وہ بالذات نہین بلکہ کسی بھلائی کی تابع اور لازم ہے، غصہ بری چیز ہے لیکن اُس حاسّہ کا نتیجہ ہے جس کی بدولت انسان حفاظت خود اختیاری کرتا ہے، یہ حاسّہ نہ ہو تو انسان ایک قاتل کے مقابلہ مین اپنی جان بچانیکی بھی کوشش نہ کرے فسق و فجور بُری چیزین ہین لیکن یہ اُسی قوت سے متعلق ہین جس پر نسل انسانی کا بقا منحصر ہے آگ گھرون کو جلا دیتی ہے۔ شہر کے شہر اس سے تباہ ہو جاتے ہین لیکن اگر آگ نہ ہو تو انسان کا زندگی بسر کرنا محال ہو جائے۔

اب صرف یہ شبہہ رہتا ہے کہ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو چیز پیدا کیجاتی اُسمین اچھائی ہی اچھائی ہوتی، برائی مطلق نہ ہوتی، ابن رشد کہتا ہے کہ ہان یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کوئی ایسی آگ

نہین پیدا کی جا سکتی کہ اس سے کھانا پکانا چاہین تو پک جائے لیکن اگر مسجد کو جلانا چاہین تو نہ جلائے،

باقی یہ اعتراض کہ دنیا مین اکثر اچھے آدمی تکلیف اُٹھاتے ہین اور بُرے آدمی عیش و عشرت سے بسر کرتے ہین اسکا جواب یہ ہے کہ انسان کی زندگی اس حیات فانی تک ختم نہین ہو جاتی، اس لیے یہ کیونکر فیصلہ کیا جا سکتا ہی کہ ہم جنکو عیش و عشرت مین بسر کرتا ہوا دیکھ رہے ہین یہ اُنکی پوری زندگی کی تصویر ہے، ہمارے سامنے اس سلسلہ کا بہت چھوٹا سا حصّہ ہی، اس کی بنا پر ہم پورے سلسلہ کی نسبت کیونکر رائے دے سکتے ہین، آگے چلکر ہم ثابت کرینگے کہ جزا و سزا، افعال انسانی کے لازمی نتائج ہین جو کسیطرح اُنسے جدا نہین ہو سکتے جس طرح مرنا زہر کھانے کا اور سیراب ہونا پانی پینے کا لازمی نتیجہ ہے، اس بنا پر یہ کہنا صحیح نہین کہ بہت سے لوگ اچھے یا بُرے کام کرتے ہین، اور اُن کے نتیجے اُن کو پیش نہین آتے،

نظام عالم مین ہمکو جو بُرائیان ابتریان اور نقائص نظر آتے ہین کون کہہ سکتا ہی کہ واقعی نقائص ہین؟ یا اس وجہ سے نظر آتے ہین کہ نظام عالم کا پورا سلسلہ ہماری آنکھون کے سامنے نہین ہے۔ ایسی حالت مین صرف اتنی بات پر خدا کے کمال اور عزت و جلال کا کیون کر انکار کیا جا سکتا ہی؟ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا

توحید

توحید

ذات باری کا اجمالی اعتراف، تمام مذاہب مین پایا جاتا ہی۔ اس بنا پر اسلام نے اس مسئلہ پر چندان زور نہین دیا اسلام کے مختصات مین جو چیز ہے وہ توحید ہی کیون کہ

دوسرے مذاہب مین یا تو سرے سے توحید تھی ہی نہین یا تھی تو کامل نہ تھی۔ اسی بنا پر قرآن مجید نے بار بار کہا کہ کفار کو بھی خدا سے انکار نہین، کفار کو جو وحشت ہی وہ توحید سے ہے،

اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحۡدَہٗ کَفَرۡتُمۡ وَاِنۡ یُّشۡرَکۡ بِہٖ تُؤۡمِنُوۡا — جب اکیلا خدا پکارا جاتا ہی تو تم منکر ہو جاتے ہو اور اگر کوئی اور شریک کر لیا جائے تو تم مان لیتے ہو۔

اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحۡدَہُ اشۡمَاَزَّتۡ قُلُوۡبُ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ، — اور جب خدا کا تنہا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین قیامت کا دل بکہ جاتا ہی،

حقیقت یہ ہے کہ جن اسباب سے ہم کو خدا کے وجود کا یقین ہوتا ہے بعینہ وہی اسباب اس بات کے بھی شاہد ہین کہ خدا ایک ہی ہے، نظام عالم پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ گو بظاہر وہ کثیر الاجزا اور یا کثیر الافراد ہے لیکن سب ملکر ایک ہی یعنی اُس کل کا ایک ایک پرزہ دوسرے سے اس قدر وابستہ ہے کہ وہی ایک شخص اُسکو چلا سکتا ہی جو تمام پرزون کا موجد اور اُنکے باہمی تناسب کا محافظ ہو اسی دلیل کو قرآن مجید مین اسطرح ادا کیا ہی،

لَوۡ کَانَ فِیۡہِمَاۤ اٰلِہَۃٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدَتَا — اگر آسمان اور زمین مین کئی خدا ہوتے تو نظام عالم بگڑ جاتا

منطقی پیرایہ مین اگر یہ استدلال بیان کیا جائے تو پہلے مقدمات ذیل کو ذہن نشین کرنا چاہیے

١۔ عالم مین گو بظاہر ہزارون لاکھون اشیا نظر آتی ہین لیکن عالم ایک شے واحد ہے اور یہ تمام اشیا اسکی ذاتیات اور اجزا ہین، جسطرح انسان مین باوجود اسکے کہ ہاتھ پانون، کان، آنکھ، ناک بہت سے اعضا پائے جاتے ہین تاہم انسان ایک شے واحد ہی ہے،

٢۔ ایک چیز کی دو علت تامہ نہین ہو سکتین، کیونکہ علت تامہ کے یہ معنے ہین کہ اُسکے وجود کے ساتھ بلا انتظار کسی اور چیز کے معلول وجود مین آجائے۔ اسلیے اگر ایک معلول کیلیے

دوعلت تامہ ہون تو ایک بالکل بیکار ہوگی۔

۳۔ خدا، عالم کی علت تامہ ہے،

اب استدلال کے مقدمات یہ ہین۔ عالم ایک شے واحد ہے۔ اور شے واحد کی دو علت تامہ نہین ہوسکتین، اس لیے عالم کی دو علت تامہ نہین ہوسکتین۔ خدا عالم کی علت تامہ ہے اور علت تامہ متعدد نہین ہوسکتی، اس لیے خدا متعدد نہین ہوسکتا۔ یہ بات خاص طور پر خیال کے قابل ہے کہ مطلق توحید بھی درحقیقت تمام مذہبون مین پائی جاتی ہی، جن قومون کو مشرک کہا جاتا ہے وہ بھی قادر مطلق ایک ہی ذات کو مانتے ہین؛ البتہ اس کے مظاہر اور صفات کو متعدد کہتے ہین جس سے شرک کا گمان ہوتا ہی، عیسائی تین خدا مانتے ہین لیکن اسکے ساتھ یہ بھی کہتے ہین کہ تینون ایک ہین؛ یہ تعبیر کتنی ہی غلط ہو لیکن اس سے اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی تعدد اُنکو بھی گوارا نہین۔ اس لحاظ سے مطلق توحید بھی کوئی نئی بات نہین اسلام کو اس باب مین جو خصوصیت حاصل ہے، وہ یہ ہی کہ اُسنے توحید کو کامل یعنی شرک کے ہر قسم کے شائبون سے پاک کر دیا۔ اور یہ منجملہ اُن تکمیلونکے ہے جنکی وجہ سے اسلام کے بعد اور کسی مذہب کی ضرورت نہین رہی کیونکہ کمال کے بعد پھر کوئی درجہ نہین، توحید کامل کے یہ معنی ہین کہ جس طرح خدا کی ذات مین کوئی شریک نہین اسیطرح اُسکی صفات مین بھی کوئی شریک نہین؛ پیدا کرنا، زندہ رکھنا، مارنا، عالم الغیب ہونا۔ دور و نزدیک سے یکسان تعلق رکھنا یہ تمام صفات خدا کی ذات کیساتھ مخصوص ہین اسلام کے سوا اور مذہب والے اوتارون اور پیغمبرون مین بھی یہ اوصاف مانتے تھے اور مانتے ہین اور یہی

توحید پر استدلال

توحید کا نقص ہے، اگرچہ افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان بھی اب اصطلاح کا پردہ رکھکر ان اوصاف کو اورون مین بھی ماننے لگے ہین۔ اسلام نے توحید کے کمال کے لیے توحید فی الذات کے ساتھ توحید فی الصفات اور توحید فی العبادت کو بھی ضروری قرار دیا یہانتک کہ سجدۂ تعظیمی جو تمام دوسرے مذاہب مین، خدا کے سوا اورون کے لیے بھی جائز تھا اسلام نے اسکو بھی حرام کر دیا،

توحید فی الصفات و فی العبادت

حقیقت یہ ہے کہ خدا کے اقرار اور اعتراف کا دل پر جو اخلاقی اثر پڑتا ہے وہ توحید کامل کے بغیر پیدا نہین ہوسکتا۔ اطاعت۔ انقیاد۔ خشوع۔ استقلال، توکل، اخلاص کی حالت اسیوقت دل پر طاری ہوسکتی ہے جب یہ خیال ہو کہ ہماری تمام حاجتون، تمام ضرورتون، تمام امیدون، تمام اغراض، تمام خواہشون کا ایک ہی مرکز ہے، انسان مین استقلال، آزادی، دلیری، بے نیازی کے اوصاف بھی توحید کامل کے بغیر پیدا نہین ہوسکتے، جو شخص ایک کے سوا اور کو بھی حاجت روا مانتا ہے اس کا سر ہر آستانہ پر جھکجانیکے لیے تیار رہتا ہے

نبوّت

نبوت کی کیا حقیقت ہے؟ اسکے کیا شرائط ہین؟ متبنی اور غیر متبنی مین حد فاصل کیا ہے؟ ان سوالات کا جواب آج تمام اسلامی فرقون کی طرف سے عموماً یہ دیا جاتا ہے کہ نبوت خدا کا عطا کیا ہوا ایک منصب ہے، خدا جسکو چاہتا ہے دیتا ہے نبوت کے لیے معجزہ شرط ہے، اور یہی نبوت کی فصل اور تمیز ہے، اس جواب کی ابتدا اشاعرۂ ظاہرین سے ہوئی اور رفتہ رفتہ تمام اسلامی فرقون مین یہی اعتقاد پھیل گیا،

جناب رسالت پناہ اور صحابہ کے زمانہ مین تو علمی اور اصطلاحی حیثیت سے اس مسئلہ پر

بحث پیدا ہی نہین ہو سکتی تھی لیکن دولت عباسیہ کے ابتدا ہی مین جب فلسفہ نے مذہب کے احاطہ مین قدم رکھا تو یہ بحث زور و شور کے ساتھ پیدا ہوئی۔ جہانتک ہم کو معلوم ہے سب سے پہلے اس مسئلہ پر جاحظ نے قلم اُٹھایا اور ایک مستقل کتاب لکھی، علوم عقلیہ و نقلیہ مین جاحظ کا جو پایہ ہے اسکے لحاظ سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ اُسنے کیا کچھ لکھا ہو گا؟ لیکن قدما کی تمام تصنیفات اسطرح برباد ہو چکی ہین کہ آج اُس خرمن کا ایک دانہ بھی موجود نہین، ایثار الحق مین جو نوین صدی کے ایک مجتہد یمنی کی تصنیف ہے اور آج کل مصر مین چھاپی گئی ہے، ایک جگہ صرف اس کتاب کا تذکرہ ہے، اور شرح مواقف مین نبوت کے اثبات کے جو چار طریقے لکھے ہین ان مین سے دوسرے طریقے کی نسبت لکھا ہو کہ "یہ جاحظ کا مذہب ہے اور امام غزالی نے بھی اسکی تحسین کی ہے"

نبوت کی تشریح سب سے پہلے جاحظ نے کی

اشاعرہ کا جو اعتقاد ہے گو تمام دنیا مین پھیل گیا ہے لیکن یہ عجیب بات ہو کہ آج اس پر جو اعتراضات کیے جا رہے ہین، انہین سے کہین زیادہ خود، اشاعرہ ہی کے زمانہ مین کیے جا چکے تھے، اسی بنا پر امام غزالی، رازی، ابن رشد، راغب اصفہانی، اور شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ اساطین کلام نے، اشاعرہ کے نقش قدم کو چھوڑ کر دوسری راہ اختیار کی، لیکن اشاعرہ کا مذہب عوام کے طبائع کے اسقدر موافق واقع ہوا تھا کہ امام غزالی وغیرہ نے جو کچھ اُنکے موافق کہا وہ آج ایک ایک بچہ کے دل مین، اور زبان پر ہے، اور جو کچھ اُنکی خاص رائین تھین، وہ اس شور و ہنگامہ مین لوگون کو سنائی بھی نہ دین، مجبوراً ان بزرگون نے بھیڑ سے الگ ہو کر ایک خاص دائرہ اختیار کیا اور جو کہنا تھا اسی خاص مجمع سے مخاطب ہو کر کہا،

خدا کا شکر ہے کہ اُنکی رازدارانہ گفتگوئین، گو پھیلین نہین، لیکن بالکل ناپید بھی نہین ہوئین، مین اس بحث کو نہایت استیعاب کے ساتھ لکھونگا جس سے امور ذیل مقصود ہین،

(۱) یہ ظاہر کرنا کہ مسئلہ نبوت کے متعلق مجتہدین اور ائمۂ فن کے ذاتی خیالات اور تحقیقات کیا ہین؟

(۲) نبوت پر جو اعتراضات کیے جارہے ہین نئے نہین ہین، بلکہ مع شئے زائد پہلے کیے جاچکے ہین،

(۳) یہ اعتراضات، زیادہ ایک خاص ظاہر پرست گروہ مذہب پر وارد ہوتے ہین محققین کا مذہب ان حملون کی زد سے محفوظ ہے،

(۴) علم کلام کی مروجہ اور زیر درس کتابین عامیانہ مذاق پر لکھی گئی ہین محققین اور ائمۂ کلام کی تحقیقات، یا سرے سے اُنمین مذکور نہین، یا ہین تو اُن کو ایسے کمزور پیرایہ مین ادا کیا ہے کہ اُنپر توجہ تک مائل نہین ہوسکتی۔

اب ہم اصل بحث کیطرف متوجہ ہوتے ہین،

خرق عادت کے مسئلہ کی بناپر

نبوت پر اعتراض

اشاعرہ کے نزدیک نبوت کی حقیقت

نبوت کی تعریف جیسا کہ مواقف مین ہے اشاعرہ نے یہ کی ہے اور اُسی کو تمام اہل حق کی طرف منسوب کیا ہے،

مَنْ قَالَ لَہُ اللّٰہُ اَرْسَلْتُکَ اَوْ بَلِّغْھُمْ عَنِّیْ وَنَحْوُہٗ مِنَ الْاَلْفَاظِ وَلَا یَشْتَرِطُ فِیْہِ شَرْطٌ وَلَا اسْتِعْدَادٌ بَلِ اللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ۔

پیغمبر وہ ہے جس سے خدا نے یہ کہا ہو کہ مینے تجکو بھیجا یا لوگون کو میری طرف سے پیغام پہنچا یا اس قسم کے اور الفاظ، اور پیغمبر ہونیکے لیے کوئی شرط نہیں نہ یہ شرط ہے کہ اُسمین کسی قسم کی قابلیت ہو بلکہ خدا اپنی رحمت کے ساتھ اپنے بندو نمین سے جسکو چاہتا ہے خاص کرلیتا ہے

لیکن یہ تعریف اس قسم کی ہے کہ اسکی بنا پر کسی شخص کو نبی کہنا بھی نبی کا کام ہوسکتا ہے کیونکہ عام لوگونکو اس اطلاع کا کیا ذریعہ ہے کہ فلان شخص سے خدا نے باتین کین اور اس سے یہ یہ کہا، اس بنا پر اشاعرہ نے نبوت کی شناخت کے لیے معجزہ کو دلیل قرار دیا یعنی جس سے معجزہ صادر ہو، اُسکی نسبت یہ یقین کیا جائے گا کہ خدا نے اس سے خطاب کیا، اس بنا پر امور ذیل تنقیح طلب ہین،

معجزہ کی کیا تعریف ہے اور اسکے کیا شرائط ہین؟

کیا اس سے نبوت پر استدلال ہوسکتا ہے؟

معجزہ کی تعریف

معجزہ کی تعریف اشاعرہ نے یہ کی ہے کہ جسکے ظاہر کرنے سے نبوت کی تصدیق مقصود ہو اور اُسکے لیے سات شرطین قرار دی ہین

(۱) خدا کا فعل ہو۔ (۲) خارق عادت ہو۔ (۳) اُس کا معاوضہ ناممکن ہو۔ (۴) مدعی نبوت سے ظاہر ہو۔ (۵) دعوی کے موافق ہو۔ (۶) نبی کا مکذب نہو، (۷) دعوی پر مقدم نہو،

ان شرطون مین سے دو شرطین قابل بحث ہین،

یہ شرط کہ خارق عادت ہو، اس سے کیا مراد ہے ؟ اگر یہ مراد ہے کہ سلسلۂ اسباب اور اصول فطرت کے خلاف ہو تو سوال یہ ہے کہ معجزہ واقع بھی ہو سکتا ہے یا نہین ؟

انسان کو جسقدر علوم حاصل ہوتے ہین اُنکی دو قسمین ہین، بدیہیات۔ نظریات،

بدیہیات وہ امور ہین جو بغیر غور و فکر کے حاصل ہوتے ہین، یعنی انسان کو بغیر استدلال و احتجاج کے آپ سے آپ اُنکا یقین حاصل ہو جاتا ہے، مثلاً یہ کہ آفتاب روشن ہے۔ آگ جلاتی ہے۔ کل جزو سے بڑا ہوتا ہے۔ دو تناقض ایک جا جمع نہین ہو سکتے،

نظریات وہ امور ہین جو غور اور فکر سے حاصل ہوتے ہین، مثلاً یہ کہ عالم حادث ہے۔ خدا موجود ہے، روح قدیم ہے، نظریات اگرچہ خود بدیہی نہین لیکن یہ ضرور ہے کہ ان کی انتہا بدیہیات تک ہو،

بدیہیات کے بہت سے اقسام ہین۔ نظام قدرت مین جو چیزین ہمیشہ ایک طرح پر وقوع مین آتی رہتی ہین اُنکے استقرا سے جو علم کلی پیدا ہوتا ہے وہ بھی بدیہیات کی ایک قسم ہے۔ انہی بدیہیات مین سے یہ بھی ہے کہ عالم مین علل و اسباب کا سلسلہ جاری ہے یعنی جو چیز وجود مین آتی ہے اُسکے علل اور اسباب ہوتے ہین، اور جب کسی شے کے علل اور اسباب موجود ہوتے ہین تو ضرور اس شے کا وجود ہوتا ہے۔ اب معجزہ کی اگر یہ تعریف ہے کہ علت و معلول کے سلسلہ کے خلاف وقوع مین آئے، تو معجزہ بداہتًہ باطل ہو گا، کیونکہ علت و معلول کا علم انسان کو بداہتًہ حاصل ہوتا ہے، اور جب معجزہ اس سلسلہ کے خلاف ہے تو بداہت کے خلاف ہے،

امام رازی نے مطالب عالیہ مین جہان اس اعتراض کی تقریر کی ہر لکھتے ہین[1] کہ
"علم کی دو قسمین ہین بدیہی و نظری۔ نظری، بدیہی پر متفرع ہوتا ہے اس لیے اگر کوئی نظری
ایسا ہو جو بدیہی کو باطل کرتا ہو تو اُسکے یہ معنے ہونگے کہ فرع اصل کے خلاف ہو اور یہ
محال ہے، اس سے معلوم ہوا کہ علوم نظری بدیہیات مین خلل انداز نہین ہو سکتے"
"اب ہم جب غور کرتے ہین کہ بدیہی کیا چیز ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ جو علم انسان کو
خود بخود یقینی طور پر حاصل ہوتا ہے جسمین وہ کسی طرح شک نہین کر سکتا وہی بدیہی ہو"
"جب یہ مقدمہ ثابت ہو چکا تو ہم کہتے ہین کہ جب ہم کسی انسان کو دیکھتے ہین تو ہمکو
قطعی یقین ہوتا ہے کہ یہ شخص پہلے رحم مین تھا پھر رحم سے بچہ ہو کر نکلا، بچہ سے جوان ہوا، اب اگر
کوئی شخص یہ کہے کہ نہین بلکہ وہ دفعۃً پیدا ہو کر جوان ہو گیا تو ہم قطعاً یقین کرینگے کہ یہ شخص
غلط کہہ رہا ہے اور اُس کا قول باطل و افترا ہے،
"اس سے ثابت ہوا کہ خرق عادات کا دعویٰ ایک لغو بات ہے، اور جب یہ کلیہ
ثابت ہو چکا تو ہم چند مثالون کے ذریعہ سے اسکو سمجھاتے ہین"
(۱) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ یہ ممکن ہے کہ دریا اور چشمون کا پانی، آب زر بنجائے
یا پہاڑ زر خالص ہو جائے تو ہر شخص اُسکو مجنون کہے گا،
(۲) کوئی شخص اگر یہ کہے کہ ممکن ہو کہ میرے گھر مین جو پتھر پڑا ہے وہ حکیم بنجائے
اور منطق و فلسفہ کے دقائق کا ماہر ہو جائے، ممکن ہو کہ گھر مین جتنے کیڑے ہین عالم و فاضل

---

[1] یہ امام صاحب کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے،

انسان بن جائین۔ ممکن ہے کہ جب مین گھر کو واپس جاؤن تو میرا گدہا بطلیموس ہو چکا ہو اور مجسطی پڑھا رہا ہو۔ اور گھر مین جو کیڑے مکوڑے تھے وہ آدمی بنکر ہندسہ و منطق و الٰہیات مین مباحثہ کر رہے ہون، تو ہر شخص ایسے آدمی کو انتہا درجہ کا مجنون کہے گا،

(۳) اگر کوئی شخص کفدست میدان کو دیکھکر کہے کہ ممکن ہو کہ بغیر کسی معمار اور سامان تعمیر کے یہان عالیشان ایوان اور محل بنجائین، اور نہرین جاری ہو جائین تو ہر شخص ایسے آدمی کو مجنون کہے گا،

اس سے ثابت ہوا کہ عقل بالبداہتہ اس بات کا فیصلہ کرتی ہو کہ جسقدر حوادث ہین وہ نظام مقررہ اور عادت مستمرہ کے موافق وقوع مین آتے ہین اور یہ احتمال پیدا کرنا کہ ممکن ہے کہ اسکے خلاف ہو، بدیہیات مین قدح کرنا ہے[۱]،،

بہرحال خرق عادت کو معجزہ کہنا، خود معجزہ کے وجود سے انکار کرنا ہے اسی بنا پر بعض اکابر اشاعرہ نے خرق عادت کی قید معجزہ کی تعریف سے خارج کر دی شرح مواقف مین ہی

وَالْمُعْجِزَةُ عِنْدَنَا مَا يُقْصَدُ بِهِ تَصْدِيقُ مُدَّعِي الرِّسَالَةِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ خَارِقًا لِلْعَادَةِ	اور معجزہ کی تعریف ہمارے نزدیک یہ ہی کہ اس کو مدعی نبوت کی تصدیق مقصود ہو، گو وہ خرق عادت نہو،

اب فرض کرو کہ خرق عادت ممکن ہو اور معجزہ خرق عادت کا نام ہو، یعنی یہ کہ ایک چیز بغیر اسباب وعلت کے وجود مین آئے، یا یہ کہ باوجود علت کے وجود کے معلول نہ پایا جائے، مثلاً کسی پیغمبر کو آگ نے نہین جلایا تو اسکے یہ معنی ہین کہ جلانے کی علت یعنی آگ موجود تھی

[۱] یہان تک امام رازی کی اصلی عبارت کا لفظی ترجمہ تھا۔

اور وہ جلا نہ سکی۔ یا مثلاً کسی پیغمبر نے پتھر پر عصا مارا اور چشمہ جاری ہوگیا، تو اُسکے یہ معنے کہ چشمہ کے جاری ہونے کی کوئی علت نہ تھی باوجود اس کے چشمہ جاری ہوگیا،

اس صورت مین یہ بحث پیدا ہوگی کہ اس بات کا کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ واقع مین اس واقعہ کا کوئی سبب موجود نہ تھا، اور خصوصاً اشاعرہ کے موافق تو یہ احتمال نہایت قوی ہوجاتا ہے۔ اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ جن اور شیاطین ہر قسم کی خرق عادات پر قادر ہین، اسکے ساتھ وہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جن اور شیاطین، انسان کے بدن مین حلول کرسکتے ہین، اور اُس وقت اس آدمی سے وہ تمام عجیب و غریب افعال صادر ہوسکتے ہین جو خود اجنّہ اور شیاطین سے صادر ہوسکتے ہین، اب فرض کرو کہ ایک مدّعی نبوت، کسی خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ کیونکر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ در پردہ کسی جن کا فعل نہین ہے،

اشاعرہ اس بات کے بھی قائل ہین کہ جادو سے ہر قسم کے خرق عادات سرزد ہوسکتے ہین یہان تک کہ آدمی گدھا اور گدھا آدمی بن سکتا ہے اس صورت مین کیون کر اطمینان ہوسکتا ہے کہ یہ خرق عادت معجزہ ہے سحر نہین، شرح مواقف مین اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ سحر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد نہین ہوتے۔ جادوگر جب عظیم الشان خرق عادات دکھاتا ہے تو نبوت کا دعویٰ نہین کرسکتا اور اگر وہ ایسا دعویٰ کرے تو خدا اُس کے خرق عادات کو روک دیگا،،

لیکن یہ جواب بالکل ناکافی ہے، اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ سحر سے

آدمی ہوا پر اُڑ سکتا ہے، آدمی گدہا اور گدہا آدمی بن[1] جاتا ہے، زمین سے چشمے اُبل سکتے ہین، جمادات مین حرکت پیدا ہو سکتی ہے، کیا یہ عظیم الشان خرق عادات نہین ہین؟ اسکے علاوہ انبیا کے بھی تمام معجزے عظیم الشان نہین ہوتے، باقی یہ امر کہ جادوگر خرق عادات کے ساتھ نبوت کا دعویٰ نہین کر سکتا، محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے جسکی کوئی دلیل نہین بیان کیجا سکتی اگر مان لیا جائے کہ فی نفسہ جادوگر سے عظیم الشان خرق عادات سرزد ہو سکتے ہین، تو کون تسلیم کریگا کہ دعوے نبوت کی حالت مین اُسکی یہ قدرت جاتی رہے گی، عبداللہ بن المقنع اور زردشت نے بڑے بڑے خرق عادات دکھائے اور نبوت کا دعویٰ بھی کیا

ان امور کے علاوہ، شعبدہ جات، نیرنگجات- اور مسمریزم وغیرہ سے نہایت عجیب وغریب امور سرزد ہوتے ہین، اس لیے یہ کیونکر اطمینان ہو سکتا ہے کہ جس چیز کو معجزہ کہا جاتا ہے اس مین، ان چیزون کا شائبہ نہ تھا،

غرض معجزہ کے متعلق یہ احتمال ہر وقت موجود ہے کہ مخفی اسباب کی وجہ سے اسکا ظہور ہوا ہو، اس لیے معجزہ کا معجزہ ہونا نہایت مشکل ہے،

ان اعتراضات سے بھی قطع نظر کر لی جائے تو عدم معارضہ کی شرط کیونکر ثابت ہو سکتی ہے؛ یعنی یہ کیونکر ثابت ہو سکتا ہے کہ اس معجزہ کا جواب نہین ہو سکتا- جواب نہ ہو سکنے سے اگر یہ مراد ہے کہ معجزہ کے اظہار کے وقت سوا اسکا جواب کسی سے نہ ہو سکا تو عبداللہ بن المقنع اور زردشت وغیرہ کو بھی پیغمبر ماننا پڑیگا کیونکہ جو خارق عادت باتین انسے ظہور مین آئین اُس زمانہ مین کوئی شخص اُنکا

[1] امام رازی تفسیر کبیر ہاروت و ماروت کے قصہ کی تفسیر مین لکھتے ہین۔ اما اهل السنة فقد جوزوا ان یقدر الساحر علی ان یطیر فی الهواء ویقلب الانسان حمارا والحمار انسانا۔

جواب نہ لاسکا، اور اگر یہ مراد ہے کہ قیامت تک کوئی شخص اسکا معارضہ نہ کرسکے تو یہ پیشین گوئی کیونکر کیجا سکتی ہے کہ قیامت تک اسکا جواب نہو سکیگا۔ حضرت موسیٰ کے زمانہ مین انکے معجزہ کا جواب نہوسکا لیکن یہ کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے کہ قیامت تک اُسکا جواب نہو سکیگا،

ان سب امور کو مان بھی لیا جائے تو یہ بحث باقی رہے گی، کہ معجزہ صرف ان لوگوں پر حجت ہوسکتا ہے جو اُس وقت موجود تھے، آیندہ نسلوں کو اُس کا علم صرف روایت کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے لیکن اس قسم کی روایتوں کو قطعی اور یقینی کیونکر ثابت کیا جاسکتا ہے، روایت مین سب سے بڑا درجہ تواتر کا ہے یعنی جو خبر متواتر ہوتی ہے اُس کو یقینی کہا جاتا ہی، لیکن کیا تمام متواترات یقینی ہین؟ یہود، بہ تواتر بیان کرتے ہین کہ توراۃ مین کسی قسم کی تحریف نہین ہوئی، یہود اور نصاریٰ دونون متفق اللفظ ہین اور بہ تواتر بیان کرتے ہین کہ حضرت عیسیٰ مصلوب ہوئے، پارسی زردشت کے معجزات کو بہ تواتر بیان کرتے ہین، غرض ہر فرقہ۔ اپنے مذہب کے متعلق بہت سے واقعات کو بہ تواتر بیان کرتا ہے، لیکن کیا ان واقعات کو ہم یقینی سمجھتے ہین؟ شائد یہ کہا جائے کہ روایت کی صحت کیلیے اسلام شرط ہے، جسکے یہ معنے ہوئے کہ صرف مسلمانونکا تواتر مفید یقین ہے، لیکن اس یک طرفہ فیصلہ کو مخالف کیونکر تسلیم کرسکتا ہے؟

یہ تمام بحثین تو معجزہ کے امکان اور وقوع سے متعلق تھین، اب فرض کرو کہ معجزہ ممکن بھی ہو۔ واقع بھی ہوتا ہے۔ تواتر سے اُسکا ثبوت بھی ہوسکتا ہے، لیکن یہ مرحلہ اب بھی باقی ہو کہ اس سے نبوت پر کیونکر استدلال ہوسکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص کہتا ہے کہ مین

معجزہ سے نبوت پر استدلال

ہندسہ دان ہون، اور اُسکی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ مین بیس دن تک متصل بھوکا رہ سکتا ہون، تو گو وہ بیس دن تک بھوکا رہے، اور گو یہ کتنا ہی خرق عادت واقعہ ہو لیکن اس سے اُس کا ہندسہ دان ہونا کیونکر ثابت ہو گا؟ اسی طرح ایک شخص کہتا ہے کہ مین پیغمبر ہون جسکے یہ معنے ہین کہ وہ سعادت دارین کا رہنما ہے، اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ وہ لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے تو گو وہ ایسا کرتا ہو اور گو یہ کتنا ہی عجیب امر ہو لیکن اس سے اسکی پیغمبری کیونکر ثابت ہو گی؟ دلیل کو دعوی کے ساتھ کیا ربط ہے؟

اعتراض کی یہ تقریر امام رازی کی تقریر کے مطابق تھی، لیکن ابن رشد نے اس اعتراض کو زیادہ وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، اسکی تقریر کا خلاصہ یہ ہے در معجزہ سے جب نبوت پر استدلال کیا جاتا ہے تو مقدمات دلیل یہ ہوتے ہین!

نبی سے معجزہ صادر ہوتا ہے جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہو"

ان مقدمات کا ثابت ہونا امور ذیل کے ثابت ہونے پر موقوف ہے"

(۱) معجزہ ممکن الوقوع ہے اور واقع ہوتا ہے،

(۲) مدعی نبوت سے معجزہ صادر ہوا،

(۳) نبوت اور پیغمبری کا وجود ہے،

(۴) جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے،

سب سے پہلے یہ متعین کرنا چاہیے کہ پیغمبری کی حقیقت اور جنس و فصل کیا ہو؟ یہ ظاہر ہے کہ پیغمبری کی ماہیت مین معجزہ داخل نہین ہو؟ بلکہ جو لوگ معجزہ کے قائل ہین وہ بھی معجزہ کو

پیغمبری کی علامت قرار دیتے ہین اور ظاہر ہے کہ علامت، عین حقیقت نہین ہوتی پیغمبر کی حقیقت اشاعرہ وغیرہ نے یہ بیان کی ہے کہ جو شخص خدا کا بھیجا ہوا ہو وہ پیغمبر ہے،

اب یہ ثابت کرنا چاہیے کہ رسالت کا وجود ہے یعنی خدا اپنے احکام کے پہنچانے کے لیے لوگون کو بھیجا بھی کرتاہے، کیونکہ ایک گروہ کثیر سرے سے رسالت ہی کا منکر ہے

اس بات کے ثابت کرنے کے بعد ثابت کرنا چاہیے کہ جس سے معجزہ صادر ہوتا ہے وہ پیغمبر ہوتا ہے، اشاعرہ نے اسپر اس طرح استدلال کیا ہے کہ مثلاً اگر کوئی بادشاہ اپنا قاصد کسی شخص کے پاس بھیجے اور اُس کے پاس، بادشاہ کی کچھ نشانیان ہون تو قطعاً یقین ہوجائیگا کہ وہ بادشاہ کا قاصد ہی اسی طرح معجزہ خدا کی نشانی ہی اسلیے جسکے پاس یہ نشانی ہوگی وہ خدا کا قاصد اور پیغمبر ہوگا،

لیکن پہلے یہ غور کرنا چاہیے کہ ہم کو اس بات کا علم کیونکر ہوتا ہی کہ فلان چیز فلان شخص کی نشانی ہی اسکا یا یہ طریقہ ہی کہ خود اُس شخص نے کسی موقع پر ظاہر کیا ہو کہ جب مین کسی قاصد کو بھیجونگا تو اُسکے پاس یہ نشانی ہوگی، یا خود قاصد کے بیان پر اعتماد کیا جائے، یا یہ کہ بار بار کے تجربہ سے ثابت ہوچکا ہو کہ اس شخص کے پاس سے جب جب قاصد آیا ہے تو اُس کے پاس اس قسم کی کوئی نشانی ضرور تھی، پہلا احتمال تو صریح البطلان ہے۔ کیونکہ خود خدا نے کسی موقع پر تمام لوگون سے یہ نہین کہا کہ فلان شخص میرا رسول ہے۔ دوسری صورت اس لیے ممکن نہین کہ پیغمبر ہی خود بحوث فیہ ہی، اب صرف تیسرا احتمال رہ گیا، وہ اگر مفید بھی ہو تو صرف انبیائے متاخرین کے لیے ہوگا سب سے پہلے جو پیغمبر آیا ہوگا، اُسکا معجزہ لوگون پر کیونکر حجت ہوگا،

یہ تمام اعتراضات، اس بنا پر تھے کہ پیغمبری کی شناخت کا ذریعہ معجزہ کو قرار دیا گیا تھا، اس پہلو سے قطع نظر کر کے نبوت پر جو عام اعتراضات کیے گئے ہین وہ آگے آتے ہین،

عام اعتراضات

(۱) نبوت کا مقصد، اعتقادات، اور اصلاح معاش و معاد کی تعلیم ہے، لیکن ان امور کے لیے خود عقل کی رہنمائی کافی ہے، خدا کے ہان سے کسی شخص کے آنے کی کوئی ضرورت نہین، بہت سے حکمانے جنپر نہ وحی آتی تھی، نہ اُنکو الہام ہوتا تھا ان مسائل کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ انبیا اُس سے زیادہ نہ کر سکے، اسلیے رسول و پیغمبر کی کیا ضرورت ہے،

(۲) انبیا کی شریعتین منسوخ ہوا کرتی ہین یعنے ایک پیغمبر دوسرے پیغمبر کی شریعت کو منسوخ کر دیتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ جو احکام منسوخ ہوئے وہ مہات امور اور مقاصد اصلیہ تھے۔ یا فرعی اور زائد باتین تھین۔ پہلا احتمال تو ممکن نہین، کیونکہ مہات امور تمام مذاہب مین مشترک ہین اور اُن کو منسوخ کرنا خود مذہب کو باطل کرنا ہے، اس لیے صرف دوسرا احتمال رہ گیا، لیکن جب کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے تو وہ اپنی شریعت کے قبول کروانے پر اس قدر اہتمام اور اصرار کرتا ہے کہ جو لوگ، اسکو تسلیم نہین کرتے اُنکو گمراہ، مرتد اور قابل جہنم ٹھہراتا ہے، یہان تک کہ لڑائیان برپا ہوتی ہین اور نہایت سخت خونریزیون تک نوبت پہونچتی ہے، اس بنا پر کیونکر قیاس کیا جا سکتا ہی کہ جو شخص مبعوث من اللہ ہوگا، وہ فرعی باتونکے لیے اس قسم کے شقاق اور بیرحمیون کو جائز رکھے گا؟

مثلاً نماز کا اصلی مقصد، صرف تضرّع اور خشوع الی اللہ ہے، یہ مقصد عیسائیون کا

یہودیون، پارسیون، غرض تمام مذاہب کے طریقۂ نماز سے حاصل ہوسکتا ہی، کسی ایک
طریقہ کی تخصیص کرنی، اور باقی تمام طریقون کو غلط قرار دینا اور اسکی بنا پر قتل وخون کو جائز
رکھنا کیونکر جائز ہوسکتا ہے، تمام اور مذہبی اعمال کا بھی یہی حال ہے کہ جو مقصد اصلی ہے
وہ سب مین مشترک ہی اور جو غیر مشترک ہے وہ مقصد اصلی نہین۔

(۳) مذہب کا اصلی مقصد، خدا کا اعتقاد، اعمال حسنہ کی پابندی اور اعمال قبیحہ سے
احتراز ہے جس شخص مین یہ باتین پائی جائین ضرور ہے کہ وہ نجات کا مستحق ہو، لیکن انبیا ان باتونکی
ساتھ اپنی نبوت کے اقرار کو بھی جزو ایمان قرار دیتے ہین اور کہتے ہین کہ جو شخص انکو پیغمبر
تسلیم نہ کرے وہ باوجود توحید اور اعمال حسنہ کے ناجی نہ ہوگا، یہ امر صریح خلاف عقل ہے۔

(۴) دنیا مین جسقدر مذاہب موجود ہین سب مین قابل اعتراض باتین پائی جاتی
ہین، یہود خدا کو مجسم مانتے ہین اور تمام وہ اوصاف ثابت کرتے ہین جو معمولی آدمیون
مین پائے جاتے ہین، عیسائی خدا کی اُبُوّت، اور حلول واتحاد کے قائل ہین، پارسیون
کے ہان دو خدا ہین، قرآن مجید مین جبر و قدر کے متعلق نہایت کثرت سے متناقض اور
متعارض آیتین ہین،

تنبیہ امام رازی نے اس اعتراض کو مطالب عالیہ مین ان الفاظ سے ادا کیا ہے،
اِنَّ القُرآنَ مَملُوٌّ مِنَ الجَبرِ وَالقَدرِ وَالآیَاتُ الوَارِدَۃُ فِیهِمَا اَکثَرُ مِن عَدَدِ الرِّمَالِ وَالحَصٰے
وَلَا شَکَّ اَنَّهُمَا مُتَنَاقِضَۃٌ وَاِنَّ التَّوفِیقَ بَینَهُمَا لَا یَحصُلُ اِلَّا بِتَعَسُّفٍ شَدِیدٍ وَهٰذَا یَدُلُّ
عَلٰے اَنَّ صَاحِبَ هٰذَا الکِتَابِ کَانَ مُضطَرِبَ الرَّایِ فِی الجَبرِ وَالقَدرِ غَیرَ جَازِمٍ بِاَحَدِ الطَّرَفَینِ

اخیر کا فقرہ نہایت سخت ہے، اور اسی وجہ سے ہم اس عبارت کے ترجمہ کی جرأت نہ کر سکے، اس کے نقل کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بزرگان سلف نے نہایت بے تعصبی کے ساتھ معترضوں کے ہر قسم کے اعتراض کو سنا اور انکو اپنی تصنیفات مین درج کرکے اُنکے جواب دیئے بخلاف اس کے آج ہمارے علما یہ تلقین کرتے ہین کہ دشمن کو آتا دیکھکر اپنی آنکھین بند کرلینی چاہئین۔

نبوت اور خرق عادت
کی
اصلی حقیقت

جو اعتراضات اوپر مذکور ہوئے اُن کا اجمالی جواب، امام رازی نے مطالب عالیہ مین اور تفصیلی، قاضی عضد نے مواقف مین دیا ہے، لیکن جواب ایسے ہین جو اعتراضات کو اور زیادہ قوی کردیتے ہین، اور چونکہ علم کلام کی تاریخ مین ہم نے اُنکا ذکر بھی کیا ہے، اس لیے یہان اُن کے اعادہ کی کچھ ضرورت نہین۔

اب ہم ان مباحث کو ائمۂ فن کی راے کے موافق لکھتے ہین جس سے معترضین کے اعتراضات خودبخود رفع ہوجائین گے اور ان مسائل کی اصلی حقیقت ظاہر ہوجائے گی۔

یہ بحث درحقیقت مسائل ذیل پر مبنی ہے،

(۱) کیا خرق عادت ممکن اور ممکن الوقوع ہے؟

(۲) کیا وہ نبوت کی حقیقت مین داخل ہے؟

(۳) کیا اس سے نبوت پر استدلال ہو سکتا ہے؟

(۴) نبوت کی اصلی حقیقت کیا ہے؟

کیا خرق عادت ممکن ہے

خرق عادت کا خیال انسان کو کیونکر پیدا ہوتا ہے

پہلا مسئلہ حقیقت یہ ہے کہ انسان جسقدر حقائق اشیا سے ناآشنا ہوتا ہے اُسی نسبت سے علل واسباب کے سلسلہ پر اسکی نظر کم پڑتی ہے اور وہ ہر چیز کو براہ راست خدا کی طرف منسوب کرتا ہے، ایک دہقان کا بچہ برسات کے زمانہ مین جب بادلون کو آتا دیکھتا ہی تو کہتا ہے کہ ''اللہ میان آئے''، یعنی بادلون کا آنا خود خدا کا آنا ہے۔ اس حالت سے جب ترقی کرتا ہی تو کہتا ہے کہ ''اللہ میان کے حکم سے پانی برسا''، اب اُس نے خدا مین اور پانی مین بادل کو واسطہ قرار دیا۔ اس درجہ کے بعد یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ بادل براہ راست خدا کے حکم سے پیدا ہو گئے، یا خدا نے اُن کو بھی کسی اور علت کے ذریعہ سے پیدا کیا، ٹھیٹھ مذہبی آدمی یہ فیصلہ کرتا ہے کہ بادل اور خدا مین کوئی درمیانی علت نہین ہی، خدا حکم دیتا ہی بادل آپ سے آپ پیدا ہو جاتے ہین اور برستے ہین۔ یا یہ کہ آسمان پر بہت بڑا دریا ہے وہانسے پانی گرتا ہے اور بادل کی شکل بنجاتا ہے چنانچہ قدمائے مفسرین اسی بات کے قائل تھے، امام رازی نے اَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً کی تفسیر مین اُن کے اقوال نقل کیے ہین لیکن صاحب نظر اور آگے قدم بڑھاتا ہے اور کہتا ہے کہ ''زمین یا سمندر سے بخارات اُٹھتے ہین وہ اوپر جا کر سردی کیوجہ سے پانی کے قطرے بنجاتے ہین''، غرض جسقدر حقیقت طلبی اور غور رسی بڑھتی جاتی ہے، علل واسباب کا سلسلہ وسیع ہوتا جاتا ہے یہانتک کہ بالآخر اس بات کا یقین ہو جاتا ہی کہ عالم مین جو کچھ ہوتا ہی وہ علت ومعلول سبب ومسبب شرط ومشروط مؤثر واثر کے سلسلہ کے بغیر نہین ہوتا

اسی سلسلہ اور نظام کا نام فطرت، سنۃ اللہ اور خلق اللہ ہے اور قرآن مجید کی ان آیتون مین
اسی کی طرف اشارہ ہے،

لا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ	خدا کی خلقت مین تبدیلی نہین،
لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَحْوِيلًا ۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللهِ تَبْدِيلًا ۔	خدا کی عادت مین تغیر نہین۔ اور تم خدا کی عادت مین تبدیلی نہ پاؤگے،

صرف اشاعرہ سلسلۂ اسباب کے منکر ہین

اسلامی فرقون مین سے صرف **اشاعرہ**، اس سلسلہ کے منکر ہین، اُنکے نزدیک کوئی شے کسی کی علت نہین نہ اشیا مین خواص و تاثیر ہے۔ چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب الرد علی المنطق مین جہان اشاعرہ کے وہ مسائل گنائے ہین جنہین وہ مُتفرد ہین، اون مین اس مسئلہ کو بھی شمار کیا ہے،

اشاعرہ کے سوا، باقی تمام فرقے بلکہ تمام دنیا، اس سلسلہ کی معترف ہے، اسکا یہ نتیجہ ہونا چاہیے تھا کہ خرق عادت کے غیر ممکن ہونے پر بجز اشاعرہ کے اور سب کا اتفاق ہوتا لیکن باینہمہ بظاہر، اختلاف ہے، امام رازی، تفسیر کبیر، سورۂ اعراف، حضرت موسیٰ کے عصا کے معجزہ کے ذکر مین لکھتے ہین،

اِعْلَمْ اَنَّ الْقَوْلَ بِتَجْوِيْزِ انْقِلَابِ الْعَادَاتِ عَنْ مَجَارِيْهَا صَعْبٌ مُشْكِلٌ وَالْعُقَلَاءُ اِضْطَرَبُوْا فِيْهِ	جاننا چاہیے کہ انقلاب عادت کا قائل ہونا صعب اور مشکل ہے اور ارباب عقل اس مین مضطرب ہین،

اس کے بعد امام صاحب نے اس مسئلہ کے متعلق تین قول نقل کیے ہین،
اشاعرہ کے نزدیک ہر قسم کے خرق عادت عموماً ممکن ہے یہان تک کہ یہ بھی ممکن ہے

کہ ایک جزء لایتجزی دفعۃً عالم اور عاقل بن جائے یا یہ کہ ایک اندھا جو اندلس مین بیٹھا ہوا ہو چین کے کسی گانون کو دیکھ لے،

۲۔ حکمائے طبعیین کے نزدیک بالکل ناممکن ہے،

(۳) معتزلہ کے نزدیک بعض مخصوص صورتون کے سوا ناممکن ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس مسئلہ کے متعلق جو اختلافات ہین وہ دراصل نزاع لفظی ہے اشاعرہ کے سوا کوئی اس بات کا قائل نہین کہ معلول کا وجود بغیر علت کے ہوسکتا ہے اور جو شخص اس کا قائل نہین وہ خرق عادت کا بھی قائل نہین ہوسکتا۔ اختلاف اسطرح پیدا ہوتا ہے کہ جب کوئی واقعہ عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آتا ہے، تو عام لوگ اُس کو خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور کہتے ہین کہ خرق عادت ممکن ہے ورنہ اُس کا وقوع کیونکر ہوتا۔ حالانکہ وہ واقعہ اسباب ہی کی وجہ سے وقوع مین آتا ہے گو وہ اسباب غیر معمولی ہوتے ہین، امام صاحب نے مطالب عالیہ مین خرق عادت کے امکان کو اسطرح ثابت کیا ہے، کہ ممکن ہے کہ کوئی غیر معمولی حرکت فلکی پیدا ہو اور اُس سے کوئی غیر معمولی امر وقوع مین آئے لیکن امام صاحب نے یہ خیال نہین کیا کہ اس حالت مین وہ امر خرق عادت نہین ہے کیونکہ اُسکی علت حرکت فلکی موجود ہے امام صاحب کے اس استدلال سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس شے کو جو خلاف عادت وقوع مین آئے، خرق عادت کہتے ہین گو اس کے لیے کوئی غیر معمولی علت موجود ہو،

خرق عادت کے متعلق لوگون مین جو اختلاف ہے وہ نزاع لفظی ہے،

اشاعرہ مین بھی اس مسئلہ کے متعلق اختلاف راے ہے عام اشاعرہ ہر قسم کے

خرق عادات کے متعلق اشاعرہ مین اختلاف رائے

خرق عادت کے قائل تھے اور ہر شخص سے اس کا صادر ہونا تسلیم کرتے تھے، اُن کے نزدیک جس قسم کے خرق عادات پیغمبر سے صادر ہوتے ہین۔ اسی قسم کے اولیا بلکہ کافر زندیق جادوگر۔ وغیرہ سب سے صادر ہوسکتے ہین، صرف یہ فرق ہے کہ ان کا نام بدل جاتا ہے یعنی کافر وغیرہ سے جو سرزد ہو اس کو سحر اور استدراج کہتے ہین، اور انبیا سے جو سرزد ہو اس کا نام اعجاز ہے۔ لیکن جسقدر غور و فکر سے زیادہ کام لیا گیا یہ وسعت گھٹتی گئی، علامہ ابو اسحاق اسفرائینی جو بہت بڑے پایہ کے شخص تھے اور اشعری طریقہ رکھتے تھے، ان کا قول ہے کہ

اِنَّ الْکَرَامَةَ لَا تَبْلُغُ مَبْلَغَ خَرْقِ الْعَادَةِ	کرامت خرق عادت کی حد تک نہین پہنچتی،

ابو القاسم قشیری جو اشاعرہ مین بہت بڑے صوفی گذرے ہین انکا قول ہے کہ بہت سی چیزین گو مقدورات الٰہی کے لحاظ سے ممکن ہین لیکن یہ قطعًا معلوم ہے کہ وہ کسی ولی سے سرزد نہین ہوسکتین[1]،

بوعلی سینا کی راے

بوعلی سینا نے اشارات کے اخیر مین ایک باب باندھا ہے جس مین خرق عادات پر بحث کی ہے، اس مین لکھا ہے کہ "اگر تم سے کوئی شخص کہے کہ کسی درویش نے مدت تک کھانا نہین کھایا۔ یا کوئی ایسا کام کیا جو اُسکی قوت سے زیادہ تھا، یا کوئی پیشین گوئی کی، یا اُسکی بددعا کی وجہ سے کوئی شخص زمین مین دھنس گیا، یا زلزلہ آگیا، یا درندہ مسخر ہوگیا وغیرہ وغیرہ تو تم اس سے انکار نہ کرو، کیونکہ ان سب کے اسباب طبعی ہوسکتے ہین، جن کے ذریعے سے

[1] یہ دونون قول ابن السبکی نے طبقات جلد اول مین نقل کیے ہین، علامہ موصوف نے ایک نہایت مفصل مضمون عادت کے جواز پر لکھا ہے،

انکا ظہور ہوتا ہے، بو علی سینا نے ان اسباب طبعی کو تفصیل سے بیان بھی کیا ہے، مثلاً امساک طعام کی نسبت لکھا ہے کہ معدہ جب مواد ردیہ کے ہضم کرنے مین مصروف ہوتا ہے تو صحیح غذا پر کم عمل کرتا ہے اسکا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ کئی کئی دن تک انسان کو بھوک نہین لگتی، کیونکہ بدل ما یتحلل کی ضرورت نہین پڑتی، اس بنا پر ممکن ہے کہ کسی صاحب حال کو خدا کے تصور مین اسقدر استغراق اور محویت ہو کہ طبیعت، غذا کے ہضم کیطرف نہ مائل ہو، اس حالت مین مدت تک وہی غذا قائم رہیگی اور بدل ما یتحلل کی ضرورت نہ پڑیگی یہی وجہ ہوتی ہے کہ خوف کی حالت مین بھوک بالکل جاتی رہتی ہے،،

بو علی سینا نے گو ان تمام خرق عادات کے وجوہ اور اسباب بیان کیے تاہم انکا نام خرق عادت ہی رکھا جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جو چیز عام عادت کے خلاف ہوتی ہے وہ خرق عادت سے تعبیر کیجاتی ہے، گو واقع مین وہ اصول قدرت کے خلاف نہین ہوتی، شاہ ولی اللہ صاحب نے تو صاف صاف اس کا فیصلہ کر دیا ہے چنانچہ تفہیمات الٰہیہ مین لکھتے ہین،

إِنَّمَا الْمُعْجِزَاتُ وَالْكَرَامَاتُ أُمُوْرٌ أَسْبَابِيَّةٌ غَلَبَ عَلَيْهَا التَّشَبُّعُ فَبَايَنَتْ سَائِرَ الْأَسْبَابِيَّاتِ	یعنی معجزات اور کرامات امور اسبابی ہین لیکن انپر کمال غالب ہوگیا ہے اور اسوجہ سے اور اسبابی امور سے ممتاز ہین

غرض کلی طور پر اس مسئلہ مین اشاعرہ کے سوا باقی تمام اسلامی فرقے متفق ہین کہ کوئی چیز اصول قدرت کے خلاف وجود مین نہین آسکتی اس لیے جب کوئی فرقہ یا کوئی شخص (اشاعرہ کے سوا) کسی خرق عادت کا قائل ہو تو اس کی مراد صرف یہ ہوگی کہ وہ واقعہ

عام عادت جاریہ کے خلاف وقوع مین آیا ہے، نہ یہ کہ درحقیقت خلاف اصول قدرت ہے،

اختلاف جو کچھ پیدا ہوتا ہے وہ خرق عادات کے ثبوت کے متعلق پیدا ہوتا ہے،

واقعات کے یقین کرنے کے اصول کے متعلق، لوگون مین نہایت اختلاف ہے، محققین کے نزدیک واقعات پر یقین کرنے کے متعلق یہ اصول ہین،

واقعات پر یقین کرنیکے کیا اصول ہین

(۱) جو واقعہ جسقدر زیادہ معمول عام کے موافق ہوگا، اسی قدر اُس کے وقوع کا یقین زیادہ ہوگا اور جو واقعہ جسقدر خلاف عادت اور خلاف معمول ہوگا اسی قدر اسپر یقین کرنے کے لیے زیادہ کدوکاوش کی ضرورت ہوگی۔ فرض کرو کہ ایک شخص نہایت سچا ہے اور اُسنے یہ روایت کی کہ فلان شہر مین پانی برسا تو فوراً یقین آجائیگا لیکن وہی شخص اگر پانی کے بجائے خون کا برسنا بیان کرے تو یقین کیحالت بدل جائیگی اور واقعہ کے ثبوت کے لیے زیادہ قوی شہادت درکار ہوگی، غرض واقعہ کی حیثیت سے شہادت کی حیثیت بدلتی جاتی ہے،

(۲) کسی واقعہ کا صرف ممکن ہونا واقعہ پر یقین کرنے کے لیے کافی نہین۔

(۳) جو واقعات پیش آتے رہتے ہین اُنکے خلاف کا ممکن ہونا، اس بات کی وجہ نہین ہوتا کہ ہم کو اُن واقعات کے یقین مین شبہہ پیدا ہوجاے،

(۴) جس واقعہ کی نسبت اثبات ونفی کا کوئی پہلو یقینی نہین ہوتا اُسکی نسبت بھی ہم خالی الذہن نہین رہتے بلکہ دونون مین سے جو زیادہ قریب الیقین ہوتا ہے ہم اُسپر اعتبار کرتے ہین،

عام لوگ، ان اصولون کو لحاظ نہیں رکھتے، اور یہی اختلاف کا سبب ہوتا ہے مثلاً ایک شخص نے بیان کیا کہ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ فلان صوفی آگ مین گھس گئے اور آگ نے اُنپر کچھ اثر نہین کیا۔ اس عام لوگ فوراً اعتبار کرلین گے کیونکہ اُنکے نزدیک یہ واقعہ ممکن ہے، اور تاریخ مین مذکور ہے، لیکن ایک محقق شخص اسبات پر غور کریگا کہ یہ واقعہ جسقدر ممکن ہے اس سے زیادہ یہ ممکن ہے کہ ابن خلکان نے غلطی کی ہو یا راوی اوّل نے دھوکا کھایا ہو، یا بیچ کے رُوات سے غلطی ہوئی ہو، یا قصداً ان مین سے کسی نے جھوٹ کہا ہو، غرض جس درجہ کا یہ واقعہ مستبعد اور نادر الوقوع ہے، اُسی نسبت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادتین بھاری اور مضبوط ہونگی تو واقعہ کا یقین ہوسکیگا۔ اور یہ قرار دیا جائیگا کہ کچھ ایسے اسباب ہوگئے ہونگے جنکی وجہ سے اُنکے بدن پر آگ کا اثر نہوا ہوگا،

اشاعرہ کی یہ تشریح مجھے نہایت تعجب انگیز معلوم ہوتی ہے کہ وہ جب کسی خرق عادت کے ثبوت پر آتے ہین تو صرف یہ ثابت کرتے ہین کہ وہ واقعہ ممکن ہے اور امکان کی حد یہانتک بڑھا دیتے ہین کہ ہر قسم کے مستبعدات گو وہ ازل سے آجتک کبھی وقوع مین نہ آئے ہون اس مین شامل ہوجاتے ہین، لیکن دوسری طرف یہ خیال نہین کرتے کہ جس قسم کا امکان وہ ثابت کرتے ہین اُس سے کہین زیادہ راویوں کا غلطی کرنا ممکن ہے، اس لیے صرف امکان پر مدار ہوگا تو ایک شخص وہ پہلو کیون نہ اختیار کریگا جو ممکن ہی نہین بلکہ قریب الوقوع ہے،

بہرحال خرق عادت کے امکان سے کسی کو انکار نہین، جو کچھ بحث ہے وہ

واقعات مین ہے، جو خرق عادت جس درجہ مستبعد [illegible]بت سے اگر اُسکے ثبوت کی شہادت قوی ہوگی تو اُس سے انکار کرنے کی کوئی [illegible]

دوسری بحث۔ دنیا مین ہمیشہ یہ خیال رہا ہے اور [illegible] من حیث الاغلب تمام آدمیون مین پایا جاتا ہے کہ انبیاء اور اولیا مین ضروبا[illegible] فوق العادت ہوتا ہے، اس خیال کا زور یہان تک پہنچا کہ انبیا مین شان ایزد[illegible] ، ہندوؤن نے رام اور کرشن اور عیسائیون نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا پیکر جسمانی مانا [illegible] اور عقل کی ترقی نے اس رتبہ کو گھٹا کر کم کیا تو خرق عادت کے درجہ پر آکر [illegible] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے اور اپنی نبوت کا اظہار کیا تو جو لوگ اُسکو لازمۂ نبوت سمجھتے تھے اُنھون نے نہایت تعجب سے کہا،

خرق عادت نبوت کا لازمہ ہے یا نہین؟

لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (یونس)
اُسپر کے اُس کی معجزہ کیون نہین اترا؟

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ (رعد)
کافر کہتے ہین کہ اُنپر کوئی معجزہ کیون [illegible]

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ مِنْ رَبِّهِ (الانبیاء)
[illegible] وہ اپنے خدا کے پاس سے کیون نہین لاتے

بعضون نے کہا معجزہ نہ سہی لیکن کچھ نہ کچھ امتیاز تو [illegible] ہے،

وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِنْ نَخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَالَهَا تَفْجِيرًا (بنی اسرائیل)
[illegible] لائین گے جبتک تو ہمارے لیے [illegible] ل دے یا خود تیرے پاس کھجور [illegible] کا [illegible] درمیان تو نہرین چلائے،

اسلام جو اس لیے آیا تھا کہ مذہبی اصول کے متعلق آج تک جو غلط خوش اعتقادیان چلی آتی تھین اور جو مسامحۃً اپنے حال پر رہنے دی گئی تھین اُن کو قطعًا رفع کر دیا جائے، جو اس لیے آیا تھا کہ قیامت تک ہر قسم کی ترقی اور اصلاح سے مذہب کو مستغنی کر دے، اِسکا یہ کام تھا کہ جس طرح اُسنے توحید کو مکمل کیا تہا، نبوت کی اصلی حقیقت بھی کھول کر دکھاوے، اسلیے سب سے پہلے اُسنے نہایت صفائی، نہایت آزادی، نہایت وضاحت سے اس بات کو ظاہر کیا کہ جو چیزین بشریت سے بالاتر ہین وہ پیغمبرین نہین ہوتین،

قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّیْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ (انعام)

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (اعراف)

اے پیغمبر! ان لوگون سے کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہین، اور نہ مین غیب جانتا ہون اور نہ مین کہتا کہ مین فرشتہ ہون مین تو اس حکم پہ چلتا ہون جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے، اے پیغمبر ان لوگون سے کہدو کہ میرا ذاتی نفع و نقصان بھی میرے اختیار مین نہین، ہان جو کچھ خدا چاہتا ہے وہ ہوتا ہی، اور اگر مین غیب کی بات جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھکو گزند نہ پہنچا، مین تو خوشخبری دینے والا اور خوف دلانیوالا ہون اُنلوگون کے لیے جو ایمان لاتے ہین

یہ مسئلہ اگرچہ نہایت دقیق نازک اور معتقدات عوام کے بالکل خلاف تھا، لیکن شارع نے اس اہتمام سے اسکی تلقین کی کہ قرن اولی تک اُسکے متعلق کسی شخص کو غلط فہمی نہین ہوئی،

اسکے بعد اُس عالمگیر اور ازلی غلطی کو رفع کیا کہ نبوت اور معجزہ مین تلازم ہے۔

منکرین جو معجزات طلب کرتے تھے، اور نبوت کو معجزہ پر موقوف سمجھتے تھے اُنکے

جواب مختلف طریقے سے دیے لیکن ہر جگہ اس حقیقت کو ظاہر کیا کہ نبوت، معجزہ پر موقوف نہیں،

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ ۖ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد)

اور کفار کہتے ہین کہ انپر کوئی نشانی (معجزہ) خدا کے ہان سے کیون نہین اتری، اے محمد! تو صرف ڈرانے والا ہی اور ہر قوم کیلیے ایک ڈرانے والا ہوتا ہے۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ ۗ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ (رعد)

اور کافر کہتے ہین کہ انپر کوئی نشانی خدا کے ہان سے کیون نہین اتری اے محمد! کہدو کہ خدا جسکو چاہتا ہو گمراہ کرتا ہو اور جسکو چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے،

وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَاتٌ مِّن رَّبِّهِ ۖ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ وَإِنَّمَا أَنَا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ۝ (عنکبوت)

اور کافر کہتے ہین کہ انپر خدا کے ہان سے معجزے کیون نہین آئے۔ کہدو معجزے تو خدا کے پاس ہوتے ہین اور مین تو صرف ڈرانے والا ہون۔

سورۂ بنی اسرائیل مین بیان کیا کہ منکرین کہتے ہین کہ ہم تو تم پر جب ایمان لائین جب تم زمین سے کوئی چشمہ نکال دو۔ یا کھجور یا انگور کا باغ تیار کر دو۔ یا آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دو۔ یا خدا اور فرشتون کو سامنے لاکر کھڑا کر دو۔ یا سونے کا مکان طیار کر دو۔ یا آسمان پر چڑھ جاؤ۔ پھر ان سب کے جواب مین خدا نے کہا،

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا

کہدو کہ سبحان اللہ مین تو صرف آدمی ہون اور پیغمبر ہون

اصل نکتہ جو اس موقع پر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ کفار جن باتون کو طلب کرتے تھے وہ ناممکن اور محال نہ تھین تاہم خدا نے اُن کے اظہار سے اعراض کیا جس سے صرف یہ ظاہر

کرنا مقصود تھا کہ گویہ باتین خدا کے اختیار مین ہین لیکن نبوت کے ثبوت مین اُن کو پیش کرنا، اسی قدیم غلطی مین لوگون کو مبتلا رکھنا ہے۔ ورنہ خرق عادات کے پیش کرنے سے انکار اس بنا پر نہ تھا کہ خدا ان پر قادر نہین، ایک آیت مین خدا خود فرماتا ہے،

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ	اور کفار کہتے ہین کہ محمد پر خدا کے ہان سے کوئی معجزہ کیون
قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً	نہ اُترا۔ کہدے کہ خدا اس پر قادر ہے کہ معجزہ نازل کرے
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (انعام)	لیکن یہ لوگ جاہل ہین،

امام رازی سورۂ عنکبوت آیت وَقَالُوا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ، کی تفسیر مین لکھتے ہین،

وَلَيْسَ مِنْ شَرَائِطِ الرِّسَالَةِ الْاٰيَةُ الْمُعْجِزَةُ	پیغمبر کے لیے معجزہ شرط نہین ہے،

پھر تھوڑی دور کے بعد لکھتے ہین،

وَلِهٰذَا عُلِمَ وُجُوْدُ رُسُلٍ كَشِيْثَ وَ	اسی وجہ سے ایسے انبیا بھی گذرے ہین مثلاً حضرت شیث
اِدْرِيْسَ وَشُعَيْبَ وَلَمْ نَعْلَمْ لَهُمْ مُعْجِزَةً	وادریس وشعیب جنکے پاس کسی معجزہ کا ہونا معلوم نہین،

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ مین لکھتے ہین،

فَلَيْسَتِ الْمُعْجِزَاتُ وَلَا اسْتِجَابَةُ الدَّعَوَاتِ	معجزات اور اجابت دعا اور اس قسم کی اور باتین
وَنَحْوُ ذٰلِكَ اِلَّا اُمُوْرًا خَارِجَةً	اصل نبوت سے خارج ہین لیکن اکثر حالات مین نبوت کے
عَنْ اَصْلِ النُّبُوَّةِ لَازِمَةً لَهَا فِي الْاَكْثَرِ	ساتھ لازم ہین،

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین نبوت کا ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے اسمین

نبوت کی حقیقت لکھکر لکھتے ہین کہ نبوت کا یقین آنحضرتؐ کی ہدایات اور ارشادات سے ہوتا ہے، اُسکے بعد لکھتے ہین،

فَمِنْ ذٰلِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ

تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ، نہ اس سے کہ لاٹھی سانپ بن گئی اور چاند پھٹ گیا۔

تیسری بحث۔ معجزہ کا دلیل نبوت ہونا صرف اشاعرہ ظاہرین کا مذہب ہے اور وہ بھی یہ دعویٰ نہین کرتے کہ معجزہ، نبوت کی عقلی دلیل ہے بلکہ ان کا یہ مذہب ہے کہ معجزہ کے صادر ہونے کے وقت لوگون کو عادۃً یقین ہوجاتا ہے، نہ عقلاً،

شرح مواقف مین ہے،

وَهٰذِهٖ الدَّلَالَةُ لَيْسَتْ دَلَالَةً عَقْلِيَّةً مَحْضَةً بَلْ وَهِيَ دَلَالَةٌ عَادِيَّةٌ كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ بِقَوْلِهٖ وَهِيَ عِنْدَنَا اَيْ الْاَشَاعِرَةِ اِجْرَاءُ اللّٰهِ عَادَتَهٗ بِخَلْقِ الْعِلْمِ بِالصِّدْقِ عَقِيْبَهٗ

اور یہ دلالت محض عقلی نہین ہے۔ بلکہ وہ دلالت عادیہ ہے جیسا کہ صاحب مواقف نے اپنے ان لفظون مین اشارہ کیا ہے کہ "یہ دلالت ہمارے نزدیک (اشاعرہ) اس بنا پر ہے کہ خدا کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہے، تو صاحب معجزہ کی سچائی کا علم خدا لوگون کو دونین پیدا کردیتا ہے"

یہ دعویٰ بھی کلی طور پر نہین کیا جا سکتا، ورنہ بداہت کی تکذیب لازم آئے گی علانیہ ثابت ہے کہ انبیا کے معجزات کے ظہور کے وقت ہزارون آدمی ایمان نہین لاتے تھے، بلکہ نہ ایمان لانے والون کی تعداد ہمیشہ ایمان لانے والون سے زیادہ ہوتی تھی اسی بنا پر ائمہ فن اور محققین نے تصریح کی ہے کہ معجزہ نبوت کے یقین کے لیے کافی نہین۔

امام غزالی منقذ من الضلال بحث نبوت مین لکھتے ہین،

فَمِنْ ذٰلِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ اَوْمِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ	تو اس طریقہ سے نبوت کا یقین طلب کرو نہ اس بات سے کہ لاٹھی اژدہا بن گئی یا چاند پھٹ گیا،

راغب[1] اصفہانی لکھتے ہین،

وَذٰلِكَ يَطْلُبُهٗ اَحَدُ رَجُلَيْنِ اَمَّا نَاقِصٌ عَنِ الْفَرْقِ بَيْنَ الْكَلَامِ الْاِلٰهِيْ وَبَيْنَ كَلَامِ الْبَشَرِ وَاَمَّا نَاقِصٌ وَهُوَ مَعَ نَقْصِهٖ مُعَانِدٌ	اور معجزہ دو قسم کے آدمی طلب کرتے ہین۔ یا وہ جو کلام الٰہی اور کلام انسانی مین تمیز نہین کر سکتا، یا وہ جو اسکے ساتھ ہٹ دہرم بھی ہے،

نبوت کی حقیقت

(مسئلہ چہارم)

نبوت کی حقیقت اور اُسکے اصول اور شرائط، اشاعرہ نے جو کچھ بیان کیے وہ اوپر گذر چکے، امام غزالی اور رازی وغیرہ نے ان مسائل کی تشریح عام تصنیفات مین اشاعرہ ہی کے مذاق کے موافق کی لیکن مخصوص تصنیفات مین اپنی خاص تحقیقات بیان کین، اور یہ بھی تصریح کر دی کہ اشاعرہ کا طریقہ ناکافی اور پر از مشکلات ہے۔ امام رازی مطالب عالیہ مین لکھتے ہین،

اِعْلَمْ اَنَّ الْقَائِلَ بِالنُّبُوَّةِ فَرِيْقَانِ اَحَدُهُمَا الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ اَنَّ ظُهُوْرَ الْمُعْجِزَاتِ عَلٰى يَدِهٖ يَدُلُّ عَلٰى صِدْقِهٖ وَهٰذَا الْقَوْلُ هُوَ الطَّرِيْقُ الْاَوَّلُ	نبوت کے قائل دو فریق ہین، ایک فریق کہتا ہے کہ معجزات کا ظاہر ہونا نبی کے سچے ہونیکی دلیل ہے اور یہ مذہب قدیم طریقہ ہے، اور دنیا کے

[1] کتاب الذریعہ صفحہ ۷

عامّةُ اربابِ المِلَلِ والنِّحَلِ
والقولُ الثاني ان نقولَ انّا نعرفُ اوّلاً انّ
الحقَّ والصدقَ في الاعتقاداتِ ما هو
وانّ الصوابَ في الاعمالِ ما هو فاذا عرفنا
ذلك ثمّ رأينا انسانًا يدعو الخلقَ الى
الدينِ الحقِّ ورأينا انّ لقولهِ اثرًا قويًّا
في صرفِ الخلقِ منَ الباطلِ الى الحقِّ
عرفنا انّه نبيٌّ صادقٌ واجبُ الاتّباعِ وهذا
الطريقُ اقربُ الى العقلِ والشبهاتُ فيهِ اقلُّ

عام اہل مذاہب اسکے قائل ہین
دوسرا طریقہ یہ ہی کہ پہلے یہ طی کیا جائے کہ صحیح عقائد
اور اعمال خیر کیا ہین اس امر کے محقق ہوجانیکے بعد
جب یہ دیکھا جائے کہ ایک شخص لوگونکو دین حق کی
دعوت دیتا ہی اور یہ بھی نظر آئے کہ اسکی بات لوگونکو
باطل سے حق کیطرف لانے مین نہایت قوی اثر رکھتی
ہے تو ہم کو یقین ہوجائیگا کہ وہ سچا پیغمبر ہی اور واجب
الاتباع ہے۔ اور یہ طریقہ عقل سے زیادہ قریب ہے اور
اسپر بہت کم شبہے وارد ہوتے ہین

نبوت کی ایک دوسری تشریح

امام رازی اس دوسرے طریقہ کو زیادہ پسند کرتے ہین

اسکے بعد امام صاحب نے اس دوسرے طریقہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے
پھر ایک عنوان باندھا ہی جسمین یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید سے بھی یہی طریقہ افضل
ثابت ہوتا ہے چنانچہ لکھتے ہین

اس طریقہ کا ثبوت قرآن مجید سے

الفصلُ الثاني في بيانِ انّ القرآنَ العظيمَ
يدلُّ على انّ هذا الطريقَ هو الطريقُ
الاكملُ الافضلُ في اثباتِ النبوّةِ

دوسری فصل اس بات کے ثابت کرنے مین کہ قرآن
مجید سے یہی ثابت ہوتا ہی کہ نبوت کے ثابت کرنے مین
یہی طریقہ زیادہ کامل اور افضل ہے

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین

الفصلُ الخامسُ في بيانِ انّ

پانچوین فصل اس بات کے بیان مین کہ نبوت کا اس طریقے

اِثْبَاتَ النُّبُوَّةِ بِهٰذَا الطَّرِيْقِ اَقْوٰی وَ اَكْمَلُ مِنْ اِثْبَاتِهَا بِالْمُعْجِزَاتِ۔	ثابت کرنا زیادہ قوی اور کامل ہی بہ نسبت اسکے کہ وہ معجزہ سے ثابت کی جائے۔

تفسیر کبیر مین اس آیت کی تفسیر مین يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ (سورۂ یونس) نہایت اختصار کے ساتھ اس دوسرے طریقہ کو بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنے کا یہ طریقہ اشرف و اعلیٰ و اکمل و افضل ہی۔

امام رازی کے سوا، امام غزالی، ابن حزم، ابن رشد، شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی نبوت کی حقیقت و ماہیت کی توضیح و تشریح نہایت خوبی سے کی ہی، ہم ان سب کی تقریرونکو نقل کرتے ہین، جن سے نبوت کی پوری تصویر ذہن مین آجائے گی اور یہ ظاہر ہو گا کہ متداول کتب کلامیہ مین جو کچھ لکھا ہی صرف اشاعرۂ ظاہرین کا قول ہے، امام رازی نے مطالب عالیہ مین نبوت کی حقیقت، نہایت تفصیل سے بیان کی ہی ہم نے مطالب عالیہ کا یہ حصّہ بعینہٖ کتاب کے ضمیمہ مین شامل کر دیا ہے اس موقع پر ہم صرف خلاصہ لکھتے ہین۔

امام رازی کے نزدیک نبوت کی حقیقت

امام صاحب نے نبوت کی حقیقت بتانے سے پہلے چند مقدمات قائم کیے ہین۔ وہ یہ ہین۔

(۱) انسان کا اصلی کمال حقائق اشیا، اور خیر و شر کا ادراک ہی، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کو دو قسم کی قوتین دی گئی ہین نظری۔ عملی۔ نظری کا یہ کام ہی کہ اشیا کے حقائق پر غور کرے، اور اس بات کا فیصلہ کرے، اس قوت کا کمال یہ ہے، کہ حقائق اشیاء کا صحیح علم ہو یعنی جو شے ذہن مین آئے ٹھیک اس صورت مین آئے جو اُسکی اصلی اور حقیقی صورت ہی، عملی کے یہ معنی کہ کون سے افعال عمل کرنے کے قابل ہین؟ اور کون سے نہین اس کا

کمال یہ ہے کہ انسان مین ایسا ملکہ پیدا ہو جس سے خود بخود اچھے افعال سرزد ہون۔

(۲) ان دونون قوتون کے لحاظ سے افراد انسانی کی تین قسمین ہین،

(۱) وہ لوگ جو ان اوصاف مین ناقص ہین،

(۲) خود کامل ہین لیکن ناقصون کی تکمیل نہین کرسکتے،

(۳) خود کامل ہین اور ناقصون کو کامل بنا سکتے ہین،

(۳) نقصان و کمال کے درجے نہایت متفاوت ہین، نقصان کا درجہ اس حد تک پہنچتا ہے کہ انسان اور جانور مین صرف صورت کا فرق رہ جاتا ہے، اسی طرح کمال کا درجہ بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچتا ہے کہ انسان فرشتہ بنجاتا ہے۔ ان دونون درجون کے بیچ مین ہزارون درجے ہین یہانتک کہ اگر ہزارون لاکھون افراد انسانی کے حالات کا موازنہ کیا جائے تو ثابت ہوگا کہ ہر شخص، دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ ان اوصاف مین متفاوت ہے،

چونکہ نقصان و کمال دونون کی انتہائی حدین ہین اس لیے ضرور ہے کہ ہر زمانہ مین کوئی نہ کوئی شخص ایسا پایا جائے جو انتہائے کمال کے درجہ تک پہونچا ہوا ہو اب جس شخص مین یہ دونون قوتین کامل درجہ پر پائی جائین، اور دوسرون کو بھی کمال کے درجہ تک پہونچا سکتا ہو وہی نبی اور پیغمبر ہے[1]۔

[1] یہ مطالب عالیہ کی تقریر کا خلاصہ ہے امام صاحب نے تفسیر کبیر آیت قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ الخ ابراہیم کی تفسیر مین اسی تقریر کو زیادہ اختصار کے ساتھ لکھا ہے اور تصریح کی ہے کہ وہ امام غزالی سے ماخوذ ہے۔ اس تقریر کی امام صاحب نے نہایت تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ فَهٰذِهٖ اَسْرَارٌ عَالِيَةٌ مَخْزُوْنَةٌ فِي اَلْفَاظِ الْقُرْاٰنِ ۱۲۔

امام صاحب یہ ثابت کرکے کہ نبوت صرف قوت نظری وعملی کے کمال کا نام ہے اور معجزہ وغیرہ کو اس مین کچھ دخل نہین، لکھتے ہین،

وَمِنْ جُمْلَةِ الْاٰیَاتِ الدَّالَّةِ عَلٰی صِحَّةِ مَاذَکَرْنَاہُ اَنَّہٗ تَعَالٰی لَمَّا حَکٰی عَنِ الْکُفَّارِ اَنَّھُمْ طَلَبُوْا مِنْہُ الْمُعْجِزَاتِ الْقَاھِرَۃَ فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَقَالُوْا لَنْ نُؤْمِنَ لَکَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْبُوْعًا ثُمَّ اَنَّہٗ تَعَالٰی قَالَ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا یَعْنِیْ کَوْنَ الشَّخْصِ اِنْسَانًا مَوْصُوْفًا بِالرِّسَالَۃِ مَعْنَاہُ کَوْنُہٗ کَامِلًا فِیْ قُوَّتِہِ النَّظَرِیَّۃِ وَالْعَمَلِیَّۃِ وَقَادِرًا عَلٰی مُعَالَجَۃِ النَّاقِصِیْنَ فِیْ ھَاتَیْنِ الْقُوَّتَیْنِ وَلَیْسَ یَلْزَمُ مِنْ حُصُوْلِ ھٰذِہِ الصِّفَۃِ کَوْنُہٗ قَادِرًا عَلَی الْاَحْوَالِ الَّتِیْ طَلَبْتُمُوْھَا مِنْہُ،

اور منجملہ ان باتون کے جنسے ہمارے دعوی مذکور کی صحت ثابت ہوتی ہے یہ ہے کہ خدا نے کافرون کا یہ قول نقل کیا کہ "اے محمد ہم تیرا ایمان نہ لائین گے جب تک کہ تم زمین سے ہمارے لیے چشمہ نہ نکال دو وغیرہ وغیرہ" تو اسکے جواب مین خدا نے کہا کہ "اے محمد کہدو کہ سبحان اللہ مین تو صرف آدمی اور پیغمبر ہون" یعنی کسی آدمی کا پیغمبر ہونا صرف اسپر موقوف ہے کہ وہ قوت نظری وعملی مین کامل ہوا ور ناقصونکو کامل کرسکتا ہو۔ اس سے یہ نہین لازم آتا کہ وہ ان باتونپر بھی قادر ہو جو تم طلب کرتے ہو، (یعنی معجزات)

شاہ ولی اللہ صاحب کے نزدیک نبوت کی حقیقت

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین نبوت کی حقیقت زیادہ نکتہ سنجی اور حقیقت شناسی کیساتھ لکھی ہے، چنانچہ ہم انکے مضمون کو اپنے الفاظ اور اپنے پیرایہ مین ادا کرتے ہین لیکن ہمنے اپنی طرفسے کوئی بات اضافہ نہین کی ہے

"اس امر کے سمجھنے کے لیے کہ انسان کا مکلف ہونا، اور شرایع وادیان کا قائم ہونا سب فطری امور ہین، سلسلۂ کائنات پر غور کرنا چاہیے"

سب سے پہلے نباتات پر غور کرو، درختون کو دیکھو، اُن کے ہزارون لاکھون اقسام ہین

لیکن ہر ایک کی شاخین پتے پھول پھل، پھلون کی بوباس، رنگ ذائقہ سب مختلف ہے، یہ اختلافات، انکی صورت نوعیّہ کے نتائج ہین یعنے ہر درخت کے جتنے خصوصیات ہین خود اس کی صورت نوعیہ نے پیدا کی ہین - اس بنا پر مثلاً یہ سوال کرنا کہ انگور شیرین، لطیف باریک پوست، کیون پیدا کیا گیا ایک لغو سوال ہے کیونکہ یہ سوال کرنا گویا یہ کہنا ہے کہ انگور انگور کیون ہوا، انگور کی فطرت خود اسکی مقتضی ہے کہ وہ شیرین ہو لطیف ہو باریک پوست ہو

اب حیوانات کو لو، نباتات کی طرح ان مین سے ہر ایک کی شکل۔ صورت۔ رنگ جدا ہے لیکن انہین نباتات سے بڑھکر کچھ اور چیزین بھی ہین یعنی اختیاری حرکات اور فطرتی الہامات ہر جانور کو خاص خاص الہامی علوم عنایت ہوئے ہین جن کی وجہ سے وہ اپنے بنی نوع سے ممتاز ہے اور جو اسکی تمام ضروریات وخصوصیات زندگی کے کفیل ہین، اُن کی تربیت وپرورش کے لیے اُن کی فطرت کے لحاظ سے الگ الگ سامان مہیا ہین نباتات چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ نہین ہین اسلیے ان مین رگ وریشے پیدا کیے گئے ہین جو پانی، ہوا اور مٹی کے لطیف اجزا اکو چوستے ہین اور تمام شاخ وبرگ مین تقسیم کرتے ہین حیوان چونکہ حساس اور متحرک بالارادہ پیدا کیا گیا تھا اس لیے اُسکو اس قسم کا فطری ادراک دیا گیا جس سے وہ خود چل پھر کر اپنی تمام ضروریات زندگی مہیا کر سکتا ہے، پھر ہر ایک کے کھانے پینے، رہنے سہنے کے طریقے مختلف ہین؛ چارپاے گھانس چرتے ہین، درندہ گوشت کھاتا ہے - پرند اُڑتے ہین مچھلی تیرتی ہے، یہ تمام اختلافات بھی اُن کے مختلف صور نوعیہ کے نتائج ہین، اور یہی صورت نوعیہ ہر ایک کو اُس قسم کے خاص ادراکات - خاص علوم، خاص الہامات،

عطا کرتی ہے۔ جو اُس کی ضروریات کے مناسب ہین، لیکن حیوانات کے جس قدر علوم اور ادراکات ہین سب فطری اور الہامی ہین، یعنے انکو کسب اور اکتساب سے واسطہ نہین بلکہ وہ علوم اور ادراکات اُن کے ساتھ ساتھ پیدا ہوتے ہین، اور یہ سب سے بڑی خصوصیت ہی جو حیوان کو انسان سے جدا کرتی ہے، انسان کو طبعی اور فطری ادراکات اور علوم کے علاوہ (جنمین وہ اور دیگر تمام حیوانات برابر کے شریک ہین) ایک دوسری قسم کا ادراک بھی دیا گیا ہے جس کو اکتسابی اور نظری کہتے ہین اور جو تجربہ۔ غور و فکر اور ترتیب مقدمات سی حاصل ہوتا ہے، یہی اکتسابی ادراک یا الہام ہے جس کے ذریعہ سے انسان تجارت، صنعت، حرفت اور ہر قسم کے علوم و فنون حاصل کرتا ہے، یہی قوت ہے جو مختلف پیرایون مین ظاہر ہوکر کسیکو بادشاہ کسی کو سپہ سالار کسی کو حکیم۔ کسی کو صنعت گر بناتی ہے،

لیکن یہ تمام علوم و ادراکات وہ ہین جو انسان کے جسمانی حالات سے تعلق رکھتے ہین۔ انکے سوا انسان کو ایک اور قسم کا ادراک دیا گیا ہے جو اسکی روحانیت کا خاصہ ہے، اور جس کو قوت ملکیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی قوت کا اثر ہے کہ انسان اپنے گرد و پیش کی مخلوقات کو دیکھکر یہ غور کرتا ہی کہ یہ تمام کارخانہ کیون کر قائم ہوگیا، خود مجکو کسنی پیدا کیا؟ کون مجکو روزی دیتا ہی؟ ان سوالات کے جواب مین وہ ایک قوت اعظم کا قائل ہوتا ہی، اور پھر اسکی سامنے سر عجز خم کرتا ہی اور خضوع و خشوع کے تمام آداب بجا لاتا ہے، اگرچہ تمام مخلوقات شجر و حجر چاند، سورج۔ ستارے۔ زمین۔ آسمان، سب اُس مدبر اعظم کے معترف ہین اور اُسکے آگے سر بہ نیاز ہین جیسا کہ قرآن مجید مین ہے،

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ	کیا تم یہ نہین دیکھتے کہ آسمان اور زمین مین جو چیزین ہین اور آفتاب ماہتاب و درخت و چارپا سب خدا کے آگے سجدہ کرتی ہیں

لیکن فرق یہ ہے کہ اور مخلوقات کا اعتراف اور خضوع زبان حال سے ہے اور انسان کو حال کے ساتھ زبان قال بھی عطا کی گئی ہے۔ حاسۂ انفعال بھی اسی روحانی قوت کا اثر ہے یعنی جب انسان کوئی اچھا یا بُرا کام کرتا ہے تو اس کا اثر اُس کے دل پر قائم رہ جاتا ہے، اگر وہ اچھا کام تھا تو اُس کے دل مین انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اگر بُرا تھا تو انقباض ہوتا ہے (جانورون مین یہ حاسہ بالکل نہین ہے)

غرض اس روحانی ادراک کے اقتضا سے سلسلہ بسلسلہ بہت سے اصول، قواعد عقائد، اعمال قائم ہوجاتے ہین لیکن چونکہ یہ قوت تمام افراد مین یکسان نہین ہوتی، اور چونکہ انسان کا کمال روحانی اسپر موقوف ہے کہ روحانی حیثیت سے نیکی بدی، اور بُرائی، بھلائی کا ایک مکمل قانون طیار ہوجائے، اس لیے خدا مدتون مین ایک شخص پیدا کرتا ہی جو وحی الٰہی کے القا کے قابل ہوتا ہے، یہ شخص خدا کا خاص منظور نظر ہوتا ہے، اسی سے تعلیم پاتا ہے اسی کے دامن تربیت مین پلتا ہے، اُس کو شریعت عطا ہوتی ہے اور تمام لوگون کو حکم ہوتا ہے کہ اُسکے امر و نہی کو بجا لائین لیکن یہ جو کچھ ہوتا ہے سب انسان کی فطرت اور صورت نوعیہ کا اقتضا ہے،

فَاِنْ قِیْلَ مِنْ اَیْنَ وَجَبَ عَلَی الْاِنْسَانِ اَنْ یُّصَلِّیَ وَمِنْ اَیْنَ وَجَبَ عَلَیْہِ اَنْ یَّنْقَادَ لِلرَّسُوْلِ وَمِنْ اَیْنَ حُرِّمَ عَلَیْہِ الزِّنَاءُ وَالسَّرَقَۃُ فَالْجَوَابُ وَجَبَ عَلَیْہِ	اگر کوئی کہے کہ انسان پر نماز پڑھنا اور پیغمبر کی طاعت کرنا اور زنا و سرقہ سے بچنا کیون واجب ہوا، تو جواب یہ ہے کہ اسی طرح جس طرح چرندون پر یہ واجب ہے

هٰذَا وَحُرِّمَ عَلَيْهِ ذَالِكَ مِنْ حَيْثُ وَجَبَ عَلَى الْبَهَائِمِ	کہ گھانس چرین اور گوشت نہ کھائین اور جس طرح شہد کی
اَنْ تَرْعَى الْحَشِيْشَ وَحُرِّمَ عَلَيْهَا اَكْلُ اللَّحْمِ،	کھیونپر واجب ہے کہ کھیون کا جو سردار ہے اُسکی طاعت
وَمِنْ حَيْثُ وَجَبَ عَلَى النَّحْلِ اَنْ تَتَّبِعَ الْيَعْسُوْبَ	کرین فرق یہ ہے کہ حیوانات کو یہ علوم محض الہام سے
اِلَّا اَنَّ الْحَيْوَانَ اسْتَوْجَبَ تَلَقِّيْ عُلُوْمِهَا اِلْهَامًا	حاصل ہوتے ہین، اور انسان کو کسب نظر اور وحی و
جِبِلِّيًّا وَاسْتَوْجَبَ الْاِنْسَانُ تَلَقِّيْ عُلُوْمِهٖ كَسْبًا	تقلید سے لیکن دونون کو ان علوم کا حاصل ہونا ضروری
وَنَظَرًا اَوْ وَحْيًا وَتَقْلِيْدًا (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲)	اور وجوبی ہے،

نبوت کے متعلق امام غزالی کی رائے

امام غزالی نے نبوت کی حقیقت، سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ معارج القدس مین بیان کی ہے، چونکہ اس کا بعینہ بیان نقل کرنا موقع اور مقام کے لحاظ سے موزون نہ تھا، ہم نے اس کو کتاب کے ضمیمہ مین شامل کر دیا ہے، اس موقع پر جو کچھ امام صاحب نے کتاب المنقذ اور احیاء العلوم مین لکھا ہے اس کا خلاصہ لکھتے ہین۔ وہ فرماتے ہین کہ

انسان اصل خلقت کے لحاظ سے، جاہل پیدا کیا گیا ہے، پیدا ہونے کے وقت وہ اقسام موجودات مین سے کسی چیز سے واقف نہین ہوتا، سب سے پہلے اُس مین لمس کا احساس پیدا ہوتا ہے جسکے ذریعہ سے وہ ان چیزون کو محسوس کرتا ہے جو چھونے سے تعلق رکھتی ہین، مثلاً حرارت۔ برودت۔ رطوبت یبوست۔ نرمی سختی، اس حاسہ کو مرئیات۔ اور مسموعات سے تعلق نہین۔ جو شے محض سُننے سے معلوم ہو سکتی ہے اس کے حق مین یہ حاسہ بالکل معدوم ہے، لمس کے بعد پھر انسان مین دیکھنے کا حاسہ پیدا ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ رنگ اور مقدار کا ادراک کر سکتا ہے، پھر سُننے کی قوت پیدا ہوتی ہے، پھر چکھنے کی یہانتک کہ محسوسات کی

حد ختم ہوجاتی ہے اور ایک نیا دور شروع ہوتا ہے، اب اُسکو تمیز دیجاتی ہے اور اُن چیزونکا ادراک کرسکتا ہے جو حواس کے دسترس سے باہر ہین یہ دور ساتوین برس سے شروع ہوتا ہے اُس سے آگے بڑھکر عقل کا زمانہ آتا ہے جس سے انسان کو ممکن، محال، جائز، ناجائز، کا ادراک ہوتا ہے اس سے بڑھکر ایک اور درجہ ہے جو عقل کی سرحد سے بھی آگے ہے اور جس طرح تمیز و عقل کی مدرکات کے لیے حواس بالکل بیکار ہین، اسی طرح اس درجہ کے مدرکات کے لیے عقل بیکار ہے اور اسی درجہ کا نام نبوت ہے،

بعض عقلا اس درجہ کے منکر ہین، لیکن یہ اسی قسم کا انکار ہے جس طرح وہ شخص عقلی چیزون کا انکار کرتا ہے جس کو ہنوز عقل کی قوت عطا نہین کی گئی ہے،

منقذ من الضلال مین لکھتے ہین،

بَلِ الْاِیْمَانُ بِالنُّبُوَّۃِ اَنْ یُّقِرَّ بِاِثْبَاتِ طَوْرٍ وَرَاءَ الْعَقْلِ تَنْفَتِحُ فِیْہِ عَیْنٌ یُّدْرِکُ بِھَا مُدْرَکَاتٌ خَاصَّۃٌ وَّالْعَقْلُ مَعْزُوْلٌ عَنْھَا کَعَزْلِ السَّمْعِ عَنْ اِدْرَاکِ الْاَلْوَانِ الخ	نبوت کے تسلیم کرنے کے یہ معنی ہین کہ یہ تسلیم کیا جائے کہ ایک درجہ ہے جو عقل سے بالاتر ہے اور جس مین وہ آنکھ کھل جاتی ہے جس سے وہ چیزین معلوم ہوتی ہین جنسے عقل بالکل محروم ہے جسطرح سامعہ رنگ کے ادراک سے بالکل معذور رہے،

اس بنا پر نبوت کا اصلی اذعان صرف اس شخص کو ہوسکتا ہے جس کو خود نبوت کا رتبہ حاصل ہے، یا ان لوگونکو جو نفوس قدسیہ رکھتے ہین یا جنھون نے ریاضات اور مجاہدات سے

---

[1] منقذ من الضلال صفحہ ۱۳

مکاشفات اور مشاہدات کا درجہ حاصل کیا ہے۔ امام غزالی منقذ من الضلال مین اپنی حالت کا ذکر کرکے لکھتے ہین،

وَبِالْجُمْلَةِ مَنْ لَمْ يُرْزَقْ مِنْهُ شَيْئاً بِالذَّوْقِ فَلَيْسَ يُدْرِكُ مِنْ حَقِيقَةِ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْاِسْمَ،

مختصر یہ کہ جس نے تصوف کا کچھ مزا نہین چکھا ہو وہ نبوت کی حقیقت نہین جان سکتا بجز اسکے کہ نبوت کا نام جانے

اسکے بعد لکھتے ہین

وَمِمَّا بَانَ لِي بِالضَّرُورَةِ مِنْ مُمَارَسَةِ طَرِيقَتِهِمْ حَقِيقَةُ النُّبُوَّةِ وَخَاصِيَّتُهَا۔

صوفیون کے طریقہ کی مشق سے مجکو نبوت کی حقیقت اور اسکی خاصیت بدیہی طور پر معلوم ہوگئی،

نبوت کے ثبوت کا ایک اور طریقہ

امام صاحب نے ایک اور طریقہ سے نبوت کی حقیقت بیان کی ہے، وہ لکھتے ہین کہ یہ عموماً مسلم ہے کہ صفات انسانی تمام آدمیون مین یکسان نہین پیدا کی گیئن، ذہن وذکاوت فہم وفراست عقل وذہانت، مختلف افراد انسانی مین کسقدر مختلف المراتب ہین۔ ایک شخص ذہین ہو دوسرا اس سے ذہین، تیسرا اُس سے بھی زیادہ ذہین۔ بڑھتے بڑھتے یہان تک نوبت پہونچتی ہے کہ ایک شخص سے وہ افعال سرزد ہوتے ہین جو بظاہر قدرت انسانی کے حد سے باہر نظر آتے ہین۔ جو لوگ شاعری مین۔ قوت تقریر مین۔ صناعی مین۔ ایجاد مین تمام زمانہ سے ممتاز گذرے وہ اسی درجہ کی مثالین ہین۔ یہ درجہ فطری ہوتا ہو یعنے پڑھنے اور سیکھنے سے نہین حاصل ہوتا بلکہ ابتدا ہی سے ان لوگون مین یہ قوت مرکوز ہوتی ہو اور اسیوجہ سے دوسرے اشخاص گو کتنی ہی کوشش کرین اُنکے ہم پلہ نہین ہوسکتے انہین قوامے مین حقائق اشیا کے ادراک کی ایک قوت ہے۔ یہ قوت کسی مین کم ہے اور کسی مین زیادہ۔ کسی مین

زیادہ تر ہوتی ہے، اور ترقی کرتے کرتے بعض انسانون مین اس حد تک پہونچتی ہے کہ کسب
وتعلم کے بغیر انکو حقائق اشیا کا ادراک ہوتا ہے، انکو کسی چیز کا بیرونی علم نہین ہوتا لیکن
اس قوت کیوجہ سے خود بخود ان کو اشیاء کا علم ہوتا جاتا ہے اسی قوت کا نام ملکۂ نبوت ہے
اور اسی علم کو الہام اور وحی کہتے ہین،

امام صاحب نے یہ مضمون[1] احیاء العلوم کے شروع مین ایک ضمنی بحث مین
لکھا ہے جسکا عنوان یہ ہے بَیَانُ تَفَاوُتِ النَّاسِ فِی الْعَقْلِ چنانچہ اسکے بعض فقرے یہ ہین،

وَکَیْفَ یُنْکَرُ تَفَاوُتُ الْغَرِیْزَۃِ وَلَوْلَاہُ لَمَا اخْتَلَفَتِ
النَّاسُ فِی فَھْمِ الْعُلُوْمِ وَلَمَا انْقَسَمُوْا اِلٰی
بَلِیْدٍ لَا یَفْھَمُ بِالتَّفْھِیْمِ اِلَّا بَعْدَ تَعَبٍ طَوِیْلٍ مِنَ
الْمُعَلِّمِ وَاِلٰی ذَکِیٍّ یَفْھَمُ بِاَدْنٰی رَمْزٍ وَاِشَارَۃٍ وَ
اِلٰی کَامِلٍ یَنْبَعِثُ مِنْ نَفْسِہٖ حَقَائِقُ الْاُمُوْرِ
دُوْنَ التَّعَلُّمِ کَمَا قَالَ تَعَالٰی یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ
وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ وَذَالِکَ مَثَلُ
الْاَنْبِیَآءِ عَلَیْھِمُ السَّلَامُ اِذْ یَتَّضِحُ لَھُمْ فِی بَوَاطِنِھِمْ
اُمُوْرٌ غَامِضَۃٌ مِنْ غَیْرِ تَعَلُّمٍ وَسَمَاعٍ وَیُعَبَّرُ
ذَالِکَ بِالْاِلْھَامِ وَعَنْ مِثْلِہٖ عَبَّرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ

فطرت کے تفاوت کا کیون کر انکار ہو سکتا ہے، یہ تفاوت نہوتا
تو علوم کے سمجھنے مین اختلاف مراتب کیون ہوتا۔ اور یہ بات کیون
ہوتی کہ بعض آدمی ایسے کودن ہوتے ہین جو اُستاد کے سمجھانے
پر بھی مشکل سے سمجھتے ہین۔ اور بعض ایسے ذہین ہوتے ہین کہ ذرا سے
اشارے مین سمجھ جاتے ہین۔ اور بعض ایسے کامل ہوتے ہین
کہ خود اُنکی طبیعت سے حقائق امور پیدا ہوتے ہین جیسا کہ
خدا نے کہا ہے یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ اور
انبیاء علیہم السلام کا یہی حال ہے اُنکے دل مین دقیق
باتین خود بخود بغیر سکھانے اور سُننے کے روشن اور ظاہر
ہو جاتی ہین اور اسی کو الہام کہتے ہین اور اسی کو آنحضرت صلی اللہ

[1] ہم نے اس مضمون کو اپنے طرز بیان مین ادا کیا ہے۔

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيْثُ قَالَ اَنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِي رُوْعِي الخ | علیہ وسلم نے اسطرح تعبیر کیا ہی کہ روح القدس نے میری روح مین پھونکا

امام صاحب اس تقریر سے نبوت کا امکان ثابت کر کے لکھتے ہین کہ "اب اگر کسی خاص شخص کی نسبت بحث ہو کہ وہ نبی ہے یا نہین تو اوسکے حالات خود اوسکی شہادت دے سکتے ہین۔

امام شافعی کے فقیہ ہونے کا ہم کو کیون یقین ہے؟ اس لیے کہ فقہ مین اونکی نہایت عمدہ تصنیفات موجود ہین۔ اسی طرح جب ہم قرآن مجید کو دیکھتے ہین، اور یہ دیکھتے ہین کہ نبوت کے جو آثار ہین اوس کے ہر ہر لفظ سے نمایان ہین تو صاف یقین ہو جاتا ہی کہ اس کا حامل بجز پیغمبر کے اور کوئی شخص نہین ہو سکتا تھا[1]،،

نبوت کے متعلق محدث ابن حزم کی راے

محدث ابن حزم نے نبوت کی یہ حقیقت بیان کی ہی کہ بغیر تعلم و تعلیم کے علم حاصل ہو جنانچہ لکھتے ہین[2]

فَصَحَّ اَنَّ النُّبُوَّةَ فِي الْاِمْكَانِ وَهِيَ بَعْثَةُ قَوْمٍ قَدْ خَصَّهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْفَضِيْلَةِ لَا لِعِلَّةٍ اِلَّا اَنَّهُ شَاءَ ذٰلِكَ فَعَلَّمَهُمُ اللّٰهُ الْعِلْمَ بِدُوْنِ تَعَلُّمٍ وَلَا تَنَقُّلٍ فِي مَرَاتِبِهِ وَلَا طَلَبٍ لَهُ وَمِنْ هٰذَا الْبَابِ مَا يَرَاهُ اَحَدُنَا فِي الرُّؤْيَا فَيَخْرُجُ صَحِيْحًا،

تو یہ بات ثابت ہوئی کہ نبوت ممکن ہی، اور نبوت کے معنے یہ ہین کہ خدا ایک گروہ کو مبعوث کرتا ہی اور اونکو فضیلت کے ساتھ مخصوص کر دیتا ہی، نہ کسی علت کیوجہ سے بلکہ صرف اپنی مرضی کیوجہ سے خدا انکو علم سکھلاتا ہی بغیر سیکھنے کے اور بغیر درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور بغیر طلب کے اور یہ اسی طرح کی بات ہے، جسطرح ہم لوگ خواب مین کچھ دیکھتے ہین اور وہ صحیح نکل آتا ہی

محدث موصوف نے اس کا امکان اسطرح ثابت کیا ہے کہ دنیا مین جسقدر علم و فن،

---

[1] منقذ من الضلال از صفحہ ۲۴ تا ۲۶ [2] ملل ونحل ابن حزم ۱۷،،

صنعت وحرفت وغیرہ ایجاد ہوئے موجد اوّل کو اُنکا علم آپ سے آپ بغیر تعلیم و تعلم کے ہوا ہوگا ورنہ تسلسل لازم آئے گا اسلیے انبیار کو بھی ایسا علم ہونا ممکن ہے اور اسی کا نام وحی ہی چنانچہ محدث موصوف بہت سے صنائع وفنون کے نام لکھکر لکھتے ہین،

فوجب بالضرورة انه لابد من انسان واحد فاکثر علمهما الله ابتداء کل هذا دون معلم لکن بوحی حققه عنده وهذه صفة النبوة	تو یہ بات ضروری ٹھہری کہ ایک یا ایک سے زیادہ اس قسم کے انسان پائے جائین جنکو خدا نے یہ علوم وصنائع ابتداءً بغیر کسی معلم کے خود اپنی وحی سے سکھلائے اور یہی نبوت کی صفت ہے،

ان تمام تقریرون کا ماحصل اور قدر مشترک یہ ہے کہ خدا نے انسان کو جس طرح اور مختلف قوتین عطا کی ہین جو بعض افراد مین بالکل نہین پائی جاتین، اور بعض مین بتفاوت درجات پائی جاتی ہین۔ اسیطرح ایک روحانی قوت عطا کی ہی جس کا نام قوت قدسیہ یا ملکہ نبوت ہے، یہ قوت تزکیۂ نفس اور پاکیزگی اخلاق سے تعلق رکہتی ہے جس شخص مین یہ قوت موجود ہوتی ہے وہ اخلاق مین کامل ہوتا ہے اور اپنے اثر سے اور انسانون کو کامل بنا سکتا ہی یہ شخص کسی سے تعلیم و تربیت نہین پاتا بلکہ بغیر تعلّم و تعلیم کے اسپر حقائق اشیا منکشف ہوجاتے ہین،

نبوت کی اس حقیقت سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا جب یہ بات بداہۃً نظر آتی ہے کہ ایک شخص کچھ پڑھا لکھا نہین ہوتا (مثلاً ہومر اور امرؤالقیس) اور باوجود اس کے اس درجہ کا فصیح و بلیغ۔ شاعر یا خطیب۔ یا صناع۔ یا موجد ہوتا ہی کہ تمام زمانہ مین اُس کا جواب نہین ہوتا

---

[1] ملل ونحل صفحہ ۲۷ مطبوعہ مصر

تو یہ کیا بعید ہے کہ خدا بعض افراد کو اس قسم کی قوت قدسیہ عطا کرے کہ اُنپر بغیر تعلّم و تعلیم کے اخلاق کے حقائق و اسرار منکشف ہو جائین،

کون اس سے انکار کرسکتا ہو کہ اکثر انبیاء مثلاً حضرت ابراہیم، حضرت عیسیٰ، اور جناب رسالت پناہ نے علوم و فنون کی مطلق تعلیم نہ پائی تھی اور باوجود اسکے صرف ہدایت و تلقین کی تاثیر سے دنیا کی حالت بدل دی، اور فلسفہ اخلاق کے وہ اصول اور مسائل تعلیم کیے کہ فلاطون اور ارسطو کا خیال بھی وہان تک نہ پہونچ سکا تھا،

نبوت کی تصدیق کیونکر ہوتی ہے

نبوت کی تصدیق اور نبی کی باتون کو سچ سمجھنا، خود انسان کی فطرت صحیح کا اقتضا ہے ایک شخص جو حق کا تشنہ ہو جسکا وجدان صحیح ہے، جو سچ اور جھوٹ مین تمیز کرسکتا ہے، جسکے دل مین سچی بات آپ سے آپ اُتر جاتی ہے، وہ جب کسی نبی سے تلقین و ہدایت سُنتا ہے تو بیہودہ کج بحثیون مین نہین پڑتا بلکہ آپ سے آپ اُس کا دل مان لیتا ہو کہ یہ سچ ہے اور سچائی کے مرکز سے نکلا ہے۔ مولانا روم نے اسکی یہ تشبیہ دی ہے کہ اگر کسی پیاسے کو پانی دیا جائے تو کیا وہ یہ بحث پیش کریگا کہ پہلے یہ ثابت کرنا چاہیے کہ یہ پانی ہو، یا اگر ایک عورت اپنے بچے کو دودھ پینے کے لیے بُلائے تو کیا اس کو شک ہوگا کہ یہ میری مان ہے اور واقعی دودھ پلانے کے لیے بُلا رہی ہے، چنانچہ فرماتے ہین،

تشنہ را چون بگوئی تو شتاب — در قدح آب ست بستان زود آب

ہیچ گوید؟ تشنہ کاین دعوی است رو — از برم اے مدعی مہجور شو

یا گواہ و حجتے بنما کہ این — جنس آب است و ازان ماء معین

یا بہ طفلِ شیر، مادر بانگ زد | کہ بیا من مادرم ہان اے ولد
طفل گوید؟ مادرا حجت بیار | تا کہ با شیرت بگیرم من قرار
در دل ہر اُمتی کز حق مزہ است | روی و آواز پیمبر معجزہ است
چون پیمبر از برون بانگے زند | جان اُمت در درون سجدہ کند
زانکہ جنس بانگ وا ندر جہان | از کسی نشنیدہ باشد گوش جان

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں[1] کہ انبیا کو دو قسم کے معجزے دیے جاتے ہین پہلی قسم یہ ہے کہ وہ پاک نسب ہوتے ہین، اُن کے چہرون پر وہ نور ہوتا ہی جو دلونکو فریفتہ کرلیتا ہے اُن کے اخلاق ایسے ہوتے ہین جو قلوب کو مسخر کرلیتے ہین، اُن کی تقریر ایسی ہوتی ہے جس سے سامع کو تشفی ہوجاتی ہے، پھر لکھتے ہین۔

وَهٰذِهِ الْاَحْوَالُ اِذَا حَصَلَتْ لَا يَحْتَاجُ ذُوْ الْبَصِيْرَةِ مَعَهَا اِلَى الْمُعْجِزَةِ وَلَا يَطْلُبُهَا	اور یہ حالات جب پائے جاتے ہین تو سمجھ دار آدمی کو اور کسی معجزہ کی ضرورت نہین رہتی اور وہ کسی معجزہ کا طالب نہین ہوتا

امام غزالی نے منقذ من الضلال مین جہان نبوت پر بحث کی ہے لکھتے ہین کہ جو شخص آنحضرتؐ کے ہدایات اور ارشادات پر بار بار غور کرے گا اُس کو خود آنحضرتؐ کی نبوت پر یقین ہوجائے گا۔ پھر لکھتے ہین،

فَمِنْ ذٰلِكَ الطَّرِيْقِ فَاطْلُبِ الْيَقِيْنَ بِالنُّبُوَّةِ لَا مِنْ قَلْبِ الْعَصَا ثُعْبَانًا وَشَقِّ الْقَمَرِ اَلَخ	تو اس طریقہ سے نبوت پر یقین لاؤ نہ اس سے کہ عصا سانپ ہوگیا یا چاند شق ہوگیا،

[1] الذریعہ مطبوعہ مصر صفحہ ۶۹،

معارف فی شرح الصحائف مین جو علم کلام کی مستند کتاب ہے آنحضرت کی نبوت پر دو طریقہ سے استدلال کیا ہے پہلا وہی قدیم طریقہ یعنے معجزات ہے۔ دوسرا طریقہ یہ لکھا ہے،

اَلْوَجْهُ الثَّانِي فِي اِثْبَاتِ نُبُوَّةِ مُحَمَّدٍ صلعم الْاِسْتِدْلَالُ بِاَخْلَاقِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَحْكَامِهٖ	دوسرا طریقہ، آنحضرت کی نبوت ثابت کرنے کا آنحضرت کے افعال، اقوال، اور احکام سے استدلال کرنا ہے

پھر اس طریقہ کی نسبت لکھتے ہین۔

وَهٰذَا الْوَجْهُ بِالْحَقِيْقَةِ يُعَيِّنُ حَقِيْقَةَ النُّبُوَّةِ	اور یہ طریقہ درحقیقت۔ نبوت کی حقیقت بتا دیتا ہے،

انبیا کی تعلیم و ہدایت کا طریقہ

مذہب کے متعلق بہت بڑی غلطی اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ لوگ انبیا کے اصول طریقہ تعلیم کو ملحوظ نہین رکھتے، علم کلام کی متداول کتابون مین اس ضروری نکتہ کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے، لیکن امام رازی نے مطالب عالیہ مین۔ ابن رشد نے کشف الادلہ مین اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین تفصیل کے ساتھ یہ اصول بیان کیے ہین، ان مین سے ضروری الذکر یہ ہین،

انبیا کی تعلیم کے اصول

(۱) انبیا کو اگرچہ عوام و خواص دونون کی ہدایت مقصود ہوتی ہے لیکن چونکہ عوام کے مقابلہ مین خواص کی تعداد اقل قلیل ہوتی ہے اس لیے ان کی طرز تعلیم اور طریقۂ ہدایت مین عوام کا پہلو زیادہ ملحوظ ہوتا ہے۔ البتہ ہر جگہ ضمن مین ایسے الفاظ موجود ہوتے ہین جن سے اصل حقیقت کی طرف اشارہ ہوتا ہے اور جس کے مخاطب خواص ہوتے ہین

پہلا اصول

امام رازی نے آیات متشابہات کے ورود کے متعلق سب سے قوی وجہ یہ بیان کی ہے کہ۔

اِنَّ الْقُرَانَ کِتَابٌ مُشْتَمِلٌ عَلٰی دَعْوَۃِ الْخَوَاصِّ وَالْعَوَامِ بِالْکُلِّیَّۃِ وَطَبَائِعُ الْعَوَامِ تَنْبُوْ فِی اَکْثَرِ الْاَمْرِ عَنْ اِدْرَاکِ الْحَقَائِقِ، فَکَانَ الْاَصْلَحُ اَنْ یُّخَاطَبُوْا بِاَلْفَاظٍ دَالَّۃٍ عَلَی الْبَعْضِ مِمَّا یُنَاسِبُ مَا یَتَوَھَّمُوْنَہٗ وَیَتَخَیَّلُوْنَہٗ وَیَکُوْنَ ذٰلِکَ مَخْلُوْطًا بِمَا یَدُلُّ عَلَی الْحَقِّ الصَّرِیْحِ	قرآن ایسی کتاب ہے جس سے خاص عام سبکو حق کیطرف دعوت دی گئی ہے اور عوام کا یہ حال ہے کہ انکی طبیعت اکثر امور مین حقائق کے ادراک سے انکار کرتی ہے، اسلیے مصلحت یہی تھی کہ ایسے الفاظ کے ساتھ خطاب کیا جائے جو عوام کے خیالات اور تصورات کیساتھ کچھ مناسبت رکھتے ہوں اور اُسکے ساتھ حقیقت واقعی بھی ملحوظ ہو،

(تفسیر کبیر آل عمران آیت ھُوَالَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمَاتٌ)

ابن رشد فصل المقال مین لکھتے ہین،

وَکَانَ الشَّارِعُ مَقْصُوْدُہُ الْاَوَّلُ الْعِنَایَۃَ بِالْاَکْثَرِ مِنْ غَیْرِ اِغْفَالٍ لِتَنْبِیْہِ الْخَوَاصِّ	شریعت کا مقصود اوّلی جمہور عوام کے ساتھ اعتنا کرنا ہے تاہم خواص کی تنبیہ سے بھی چشم پوشی نہین کی جاتی۔

دوسرا اصول

(۲) انبیا۔ لوگون کی عقل وعلم کے لحاظ سے اُن سے خطاب کرتے ہین لیکن اس علم وعقل کے لحاظ سے جو اکثر افراد انسانی مین پائی جاتی ہے۔ اکتساب مجاہدہ۔ مراقبہ ممارست کیوجہ سے جو علم وعقل پیدا ہوتی ہے وہ انبیا کے خطاب کا موضوع نہین،

وَمِنْ سِیَرِھِمْ اَنْ لَّا یُکَلِّمُوا النَّاسَ اِلَّا عَلٰی قَدْرِ عُقُوْلِھِمُ الَّتِیْ خُلِقُوْا عَلَیْھَا	اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ ہے کہ وہ لوگون سے انکی خلقی عقل کے موافق خطاب کرتے ہین،

فالانبیاء لم یخاطبوا الناس الا علی منہاج ادراکہم الساذج المودع فیہم باصل الخلقۃ فلذالک لم یکلفوا الناس ان یعرفوا ربہم بالتجلیات والمشاہدات ولا بالبراہین والقیاسات ولا ان یعرفوہ منزہا من جمیع الجہات (حجۃ اللہ البالغۃ صفحہ ۸۰)

اس لیے انبیا نے محض اُس فہم اور ادراک کے لحاظ سے خطاب کیا، جو ان لوگوں کی خلقت مین ودیعت ہو چنانچہ انبیا نے لوگون کو یہ تکلیف نہین دی کہ وہ خدا کو تجلیات مشاہدات۔ براہین۔ اور قیاسات کے ذریعہ سے پہچانین نہ انکو اس بات پر مکلف کیا کہ وہ خدا کو ہر جہت، اور ہر حیثیت سے منزہ خیال کرین،

تیسرا اصول

(۳) سب سے زیادہ قابل لحاظ یہ امر ہے کہ انبیا تہذیب اخلاق اور تزکیہ نفس کے سوا اور قسم کے مسائل اور مباحث اور حقائق سے متعرض نہین ہوتے، اور اس قسم کے امور کے متعلق کچھ بیان کرتے ہین تو انہی کی روایات اور خیالات کے مطابق، اور اس مین بھی استعارات اور مجازات سے کام لیتے ہین،

ومن سیرتہم ان لا یشتغلوا بما لا یتعلق بتہذیب النفس وسیاسۃ الامۃ کبیان اسباب حوادث الجو من المطر والکسوف والہالۃ وعجائب النبات والحیوان ومقادیر سیر الشمس والقمر واسباب الحوادث الیومیۃ وقصص الانبیاء والملوک والبلدان ونحوہا اللہم الا کلمات یسیرۃ الفہا اسماعہم وقبلہا،

اور انبیا کے اصول مین سے ایک یہ بات ہو کہ جو امور تہذیب نفس اور سیاست قومی سے تعلق نہین رکھتے انمین وہ دخل نہین دیتے مثلاً کائنات الجو یعنی بارش۔ گرہن۔ ہالہ کے پیدا ہونے کے اسباب۔ نباتات اور حیوانات کے عجائبات۔ چاند سورج کی رفتار کی مقدار حوادث یومیہ کے اسباب۔ انبیا۔ سلاطین۔ اور ممالک کے قصص وغیرہ وغیرہ ان چیزون سے وہ بحث نہین کرتے مگر ان کچھ چند معمولی

عُقُولُهُمْ تُوتِي بِهَا فِي التَّذْكِيرِ بِآلَاءِ اللّٰهِ وَ
لِتَذْكِيرِ بِأَيَّامِ اللّٰهِ عَلَى سَبِيلِ الْاِسْتِطْرَادِ بِكَلَامٍ
اِجْمَالِيٍّ يُسَامَحُ فِي مِثْلِهِ بِاِيْرَادِ الْاِسْتِعَارَاتِ
وَالْمَجَازَاتِ وَلِهٰذَا الْاَصْلِ لَمَّا سَأَلُوا النَّبِيَّ
عَنْ لِمِيَّةِ نُقْصَانِ الْقَمَرِ وَزِيَادَتِهِ اَعْرَضَ اللّٰهُ
تَعَالٰى عَنْ ذٰلِكَ اِلٰى بَيَانِ فَوَائِدِ الشُّهُوْرِ
فَقَالَ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ
لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ وَتَرَى كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ فَسَدَ
ذَوْقُهُمْ بِسَبَبِ الْاُلْفَةِ بِهٰذِهِ الْفُنُوْنِ اَوْ غَيْرِهَا
مِنَ الْاَسْبَابِ فَحَمَلُوْا كَلَامَ الرُّسُلِ عَلٰى
غَيْرِ مَحْمَلِهٖ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۸۰)

باتین جن سے لوگون کے کان مانوس ہو چکے ہین اور انکی
عقلون نے ان باتونکو قبول کر لیا ہے، اور ان باتونکو
بھی وہ لوگ خدا کی شان اور قدرت کے ذکر مین ضمنی طور
پر اجمالا بیان کرتے ہین اور اسمین مجاز اور استعارہ سے
کام لیتے ہین اور اسی اصول کی بنا پر جب لوگون نے
آنحضرت صلعم سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کا سبب پوچھا تو خدا نے
اسکے جواب سے اعراض کیا اور اسکے بجاے مہینونکا
فائدہ بیان کر دیا، چنانچہ فرمایا و یسئلونک الخ اور اکثر
لوگونکا مذاق ان فنون (یعنی ریاضیات وغیرہ) کی اشتغال
کی وجہ سے خراب ہو گیا ہے تو یہ لوگ انبیا کے کلام کو خلاف
حقیقت محل پر محمول کرتے ہین

چوتھا اصول

(۴) ایک عام اصول جسپر تمام انبیا کا عمل رہا یہ ہے کہ وہ جس قوم مین مبعوث ہوتے ہین اسکے اکل و شرب، لباس، مکان، سامان آرایش، طریقۂ نکاح زوجین کے عادات، بیع و شرا، معاصی پر دار و گیر، فصل قضایا، غرض اس قسم کے تمام امور پر نظر ڈالتے ہین، اگر چہ یہ چیزین ویسی ہی ہین جیسا انکو ہونا چاہیے تو پھر کسی قسم کا تبدل و تغیر نہین کرتے بلکہ ترغیب دلاتے ہین کہ یہ رسوم و آئین صحیح اور واجب العمل و مبنی علی المصالح ہین، البتہ اگر ان مین کچھ نقص ہوتا ہے مثلاً وہ آزار رسانی کا ذریعہ ہون، یا لذات دنیوی مین انہماک کا باعث ہون

یا اصول احسان کے مخالف ہون۔ یا انسان کو دنیاوی اور دینی مصالح سے بے پروا کرنے والی ہون تو اُنکو بدل دیتے ہین وہ بھی اس طرح نہین کہ سرے سے انقلاب کر دین، بلکہ اس قسم کی تبدیلی کرتے ہین جس کے مشابہ کوئی چیز قوم مین پہلے سے موجود ہوتی ہے یا ان لوگونکے حالات مین اُسکی مثالین پائی جاتی ہین جنکو قوم اپنا مقتدا اور پیشوا تسلیم کرتی آتی ہے،،

شاہ ولی اللہ صاحب یہ اصول نہایت تفصیل[1] سے بیان کرکے لکھتے ہین،

وَلِهٰذَا الْمَعْنٰى اِخْتَلَفَ شَرَائِعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالرَّاسِخُ فِي الْعِلْمِ يَعْلَمُ اَنَّ الشَّرْعَ لَمْ يَجِئْ فِي النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْمُعَامَلَاتِ وَالزِّيْنَةِ وَاللِّبَاسِ وَالْقَضَاءِ وَالْحُدُوْدِ وَالْغَنِيْمَةِ بِمَا لَمْ يَكُنْ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ اَوْ يَتَرَدَّدُوْنَ فِيْهِ اِذَا كُلِّفُوْا نَعَمْ اِنَّمَا وَقَعَ اِقَامَةُ الْمُعْوَجِّ وَتَصْحِيْحُ السَّقِيْمِ،

اور اسی وجہ سے انبیا کی شریعتین مختلف ہین۔ اور جو لوگ علم مین پختہ کار ہین وہ جانتے ہین کہ شریعت نے نکاح۔ طلاق۔ معاملات۔ آرایش۔ لباس۔ قضا۔ تعزیرات۔ غنیمت مین کوئی ایسی بات نہین پیش کی جسکو وہ لوگ پہلے سے نہ جانتے ہون یا ایسی جسکو قبول کرنے مین انکو پس و پیش ہو، ہان یہ ضرور ہوا کہ جو کجی تھی، سیدھی کر دی گئی اور جو خرابی تھی رفع کر دی گئی،

پانچوان اُصول

(۵) انبیا پر جو شریعت نازل ہوتی ہے اُسکے دو حصے ہوتے ہین ایک وہ عقائد و مسائل جو مذہب کے اُصول کلیہ ہوتے ہین، اس حصہ مین تمام شریعتین متحد ہوتی ہین مثلاً خدا کا وجود۔ توحید۔ ثواب۔ عقاب۔ عبادت۔ شعائر اللہ کی تعظیم نکاح۔ وراثت وغیرہ وغیرہ دوسرے وہ احکام اور سنن جو خاص خاص انبیا کے ساتھ مخصوص ہوتے ہین اور جنکی بنا پر

[1] حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۰۹ و ۱۱۰،

کہا جاتا ہے کہ شریعت موسوی مثلاً شریعت عیسوی سے مختلف ہے، شریعت کا یہ حصہ خاص خاص قوموں یا ملکوں کے مصالح اور فوائد پر مبنی ہوتا ہے اور اُسکی بنیاد زیادہ تر ان خیالات، عقائد، عادات، معاملات، رسوم، طریق معاشرت، اور اصول تمدن پر ہوتی ہے جو پہلے سے اُس قوم میں موجود تھے شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں،

فَلِذَالِکَ یُعْتَبَرُ فِی الشَّرَائِعِ عُلُوْمٌ مَخْزُوْنَۃٌ فِی الْقَوْمِ وَاعْتِقَادَاتٌ کَامِنَۃٌ فِیْھِمْ وَعَادَاتٌ تَتَجَادٰی فِیْھِمْ وَلِذَالِکَ نَزَلَ تَحْرِیْمُ لُحُوْمِ الْاِبِلِ وَاَلْبَانِھَا عَلٰی اَبْنٰی اِسْرَائِیْلَ دُوْنَ بَنِیْ اِسْمٰعِیْلَ وَلِذَالِکَ کَانَ الطَّیِّبُ وَالْخَبِیْثُ فِی الْمَطَاعِمِ مُفَوَّضًا اِلٰی عَادَاتِ الْعَرَبِ وَلِذَالِکَ حُرِّمَتْ بَنَاتُ الْاُخْتِ عَلَیْنَا دُوْنَ الْیَھُوْدِ۔	اسیطرح شریعت میں اُن علوم اور اعتقادات و عادات کا لحاظ کیا جاتا ہے جو قوم میں مخزون اور جاری ساری ہوتے ہیں یہی وجہ تھی کہ اونٹ کا گوشت اور دودھ بنی اسرائیل پر حرام ہوا اور بنی اسمٰعیل پر حرام نہوا، اور یہی وجہ ہے کہ کھانوں میں پاک اور نجس کی تفریق عرب کے مذاق پر محول کی گئی، اور یہی وجہ ہے کہ بھانجی سے شادی کرنا ہمارے مذہب میں حرام ہے، اور یہود کے یہاں نہیں،

شاہ صاحب نے اس موقع پر اس اصول کی اور بہت سی تفریعات بیان کی ہیں، ہم نے تطویل کے لحاظ سے قلم انداز کر دیں۔

اسی بحث میں آگے چلکر لکھتے ہیں،

وَاعْلَمْ اَنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْعَادَاتِ وَالْعُلُوْمِ الْکَامِنَۃِ یَتَّفِقُ فِیْھَا الْعَرَبُ وَالْعَجَمُ	جاننا چاہیے بہت سے مراسم اور علوم ایسے ہیں جنہیں تمام عرب و عجم، اور تمام معتدل ممالک کے رہنے والے اور

۱؎ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۲

وَجَمِيعُ سُكَّانِ الْأَقَالِيمِ الْمُعْتَدِلَةِ وَأَهْلُ الْأَمْزِجَةِ الْقَابِلَةِ لِلْأَخْلَاقِ الْفَاضِلَةِ كَالْحُزْنِ لِلْمَيِّتِ وَكَاسْتِحْبَابِ الرِّقَّةِ بِهِ وَكَالْفَخْرِ بِالْأَحْسَابِ وَالْأَنْسَابِ فَتِلْكَ الْعَادَاتُ وَالْعُلُومُ أَحَقُّ الْأَشْيَاءِ بِالْاعْتِبَارِ ثُمَّ بَعْدَهَا عَادَاتٌ وَعَقَائِدُ تَخْتَصُّ بِالْمَبْعُوثِ عَلَيْهِمْ فَتُعْتَبَرُ تِلْكَ أَيْضًا

تمام وہ لوگ جنمین اخلاق فاضلہ کے قبول کرنیکی صلاحیت ہے سب متفق ہوے ہین مثلاً مردہ کا غم کرنا، اور اوسپر رحم کھانا۔ یا مثلاً حسب و نسب پر فخر کرنا۔ تو یہ مراسم اور یہ اصول سب سے زیادہ لحاظ کے قابل ہین۔ اُنکے بعد وہ مراسم ہین جو خاص اسی قوم مین جاری ہین جن پر وہ پیغمبر مبعوث ہلوا ہو تو ان مراسم کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔

چھٹا اُصول

(۶) کسی چیز سے روکنے، یا کسی چیز کے حکم دینے کے دو طریقے ہین ایک یہ کہ اُس چیز کے فوائد و نقصان بیان کیے جائین اور یہ بتایا جائے کہ وہ شی مقصود بالذات نہین ہو بلکہ امر و نہی کا اصلی سبب، اسکا مفید یا مضر ہونا ہو دوسرا طریقہ یہ ہو کہ یہ کہا جائے، کہ خود وہ شی بالذات موجب ثواب یا عقاب ہے جیسا کہ بعض دعاؤن کی نسبت لوگونکا خیال ہے کہ اگر اُسکے الفاظ اول بدل ہو جائین تو دعا مین وہ تاثیر نہ رہے گی،

پہلا طریقہ اگرچہ بظاہر حکیمانہ اور اصول عقل کے زیادہ موافق ہو لیکن یہ طریقہ عام نہین ہو سکتا اگر امر و نہی کا مدار اسپر رکھا جائے تو ایک ایک عامی کو اوامر و نواہی کے دقائق اور باریکیان سمجھانی پڑینگی اور یہ بالکل ناممکن ہو اسکی علاوہ کسی کام کے کرنیکے لیے عام طبائع پر جسقدر اس بات کا اثر پڑتا ہو کہ خدا نے اسکا حکم دیا ہو، اور خدا اسکی تعمیل سے خوش ہوتا ہو، اسقدر اس بات کا اثر نہین پڑ سکتا کہ وہ چیز فی نفسہ اچھی ہو فرض کرو اگر تعزیرات ہند کے بجائے اخلاقی کتابین جاری کیجائین جنمین یہ لکھا ہو کہ چوری، ڈکیتی، رہزنی بُری باتین ہین اسلیے انسے بچنا چاہیے۔ تو کیا یہ اخلاقی کتابین جرائم کے گھٹانے مین وہ کام دینگی جو تعزیرات ہند

دے رہی ہے؟ اس بنا پر انبیا افعال کی ترغیب و ترہیب کے لیئے زیادہ تر یہی دوسرا طریقہ اختیار کرتے ہین، یعنی بجائے اس کے کہ اوامر اور نواہی کے وجوہ اور اسباب بتائین، وہ ان افعال کو بالذات موجب ثواب و عقاب بتاتے ہین، اور ثواب و عقاب کو صرف خدا کی خوشنودی اور ناراضی پر محوّل کرتے ہین، وہ نماز، روزہ، زکوٰۃ کے حکم دیتے ہین عام لوگون سے یہ نہین کہتے کہ ان ارکان کے ادا کرنے مین یہ یہ فائدے ہین بلکہ صرف یہ کہتے ہین کہ ان چیزون سے خدا خوش ہوتا ہے اور اُن کے نہ ادا کرنے سے وہ ناراض ہوتا ہے اور دراصل عوام کو کسی چیز کی طرف راغب کرنے کا صرف یہی موثر طریقہ ہے[1]

---

[1] یہ اصول شاہ ولی اللہ صاحب کی اُس تقریر سے ماخوذ ہے جو اُنھون نے حجۃ اللہ البالغہ کے صفحہ ۹۵ مین لکھی ہے، لیکن شاہ صاحب اس اصول کو فلاسفۂ اسلام کی طرف منسوب کرتے ہین چنانچہ لکھتے ہین وذهب فلاسفة الاسلام الی ان العقوبات والثواب انما يكونان على الصفات النفسانية والاخلاق المنتشئة بذيل الروح وانما ذكر افعالها واشباحها في الشرائع تفهيما وتقريبا الى افهام الناس، شاہ صاحب کی ذاتی رائے یہ ہے کہ جب کوئی شے شریعت مین مامور بہ یا منہی عنہ ہوتی ہے تو بالذات اس پر ثواب و عقاب مترتب ہو جاتا ہے، لیکن تعجب یہ ہے کہ شاہ صاحب نے آگے چلکر جہان اس پر بحث کی ہے کہ جو شریعت تمام شریعتون کی ناسخ ہوتی ہے اسکے اصول کیا ہوتے ہین، وہان اس اصول کو خود شریعت ناسخہ کے اصول مین شمار کیا ہے، چنانچہ لکھتے ہین:

ومنها ان يكلف الناس باشباح البر والاثم ويلزمهم ذلك الزاما عظيما ولا يلوح لهم بارواحها كثير تلويح ولا يخيرهم في شيء من الشرائع ويجعل علم الشرائع الذي ما خذ احكامها التفصيلية علما مكنونا، وذلك لان اكثر المكلفين لا يعرفون المصالح ولا يستطيعون معرفتها الا اذا ضبطت بالضوابط وصارت محسوسة يتعاطاها كل متعاط فلو رخص لهم في ترك شيء منها او بين المقصود الاصلي غير تلك الاشباح توسع لهم مذاهب الخوض ولاختلفوا اختلافا فاحشا،

اور ان اصول مین سے ایک یہ ہے کہ پیغمبر لوگون کو نیکی و بدی کی ظاہری صورتون کا مکلف کرے، اور اون کو سخت تاکید کرے، اور اون کو اعمال کی روحانیت کا اونپر بہت کم اظہار کرے، اور انکو احکام شریعت مین سے کسی حکم کی نسبت انکو کرنے نکرنے کا مختار نہ بنائے، اور اسرار شریعت کے علم کو جو احکام تفصیلی کا ماخذ ہے ایک راز مخفی قرار دے، اور یہ اسلیئے کہ اکثر لوگ مصالح سے واقف نہین اور اسکو سمجھ نہین سکتے جبتک کہ ایسے قاعدے نہ بنائے جائین جو محسوس ہو جائین اور جس کو ہر شخص سمجھ لے اسلیئے اگر انکو کسی شے کے چھوڑنے کی اجازت دیجائے یا ان سے کہا جائے کہ اعمال مقصود اصلی نہین ہین، تو اون کو بڑی وسعت ہو جائیگی اور انمین سخت اختلاف پیدا ہو جائیگا

مذکورۂ بالا اصول تمام انبیا مین مشترک ہوتے لیکن جس نبی کی رسالت عام ہوتی ہے اور تمام عالم کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوتا ہے، اُسکی ہدایت اور تلقین مین بعض زائد خصوصیات ہوتی ہین جو اور انبیا مین نہین پائی جاتین،

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ پیغمبر جس قوم مین مبعوث ہوتا ہے، اُس کی شریعت مین اُس قوم کی عادات اور خصوصیات کا خاص طریقہ پر لحاظ ہوتا ہے لیکن جو پیغمبر تمام عالم کے لیے مبعوث ہوا اُسکے طریقۂ تعلیم مین یہ اصول چل نہین سکتا، کیونکہ نہ وہ تمام دنیا کی قومونکے لیے الگ الگ شریعتین بنا سکتا ہے نہ تمام قومون کی عادات اور خصوصیتین باہم متفق ہوسکتی ہین۔ اسلیے وہ پہلے اپنی قوم کی تعلیم وتلقین شروع کرتا ہے اور اُن کو محاسن اخلاق کا نمونہ بناتا ہے، یہ قوم اُس کے اعضا اور جوارح کا کام دیتی ہے اور اُسی کے نمونہ پر وہ اپنی تلقین کا دائرہ وسیع کرتا جاتا ہے، اُس کی شریعت مین اگرچہ زیادہ تر وہ قواعد کلیہ اور اصول عام ہوتے ہین جو قریبًا تمام دنیا کی قومون مین مشترک ہوتے ہین تاہم خاص اس کی قوم کی عادات اور خصوصیات کا لحاظ زیادہ ہوتا ہے لیکن جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہین اُن کی پابندی مقصود بالذات نہین ہوتی اور نہ ان پر چندان زور دیا جاتا ہے،

اس اصول کو شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ مین (صفحہ ۱۲۳) مین نہایت تفصیل سے لکھا ہے چنانچہ لکھتے ہین،

وھٰذا الامام الذی یجمعھم علی ملۃ واحدۃ یحتاج الیٰ یہ امام جو تمام قومون کو ایک مذہب پر لانا چاہتا ہے،

إلى أصولٍ أُخرى غيرِ الأصولِ المذكورةِ فيما سبقَ منها أن يدعو قوماً إلى السنةِ الراشدةِ ويزكيهم ويُصلحَ شأنهم ثم يتخذهم بمنزلةِ جوارحِه،

وذالك لأنّ هذا الإمامَ نفسه لا يتأتّى منه مجاهدةُ أممٍ غيرِ محصورةٍ وإذا كان كذالك وجبَ أن يكونَ مادةُ شريعتهِ ما هو بمنزلةِ المذهبِ الطبعي لأهلِ الأقاليمِ الصالحةِ عربِهم وعجمِهم ثم ما عند قومِه من العلمِ والارتفاقاتِ ويُراعى فيه حالُهم أكثرَ من غيرِهم ثم يحملُ الناسَ جميعاً على اتباعِ تلك الشريعةِ لأنه لا سبيلَ إلى أن يُفوّضَ الأمرَ إلى كلِّ قومٍ أو إلى أئمةِ كلِّ عصرٍ إذ لا يحصلُ منه فائدةُ التشريعِ أصلاً ولا إلى أن ينظرَ ما عند كلِّ قومٍ ويُمارسَ كلاً منهم فيجعلَ لكلٍّ شريعةً فلا أحسنَ ولا أيسرَ من أن يُعتبرَ في الشعائرِ والحدودِ والارتفاقاتِ عادةَ،

اس کو اور چند اصول کی جو اصول مذکورہ بالا کے علاوہ ہین حاجت پڑتی ہے انہین سے ایک یہ ہے کہ وہ ایک قوم کو راہ راست پر بلاتا ہے اوسکی اصلاح کرتا ہے اسکو پاک بنا دیتا ہے پھر اسکو اپنا دست و بازو قرار دیتا ہے،

یہ اسلیے کہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ یہ امام تمام دنیا کی قومون کی اصلاح مین جان کھپائے اسلیے ضرور ہوا کہ اسکی شریعت کی اصلی بنیاد تو وہ ہو جو تمام عرب و عجم کا فطری مذہب ہے اُسکے ساتھ خاص اسکی قوم کے عادات اور مسلمات کے اصول بھی لیے جائین اور انکے حالات کا لحاظ بنسبت اور قومون کے زیادہ تر کیا جائے پھر تمام لوگون کو اس شریعت کی پیروی کی تکلیف دیجائے کیونکہ یہ تو ہو نہین سکتا کہ ہر قوم یا ہر پیشواے قوم کو اجازت دیدی جائے کہ وہ اپنی شریعت آپ بنالین ورنہ تشریع محض بیفائدہ ہوگی، نہ یہ ہو سکتا کہ ہر قوم کی عادات اور خصوصیات کا تجسس کیا جائے اور ہر ایک کیلیے الگ الگ شریعت بنائی جائے اس بنا پر اس سے بہتر اور آسان کوئی اور طریقہ نہین کہ شعار، تعزیرات اور انتظامات مین خاص اس قوم کی عادات کا

قَومِهٖ الْمَبْعُوثُ فِيهِمْ وَلَا يَضِيقُ كُلَّ التَّضْيِيقِ عَلَى الْآخَرِينَ الَّذِينَ يَأْتُونَ بَعْدُ

لحاظ کیا جائے جن مین یہ امام پیدا ہوا ہے اسکی تمام آیندہ نسلون پر اُن احکام کے متعلق چندان سخت گیری نکیجائے

اس اُصول سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ شریعت اسلامی مین چوری ۔ زنا قتل وغیرہ کی جو سزائین مقرر کی گئی ہین اُن مین کہان تک عرب کی رسم ورواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور یہ کہ اُن سزاؤن کا بعینہا اور بخصوصہا پابند رہنا کہان تک ضروری ہے،

خرق عادات

بیانات مذکورۂ بالا سے اگرچہ ثابت ہوچکا ۔ کہ نبوت، خرق عادت پر موقوف نہین اور اس لحاظ سے ہم کو اس مسئلہ کے متعلق کچھ بحث کرنے کی ضرورت نہ تھی، لیکن خرق عادت تمام مذاہب کا ایک ضروری عنصر ہے اور اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ اسلام مین بھی کچھ نہ کچھ اسکی جھلک موجود ہے اس لیے اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے قرآن مجید مین اس قسم کے جو واقعات منقول ہین، فرقہ جدیدہ ان کی عموماً تاویل کرتا ہے اور کہتا ہے کہ قرآن مجید مین اس قسم کا ایک واقعہ بھی مذکور نہین، لیکن انصاف یہ ہے کہ قرآن مجید بلکہ تمام آسمانی کتابون مین اس قسم کے واقعات کے مذکور ہونے سے انکار نہین ہوسکتا، بے شبہہ اشاعرہ کی افراط، بچون کی وہم پرستی کے درجہ تک پہونچ گئی ہے، لیکن انکار محض کرنا بھی کچھ کم ہٹ دھرمی نہین ہے، ہمارے زمانہ کے لوگون نے جو تاویلین کی ہین، ہم اس سے بخوبی واقف ہین، بے شبہہ یہ تاویلین نئی تعلیم یافتہ لوگون کے لیے

کافی ہین جو بیچارے عربی زبان اور اُس کے طرز و اسلوب سے ناآشنا ہین، مگر ماہر عربیت کے سامنے یہ تلمیع کیا کام دے سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جدید فرقہ، چونکہ وہم پرست مسلمانون کا طرف مقابل ہے اس لیے ضرور تھا کہ وہ اعتدال سے متجاوز ہو جائے، ایک طرف جب یہ افراط ہے کہ ہر قسم کے ناممکن اور محال واقعات ہر کس و ناکس سے سرزد ہو سکتے ہین، اور کرامۃ الاولیاء حقؒ کے دائرہ کی وسعت کی کوئی حد نہین قرار پائی۔ تو اس کے مقابلہ مین یہ تفریط کچھ تعجب انگیز نہین کہ کوئی واقعہ جو بظاہر خلاف ہو ہرگز وقوع مین نہین آسکتا لیکن ہم کو افراط و تفریط سے الگ ہوکر، خود حقیقت حال پر غور کرنا چاہیے،

خرق عادت کے منکرین کا استدلال اور اسپر بحث

خرق عادت کے منکرین، کا تمامتر استدلال یہ ہے کہ خرق عادت، قانون فطرت کے خلاف ہے اور جو چیز قانون فطرت کے خلاف ہے وہ ممتنع ہے اس دلیل کے دوسرے مقدمہ کو کسی شخص کو انکار نہین ہو سکتا لیکن پہلے مقدمہ کے ثابت ہونے کا کیا طریقہ ہے، کیا فطرت کے تمام قوانین منضبط ہو چکے ہین؟ کیا اسپر اطمینان ہو چکا ہے کہ ہم جن امور کو قانون فطرت سمجھ رہے ہین وہ درحقیقت قانون فطرت ہین؟ علوم جدیدہ کی تحقیقات اور تجربہ نے سیکڑون ایسے قانون فطرت دریافت کیے جو پہلے مطلق معلوم نہ تھے۔ اور یہ سلسلہ برابر قائم ہے، سیکڑون ہزارون برس سے فقرا، اور جوگیون کے متعلق یہ واقعات منقول چلے آتے تھے کہ وہ محض توجہ قلب سے دوسرے شخص کو مدہوش اور متاثر کر سکتے ہین، موجودہ زمانہ اس بنا پر انکار کر رہا تھا کہ یہ خلاف قانون فطرت ہے کہ ایک مادّہ بغیر اس کے کہ

دوسرا مادہ اس سے ملاقی ہو کسی قسم کا اثر قبول کرسکے، لیکن جب مسمریزم کے تجربون نے قوت نفسانی کا اثر ثابت کیا تو تمام پچھلے واقعات تسلیم کرنے پڑے، آج ایک مسمریزم کا مشاق علی رؤس الاشہاد، دوسرے اشخاص کو محض قوت نظر یا قوت نفس سے بیہوش کرسکتا ہے، اس سے جو بات چاہے کہلوا سکتا ہے۔ جو کام چاہے کرا سکتا ہے،

قدیم عربی کتابون مین مذکور ہے کہ مصر مین ایک مچھلی ہوتی ہے جس کے چھونے سے جسم پر رعشہ طاری ہونا شروع ہوتا ہے یہان تک کہ اگر آدمی اس کو ہاتھ سے پھینک نہ دے تو رعشہ کی شدت سے بیہوش ہوکر گر جائے، یہ واقعہ ایک مدت تک خلاف عقل قرار دیا گیا لیکن موجودہ تحقیقات نے اس مچھلی کا وجود ثابت کیا اور معلوم ہوا کہ اس مین الکٹرسٹی ہوتی ہے،

خود یورپ کے محققین اس بات کو تسلیم کرتے جاتے ہین کہ جسقدر تحقیقات بڑھتی جاتی ہے ناممکن چیزین، ممکن ثابت ہوتی جاتی ہین۔

خرق عادت کے متعلق یورپ کے علما کی رائے

فرانس کا مشہور فاضل کیمل فلامریان جو فزیکل سائنس کا استاد مانا جاتا ہے اپنی کتاب اسپریچولیزم مین لکھتا ہے "انسان کی فطری عادت ہے کہ جو چیز بظاہر مشکوک ہوتی ہے یا جس کو وہ نہین جانتا اور سمجھ نہین سکتا اس کے وجود سے انکار کرتا ہے، ہیرو ڈوٹس[1] یا پلینی کی تحریرون مین اگر ہم یہ پڑھتے کہ ایک عورت کی ران مین چھاتی تھی اور اس سے وہ اپنے بچے کو دودھ پلاتی تھی تو ہم کو بے اختیار ہنسی آتی اور ہم استہزا کرتے لیکن

[1] یونان کا مشہور مورخ ہے،

پیرس کی علمی کانفرنس منعقدہ ۲۵- جون ۱۸۲۷ء میں یہ واقعہ برائے العین مشاہدہ کیا گیا"

"اسی طرح اگر کوئی ہم سے یہ کہتا کہ ایک شخص مرگیا اور جب اسکی تشریح کی گئی تو اسکے پیٹ میں ایک بچہ پایا گیا جو اس شخص کا توأم تھا اور اس کے جسم میں پرورش پاتا رہا تھا۔ تو ہم اس واقعہ کو محض خرافات سمجھتے لیکن چند روز ہوے ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک بچہ چھپن برس تک بدن ہی میں پرورش پاتا رہا اور پھر ظاہر ہوا ہیروڈوٹس کے ایک مترجم نے لکھا ہے کہ لوگوں کا یہ بیان کہ سکندر کی بیوی روکسانا نے ایک ایسا بچہ دیا تھا جس کے سر نہ تھا، خلاف عقل سمجھا جاتا تھا، لیکن آج تمام طبی ڈکشنریوں میں تسلیم کیا جاتا ہے کہ بہت سے بچے بغیر سر کے پیدا ہوتے ہیں"

"اس قسم کے واقعات ہم سے کہتے ہیں کہ ہم کو احتیاط سے کام لینا چاہیے کیونکہ جو لوگ بغیر بصیرت کے انکار کر دیا کرتے ہیں وہ جاہل اور کودن ہیں[1]"

چونکہ ہمارے ملک میں عام خیال پھیلا ہوا ہے کہ یورپ عام طور پر خرق عادات کا منکر ہے اور اسی بنا پر جدید تعلیم کا ایک ایک بچہ ہر قسم کے ایسے واقعہ پر جو محسوسات عام کے خلاف ہو، استہزا اور انکار کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے، اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ خرق عادات کے متعلق یورپ کے مشہور اور مستند حکما و فضلا کے اقوال اور آرا اس موقع پر نقل کریں،

---

[1] کامل فلامریان کی کتاب صفحہ ۲۴۶۔

دنیا مین خرق عادات سے ہمیشہ اس فرقہ کو انکار رہا ہے جو طبعی اور مادّہ پرست
ہوتا ہے یعنی وہ لوگ جن کی تحقیقات، اجسام اور خواص اجسام پر محدود ہوتی ہین یورپ کا یہی
حال ہے ایک مدت تک یہی حالت رہی، پھر ایک فرقہ پیدا ہوا جسنے روح اور روح کے
اثرون کی تحقیقات پر توجہ کی، ان لوگون نے بہت سے تجربون کے بعد یہ دعوی کیا کہ روح
جسم سے جداگانہ ایک چیز ہے اور اُسکے قوی اور ادراکات بالکل الگ ہین، روح سیکڑون
کوس سے بغیر حواس کی وساطت کے ایک چیز کو دیکھ سکتی اور سُن سکتی ہے، روح واقعات
آیندہ کا ادراک کر سکتی ہے، روح کوسون تک اپنا اثر پہونچا سکتی ہے۔ غرض روح کے ذریعہ
سے بہت سے ایسے افعال سرزد ہوسکتے ہین جن کو خرق عادت کہا جاتا ہے،

اسپریچولیزم

اس فرقہ نے اپنے دعوی کو اس بلند آہنگی سے ظاہر کیا کہ لوگون کو اسکی تحقیقات
کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ ۱۸۶۹ء مین بمقام لندن ایک بہت بڑی مجلس ان امور کی تحقیقات
کے لیے منعقد ہوئی اس مجلس کے ارکان یہ تھے،

سرجان لبک ممبر پارلیمنٹ۔ صدر انجمن
پروفیسر ہکسلی جو طبعیات کا سب سے بڑا عالم تھا۔ وکیل
لوئیس۔ فزیکل سائنس کا بہت بڑا عالم۔ "
الفرڈ ویلز۔ جو ڈارون کا ہمعصر اور مسئلہ ارتقا مین برابر کا شریک تھا۔ ممبر
مارگن مجلس علوم ریاضیہ کا صدر انجمن "
جان کوکس، "

ان کے سوا اور بہت سے فضلا شریک مجلس تھے، اٹھارہ مہینے تک یہ مجلس برابر تحقیقات کرتی رہی، اخیر مین مجلس نے جو رپورٹ مرتب کی اُسکے بعض فقرے یہ ہین۔

"مجلس نے اپنی راے کا مدار صرف ان تجربون پر رکھا جو مجلس نے براہ العین مشاہدہ کیے اور جن مین کسی قسم کا شک وشبہہ نہین ہوسکتا تھا، مجلس مین چار خمس ایسے ممبر تھے جو شروع مین اس قسم کے واقعات کے سخت منکر تھے اور سمجھتے تھے کہ یا تو ان واقعات مین فریب اور شعبدہ بازی سے کام لیا جاتا ہے یا خود انسان کے عصبی نظام کا اثر ہے لیکن نہایت دقیق اور مکرر تجربون کے بعد اُنکو یہ اقرار کرنا پڑا کہ یہ خرقِ عادات حقیقی اور واقعی ہین"

اس کے بعد انگلستان اور امریکا مین اس کی تحقیقات کے لیے ایک مجلس قائم ہوئی جس کے صدر انجمن ہیزلوپ اور ہوڈسن تھے، یہ مجلس قریبًا بارہ برس تک تحقیقات مین مصروف رہی اور بالآخر ۱۸۹۹ء مین اسنے اپنی تحقیقات ختم کی اور ان واقعات کی صحت کا اعتراف کیا، ہیزلوپ نے جو راے لکھی اسکے بعض فقرے یہ ہین،

"مجکو امید ہے کہ مین برس دن کے بعد تمام دنیا کے سامنے دلائل قطعیہ سے یہ ثابت کردونگا کہ اس عالم فانی کے بعد ایک اور عالم ہے۔ مین نے خود اپنی آنکھون سے وہ خرق عادات دیکھے جن کی نسبت کسی طرح شعبدہ اور فریب کا احتمال نہین ہوسکتا"

ہوڈسن کی رپورٹ کے بعض جملے یہ ہین،

دنیا کو بہت جلد عظیم الشان جدید اطلاعین، حاصل ہونے والی ہین، مجکو امید ہو کہ

دو ہی ایک برس میں۔ میں دنیا کے لیے انسانی زندگی کے قوانین فطرت کی نئی تفسیر پیش کرونگا۔ اگر پروفیسر ہیزلوب نے یہ دعوی کیا ہے کہ اُسنے مردون کی روحون سے باتیں کین تو اسنے بالکل سچ دعوی کیا ہے۔"

ایک اخبار کے نامہ نگار نے ہوڈسن سے اس مسئلہ کے متعلق گفتگو کی تو اُس نے یہ الفاظ کہے "مین نے اور پروفیسر ہیزلوب نے ایک ساتھ تحقیقات شروع کی ہم دونون دہریہ تھے، اور کسی شے پر یقین نہین رکھتے تھے، تحقیقات سے ہماری غرض یہ تھی کہ مدعیان روحانیت جو شعبدہ بازیان کرتے ہین۔ اُن کی پردہ دری کردی جائے۔ لیکن آج مین اس بات کا قائل ہون کہ مردون سے بات چیت ہوسکتی ہے، اور اُس کے متعلق ایسے دلائل ظاہر ہوچکے کہ اب مطلق شبہ کی گنجایش نہین رہی۔"

پروفیسر کوکس۔ جو امپریل سائنٹفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اُسنے مجمع عام مین کہا کہ "مین صرف یہی نہین کہتا کہ یہ ممکن ہے بلکہ مین کہتا ہون کہ وہ بالکل حقیقت واقعی ہے۔" پروفیسر کوکس نے خاص اسپریچولیزم پر ایک کتاب لکھی جو نہایت کثرت سے بار بار چھپ چکی ہے اسمین وہ لکھتا ہے کہ "چونکہ مجکو ان واقعات کا قطعی یقین ہوچکا ہے، اس لیے یہ اخلاقی نامردی ہے کہ مین اُن کے ظاہر کرنے مین اس بنا پر ہچکچاؤن کہ نکتہ چین میری ہنسی اُڑائین گے۔"

مادیین مین بہت بڑا فاضل ڈاکٹر جارج سکستون ہے، وہ روح وغیرہ کا نہایت مخالف تھا اور ان امور پر سخت حملے کیا کرتا تھا، اس نے صرف اس غرض سے کہ

مدعیانِ روح کی شعبدہ بازیون کا پتہ لگائے، اس طرف توجہ کی اور پندرہ برس تک اس تگ و دو مین رہا، لیکن بالآخر اُسنے یہ الفاظ کہے،

"مین نے خاص اپنے گھر مین جہان میرے احباب کے سوا، اور کوئی موجود نہ تھا بغیر کسی درمیانی شخص کے قطعی طور پر اس کا تجربہ کیا جن لوگون سے بات چیت ہوئی وہ مرے ہوئے ہمارے عزیز واقارب تھے"

بارکس نے جو مشہور جیالوجسٹ فاضل ہے ایک علمی پرچہ مین لکھا کہ "مین نے تمام وہ کتابین جو روح کی رد مین لکھی گئی تھین پڑھین اور ان تمام لوگون سے مناظرے کیے لیکن مین نے یہ مشاہدات خود اپنی آنکھون سے دیکھے اور دس برس تک تجربہ کرتا رہا یہان تک کہ اب مین ان مشاہدات پر، بہ علم و درایت گفتگو کر سکتا ہون"

مارگن جو علوم ریاضیہ کا پریسیڈنٹ ہے، اُسنے یہ شہادت دی کہ "مین نے خود اپنی آنکھون سے جو دیکھا اور اپنے کانون سے جو سُنا اُسنے مجکو ایسا مطمئن کر دیا ہے کہ شک کا احتمال بھی نہین رہا"

سب سے بڑی شہادت اس باب مین رسل ویلز کی ہے، یہ مشہور فاضل ڈارون کا شریک اور ہمپلہ خیال کیا جاتا ہے، ڈارون کی ایجاد مین یہ برابر کا شریک تھا اس نے خاص اس بحث پر ایک کتاب لکھی جس کا نام عجائبات روح ہے اس مین وہ لکھتا ہے کہ مین محض دہریہ تھا اور اپنے مذہب پر بالکل قانع تھا، مجکو ذرہ بھر بھی خیال نہ تھا کہ مین روح کا معترف ہو سکون گا، یا اس بات کا قائل ہو سکون گا کہ اس عالم مین مادہ کے

سوا اور بھی کوئی چیز کوئی اثر پیدا کر سکتی ہے"

"لیکن محسوس حیرت خیز مشاہدات نے مجکو مجبور کر دیا کہ مین ان چیزونکو حقیقی اور واقعی تسلیم کرون، اگرچہ ابھی تک مین یہ تسلیم نہین کرتا تھا کہ یہ آثار روح سے سرزد ہوتے ہین، لیکن ان مشاہدات نے رفتہ رفتہ میری عقل پر اثر کرنا شروع کیا نہ بطریق استدلال وحجت بلکہ یہ مشاہدات کے پے در پے تواتر کا اثر تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ روح کے اقرار کے بغیر کوئی مفر نہ تھا"

پروفیسر ایسٹ جو امریکہ کی سائنٹیفک سوسائٹی کا صدر انجمن ہے اسنے ایک میگزین مین لکھا کہ "چند روز پہلے مجکو اس خیال سے بھی تکلیف ہوتی تھی کہ مجکو ایک ایسا واقعہ لکھنا پڑے گا لیکن اب مین دیکھتا ہون کہ اپنے اعتقاد کو اگر بد دیانتی سے چھپاتا ہون تو مین اپنی عقلی ترقی کو گھٹاتا ہون، یہ تمام سچے مشاہدات دیکھ کر اب مین چپ نہین رہ سکتا ورنہ مین اخلاقی بزدلی کا مرتکب ہونگا"

جرمنی کا مشہور ہیئت دان زولنر بھی اسکی تحقیقات پر متوجہ ہوا، اس کے ساتھ اور چند مشہور فضلا شریک ہوئے جنمین سے بعض کے یہ نام ہین۔

دیبر

فیشنر۔ فزیکل سائنس کا استاد اور یونیورسٹی کا پروفیسر

ونڈٹ۔ نہایت مشہور فاضل اور یونیورسٹی کا پروفیسر

بالآخر بہت سی تحقیقات کے بعد ان تمام فاضلون نے روح کے عجیب وغریب کرشمونکا اعتراف کیا، زولنر بہت بڑا عالم تھا، اس کے اعتراف پر لوگون کو خیال ہوا کہ شاید اسنے

دھوکا کھایا چنانچہ چند مشہور پروفیسروں نے یہ خیال اخبار کے ذریعہ سے ظاہر کیا۔ اس پر زولنر نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام اوراق علیہ ہے، اسمین اسنے نہایت زور شور سے اپنے مشاہدات کا حوالہ دیا، اور اُن کی صحت پر دلائل قائم کیے،

۱۸۹۱ء مین جو علمی کانفرنس منعقد ہوئی اسکے ایک جلسہ مین پروفیسر لودج نے جو بہت بڑا ریاضی دان ہے ایک لکچر دیا اور روح کے متعلق تقریر کرتے وقت کہا کہ "اب وہ وقت آگیا ہے کہ مادی اور روحانی عالم مین ابتک جو حدفاصل تھی وہ ٹوٹ جائے جسطرح اور بہت سی حدین ٹوٹ گئین۔ اس طریقہ سے ثابت ہوجائے گا کہ ممکنات کی کچھ انتہا نہین، اور یہ کہ جسقدر ہم جانتے ہین وہ بمقابلہ ان چیزون کے جو ہم کو معلوم نہین ہین کچھ بھی نسبت نہین رکھتین"،

۲۲۔ جون ۱۸۹۰ء کو جو کانفرنس، منعقد ہوئی اس مین پروفیسر دروتاش نے اپنی اسپیچ مین کہا کہ "خرق عادات جو اُس وقت ہم نے مشاہدہ کیے اور جن کے ذکر سے ان لوگون کو طیش آجاتا ہے جو اپنے آپ کو عالم خیال کرتے ہین اور جزئی مباحث علمیہ پر گفتگو کیا کرتے ہین، اُنہی متواتر مشاہدات کے سلسلہ مین داخل ہین جو ایک مدت سے ہمارے تجربہ مین آرہے ہین اور جن کی نسبت شک کرنا اب غیر ممکن ہوگیا ہے"،

۱۸۹۳ء مین بمقام میلان ایک بہت بڑی کمیٹی منعقد ہوئی جسکے ممبر حسب ذیل تھے

الگزنڈر گزاکوف۔

جیوفانی۔ میلان کے رصدخانہ کا سکرٹری۔

کارل دو پرل جرمنی کا مشہور ڈاکٹر۔

جیوز وب جیروزا۔ فزیکل سائنس کا پروفیسر

پروفیسر شارل ریشیہ۔ فرانس کے طبی کالج کا پروفیسر

لمبروزو

ان علمانے ۱۷ اجلاس مین ان امور کی تحقیقات کی، اور بالآخر اپنی رپورٹ مین لکھا کہ "جو خوارق عادات ہمنے مشاہدہ کیے ان مین کسی قسم کی شعبدہ بازی یا چالاکی نہین تھی، اور یہ مشاہدات یہ درجہ رکھتے ہین کہ مسائل علمیہ مین داخل کیے جائین"

اس قسم کی سیکڑون شہادتین ہین جن کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب طیار ہو گی، اسلیے ہم دائرۃ المعارف کے فقرۂ ذیل پر اکتفا کرتے ہین،

وَلٰكِنَّ يُوْجَدُ وْنَ مِنْ اَهْلِ اَمْرِيْكَا وَ اُوْرُبَا الْمُمْتَازِيْنَ بِالْعُلُوْمِ وَالْفَلْسَفَةِ وَالْحِكْمَةِ وَالسِّيَاسَةِ يَعْتَقِدُوْنَ وُجُوْدَ قُوَّةٍ لَمْ يَكْتَشِفْهَا الْعِلْمُ تَقُوْمُ بِتِلْكَ الْاَعْمَالِ اَوْ اِنْ مَا رَاَوْهُ مِنَ الظَّوَاهِرِ لَا يَنْتَسِبُ اِلَى الْخِدَاعِ اَوِ الشَّعْوَذَةِ وَقَالُوْا اِنْ لَمْ تَكُنْ حَقِيْقَةً فَهِيَ جَدِيْرَةٌ بِالْبَحْثِ وَالتَّاَمُّلِ،

امریکہ اور یورپ کے بہت سے علما جو علوم فلسفہ، حکمت اور سیاست مین ممتاز ہین، اس بات کے معتقد ہین کہ ایک ایسی قوت موجود ہے جسکو علم نے ابتک دریافت نہین کیا تھا۔ وہ قوت ان اعمال کو انجام دیسکتی ہے، ان لوگونکا اعتقاد ہے کہ جو تجربے ان لوگون نے کیے وہ فریب یا شعبدہ نہین قرار دیے جاسکتے، اور اگر وہ حقیقی نہین ہین تو کم ازکم اپنر غور اور تامل کرنا ضروری ہے

جو خوارق عادات ان تجربات اور مشاہدات سے ثابت ہوئے اگرچہ وہ ہزار دنسے

متجاوز ہین لیکن ان کی بنا پر جو کلیات قائم ہوتے ہین اُن کو کامل فلامریان نے حسب ذیل شمار کیا ہے۔

(۱) روح جسم سے جداگانہ ایک وجود مستقل رکھتی ہے۔

(۲) روح مین اس قسم کی خاصیتین ہین جو اب تک علوم موجودہ کی رو سے غیر معلوم تھین،

(۳) روح حواس کی وساطت کے بغیر متاثر ہو سکتی ہے یا دوسری چیز پر اپنا اثر ڈال سکتی ہے،

(۴) روح آیندہ واقعات سے واقف ہو سکتی ہے،

ان شہادتون کو ہم روح کے ثبوت مین پیش نہین کرتے بلکہ ہم صرف یہ ثابت کرنا چاہتے ہین، کہ انسان مین ایک قوت ہے جسکو خواہ روح کہو خواہ ترکیب جسم کا خاصہ مانو، اُس سے ایسے عجیب وغریب افعال سرزد ہوتے ہین جنکو علوم جدیدہ کے اساتذہ بھی خرق عادت سے تعبیر کرتے ہین اور اعتراف کرتے ہین کہ وہ جسم اور مادہ کے دسترس سے باہر ہین، اس بنا پر خوارق عادات سے کسی عاقل کو انکار نہین ہو سکتا، البتہ فرق یہ ہے کہ وہم پرست اور خوش اعتقاد لوگ ان چیزون کی نسبت یہ اعتقاد رکھتے ہین کہ بلا کسی سبب اور واسطہ کے براہ راست خود خدا کی قدرت سے سرزد ہوتے ہین، اور خواص کا یہ اعتقاد ہے کہ عالم اسباب مین ہر چیز وابستۂ علت ہے اسلیے ان خرق عادات کا بھی کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے،

اسلام مین جو حکما اور عرفا گذرے ہین مثلاً امام غزالی۔ ابن رشد۔ شاہ ولی اللہ صاحب وغیرہ سب نے ان خرق عادات کو اسباب کا معلول مانا ہے اور ان اسباب کی تشریح کی ہے جن سے یہ خرق عادات سرزد ہوتے ہین۔ امام غزالی نے تمام معجزات کی تین قسمین قرار دی ہین، حسّی۔ خیالی۔ عقلی۔ پہلی قسم تو اشاعرہ کے استمالت کے لیے قائم کی ہے۔ باقی دو قسمین جو اپنے مذاق کے موافق بیان کی ہین وہ بالکل آج کل کی تحقیقات کے موافق ہین، چنانچہ ہم نے امام غزالی کی سوانح عمری مین جو چھپ کر شائع ہو چکی ہے امام صاحب کی اصلی عبارت نقل کی ہے،

خرق عادت کی نسبت بوعلی سینا کی راے

بوعلی سینا کو بھی ایک مدت تک خرق عادات سے انکار تھا، لیکن جو صوفیہ اُسکے زمانہ مین موجود تھے، ان کے خوارق عادات اس کثرت سے خود اُس کے مشاہدہ مین آئے کہ بالآخر اس کو اقرار کے ساتھ اُن کے اسباب و علل پر غور کرنا پڑا، اشارات مین خود اُسکے الفاظ سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے، وہ خرق عادات کے بیان مین لکھتا ہے،

وَلٰكِنَّهَا تَجَارِب لَمَّا ثَبَتَت طَلَب أَسْبَابُهَا	لیکن یہ تجربے ہین اور جب ثابت ہوئے تو اُنکے اسباب کی جستجو ہوئی
ثُم إِنِّي لَوْ اقْتَصَصْتُ جُزْئِيَّاتِ هٰذَا الْبَابِ فِيمَا	اور اگر مین اس قسم کے جزئیات کا شمار کرون جو مین نے خود دیکھے
شَاهَدْنَاهُ وَفِيمَا حَكَى عَمَّنْ صَدَّقْنَا لَطَالَ الْكَلَامُ	یا ان لوگون نے دیکھے جنکو مین ثقہ سمجھتا ہون تو بہت طول ہو جائیگا

بوعلی سینا نے، مختلف خرق عادات کے مختلف اسباب بیان کیے ہین، انمین سے اس نے سب سے بڑا سبب، قوت نفسانی کا اثر قرار دیا ہے۔ اس کی تفصیل اس کے بیان کے موافق حسب ذیل ہے،

"یہ امر بداہتہً ثابت ہے کہ تخیل اور توہم کا اثر جسم پر پڑتا ہے، مثلاً خوشی سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے۔ بعض دفعہ محض وہم سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے انسان کو کسی کی طرف سے دل مین ناگوار خیالات آتے ہین، ان خیالات سے غصہ پیدا ہوتا ہے، غصہ سے حرارت پیدا ہونی شروع ہوتی ہے، یہان تک کہ پسینہ آجاتا ہے، اس سے اسقدر ثابت ہوا کہ مادیین کا یہ دعوی صحیح نہین کہ مادہ پر صرف مادہ ہی اثر ڈال سکتا ہے۔ خیال۔ وہم۔ غیظ۔ غضب۔ مادہ نہین بلکہ ایک کیفیت ہے، باوجود اس کے انکا اثر جسم پر پڑتا ہے،

جس طرح ان کیفیات سے انسان خود متاثر ہوتا ہے، بعض انسانون مین یہ قوت اس قدر قوی ہوتی ہے کہ وہ دوسرون پر اثر ڈال سکتے ہین، یہ قوت انسانون مین علی قدر مراتب قوی اور ضعیف ہوتی ہے اور بعض انسانون مین اسقدر قوی ہوتی ہے کہ اس سے نہایت عجیب و غریب افعال سرزد ہوتے ہین"

"یہ قوت جس شخص مین فطری اور جبلی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ وہ فطرۃً مقدس اور پاکیزہ خو ہوتا ہے اور اس قوت کو اغراض حسنہ مین استعمال کرتا ہے، وہ نبی یا ولی ہوتا ہے اور اگر اس قوت کے ساتھ فطرۃً بدطینت اور شریر ہوتا ہے اور اس قوت کو بُرے کامون مین صرف کرتا ہے تو وہ جادوگر اور شعبدہ گر ہوتا ہے"

امام غزالی نے معارج القدس مین جہان انبیا کے مختصات لکھے ہین، لکھتے ہین

وَلَا یُنکَرُ اَنْ یَکُوْنَ مِنَ الْقُوَی النَّفْسَانِیَّۃ	اور کچھ بعید نہین کہ بعض لوگون کے قوائے نفسانی

مَاهُوَ اَقْوىٰ فِعْلاً وَتَاثِيْرًا مِنْ اَنْفُسِنَا نَحْنُ حَتّٰى اَوْ يَقْتَصِرَ فِعْلُهَا فِي الْمَادَّةِ الَّتِيْ هُمْ لَهَا وَهُوَ بَدَنُهَا بَلْ اِذَا شَاءَتْ اَحْدَثَتْ فِيْ مَادَّةِ الْعَالَمِ مَا يَتَصَوَّرُهُ فِيْ نَفْسِهَا

ایسے ہون جنکی قوت اور تاثیر ہمارے نفوس سے زیادہ ہو۔ یہان تک کہ انکا اثر اپنے ہی جسم پر محدود نہو بلکہ جس طرح اپنے اجسام پر وہ اثر ڈال سکتے ہین اُوعالم پر بھی ایسا ہی اثر ڈال سکین،

بوعلی سینا نے قوت نفسانی کے متعلق جو خیال ظاہر کیا ہے جدید تحقیقات کے بالکل مطابق ہے، اسپریچولیزم والے تو صاف اعتراف کرتے ہین کہ روح ایک مستقل جداگانہ چیز ہے اور یہ خوارق عادات اسی کے آثار ہین، جو لوگ روح کے قائل نہین ہین انکو بھی مشاہدات اور تجربون کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑا کہ انسان مین کوئی ایسی قوت ہے جس سے وہ خوارق عادات سرزد ہوتے ہین جو جسم اور مادّہ سے سرزد نہین ہوسکتے، چنانچہ اس کے متعلق، یورپ کے بڑے بڑے علماے علوم جدیدہ کی شہادتین اوپر گذر چکین،

غرض، خرق عادت ایسی چیز نہین کہ محض اس کی بنا پر کسی مذہب کو غلط کہدیا جائے، البتہ چونکہ خرق عادت، کوئی معمولی چیز نہین، اسلیے یہ احتیاط کرنی چاہیے کہ جب تک اسکے ثبوت کی قطعی شہادت موجود نہ ہو، ہم اسپر اعتبار نہ کرین قرآن مجید چونکہ قطعی الثبوت ہے اس لیے اسمین جہان خرق عادت کا ذکر ہوگا، واجب التسلیم ہوگا لیکن پہلے یہ امر نہایت غور اور دقت نظر سے طے کرنا پڑے گا کہ فی الواقع قرآن مجید کے الفاظ، اسکے ثبوت مین قطعی الدلالۃ ہین یا نہین؟

مفسرین مین جو محقق گذرے ہین مثلاً قفال۔ ابومسلم اصفہانی۔ ابو بکر اصم وغیرہ،
ان کی تحقیقات کے مطابق قرآن مجید مین، بہت کم خرق عادات مذکور ہین، اور جو واقعی
مذکور ہین ان کی صحت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟

اخیر مین یہ جتا دینا بھی ضرور ہے کہ اشاعرہ اور آج کل کے عام مسلمانون نے خرق
عادت کے مفہوم کو جو وسعت دی ہے، اس کے رو سے ہر قسم کے محالات اور حقیقی ناممکنات
بھی، خرق عادت کے دائرہ مین آجاتے ہین، اور حاشا ہم اُن کے امکان کا دعوی
نہین کرتے۔ مدت کے ڈوبے ہوے آدمیون کو، دریا مین ایک کنکری پھینک کر
زندہ کر دینا خرق عادت نہین بلکہ محال ہے۔ اور خرق عادت کے جواز سے ہمارا یہ
مقصد نہین کہ اس قسم کی دور از کار روایتون کو صحیح تسلیم کیا جائے،

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوّت

بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ،

نبوت کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد آنحضرتؐ کا نبی ہونا ایک بدیہی مسئلہ رہجاتا ہے۔
نبی کی حقیقت جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا اجزاے ذیل سے مرکب ہے خود کامل ہو،
دوسرون کو کامل کر سکتا ہو، اُسکے علوم اور معارف، اکتسابی نہ ہون، بلکہ منجانب
اللہ ہون۔ یہ تمام باتین جس کمال کے ساتھ آپ کی ذات مبارک مین موجود تھین کیا
ابتداے آفرینش سے آجتک اسکی کوئی نظیر مل سکتی ہے؟

غور کرو وہ شخص جسنے کسی قسم کی ظاہری تعلیم نہ پائی ہو۔ جسنے آنکھ کھول کر اپنے گردو پیش۔ بت پرستی کے سوا اور کچھ نہ دیکھا ہو۔ جس کے کانون مین ناقوس کے سوا اورکوئی آواز نہ آئی ہو۔ جسنے الٰہیات۔ اخلاق۔ اصول معاشرت، قانون تمدن کے متعلق ایک حرف بھی کسی سے نہ سنا ہو۔ دفعتہً منظر عام پر آئے اور ایک طرف تو فلسفۂ اخلاق تزکیۂ روح۔ الٰہیات۔ معاد۔ قانون معاشرت اصول تمدن۔ کے وہ دقائق اور نکات بتائے جو کسی حکیم۔ کسی فلسفی کسی مقنن۔ کسی پیغمبر نے کبھی نہین بتائے تھے، دوسری طرف تمام قوم کی قوم مین جو اسوقت۔ جہالت و وحشت۔ جور وظلم فسق وفجور۔ سفاکی وخونریزی مین ڈوبی ہوئی تھی پاکیزہ اخلاق اور سچائی کی وہ روح پھونک دے کہ دفعتہً ان کی کایا پلٹ ہو جائے بجز محمد رسول اللہ کے اور کون ہو سکتا ہے؟

غور کرو آنحضرتؐ کی بعثت کے وقت تمام دنیا کی کیا حالت تھی؟ ہندو اور مصری سیکڑون خدا یا اوتار مانتے تھے، عیسائی تثلیث کے قائل تھے، صابئین، ستارہ پرست تھے، مجوسی یزدان اور اہرمن دو خدا تسلیم کرتے تھے، یہودی توحید کے قائل تھے مگر جس قسم کا خدا مانتے تھے وہ انسان سے کچھ ہی بڑھکر بلکہ بہت سی باتون مین برابر یا گھٹ کر تھا، اہل عرب یا تو خدا کے سرے سے قائل ہی نہ تھے یا مانتے تھے تو اس قسم کا خدا مانتے تھے جس کے نہایت کثرت سے لڑکیان (یعنی ملائکہ) تھین بہت سے فرقے ہر دن کا الگ الگ خدا مانتے تھے۔

یہ انسان کی فطرت ہے کہ جو خیال اُسکے دل مین آتا ہے وہ اُنہی واقعات

روایات، اور خیالات سے ماخوذ ہوتا ہے جو اس کے گرد و پیش پھیلے ہوتے ہیں انہی سے وہ اول بدل کر ایک دوسری صورت بنا لیتا ہے۔ اب غور کرو کہ اگر اس فطرت کے رو سے آنحضرتؐ کے دل میں خدا کا خیال آتا تو اسی قسم کا خدا ہوتا جو اس زمانہ کے لوگوں کا تھا، لیکن آپ نے جس خدا کی تلقین کی وہ ایسا خدا تھا جو واحد محض ہے، جس کی ذات اور صفات میں کسی شخص کو کسی قسم کا اشتراک نہیں، جو نہ زمین میں ہے، نہ آسمان میں، نہ اوپر نہ نیچے نہ دائیں نہ بائیں، نہ زمان میں نہ مکان میں اور پھر ہر جگہ ہے، جو ایک ایک ذرہ کو جانتا ہے۔ چیونٹی کے پاؤں کی آہٹ کو سن لیتا ہے، ہمارے دل کے چھپے ہوئے بھیدوں کو جانتا ہے۔ ایسا منزہ ایسا کامل۔ ایسا بالاتر خدا انسان خود اپنے خیال سے نہیں پیدا کر سکتا تھا، بلکہ وہی خدا یہ خیال پیدا کر سکتا تھا جو ان صفات کے ساتھ موصوف ہے،

عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ آنحضرتؐ نے توریت اور انجیل کی تعلیم پائی تھی

عیسائیوں نے اس بات کے ثابت کرنے کے لیے بہت کوشش کی ہے کہ آنحضرتؐ پڑھے لکھے تھے توراۃ و انجیل سے واقف تھے، اور جرجیس نام ایک عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو خدا کی نسبت آنحضرتؐ کو یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا کیونکہ اس زمانہ کی توراۃ و انجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے جو خود انکا خدا تھا، فرانس کا مشہور فاضل کاؤنٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام[1] میں لکھتا ہے:

"ان روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیوں، یہودیوں

[1] یہ کتاب فرنچ زبان میں تھی مصر کے ایک عالم نے عربی زبان میں اسکا ترجمہ کیا اور ۱۸۹۸ء میں چھاپ کر شائع کیا،

اور ستارہ پرستون کے عقائد بالمشافہہ حاصل کیے تھے، فائدہ سے خالی نہین کیونکہ اس سے ان مقامات کی تشریح ہوتی ہے جہان قرآن اور تورات کی آیتین ہم مضمون ہین لیکن پھر بھی یہ دوم درجہ کی بحث ہے کیونکہ گو یہ فرض کر لیا جائے کہ قرآن آسمانی کتابون سے ماخوذ ہے لیکن یہ مشکل حل نہین ہوتی کہ محمدؐ مین یہ مذہبی روح کیون کر پیدا ہوئی اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا، جو اُن کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا[1]؛

یہی مصنف آگے چلکر لکھتا ہے "یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد تورات اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا ہو، اگر محمدؐ نے ان کتابون کو پڑھا ہوتا تو اُن کو اُٹھا کر پھینک دیا ہوتا کیونکہ وہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھین۔ اس قسم کے اعتقاد کا محمدؐ کی زبان سے ادا ہونا ان کی زندگی کا سب سے بڑا مظہر ہے اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامون تھے"

اب ہم تفصیل کے ساتھ دکھاتے ہین کہ عقائد۔ عبادات۔ اخلاق۔ معاشرت کے متعلق، آنحضرت نے جو اصول اور مسائل، وحی کے ذریعہ سے تلقین فرمائے وہ اس قدر کامل اور اعلیٰ درجہ کے ہین کہ کسی حکیم، اور مقنن کے خیال مین نہین آسکتے اور بغیر وحی الٰہی کے کسی کے خیال مین آ ہی نہین سکتے تھے،

عقائد

سب سے پہلا مرحلہ یہ ہے کہ انسان کو اپنی فکر اور اجتہاد سے عقائد قائم کرنے چاہئین یا دوسرون کی

---

[1] ترجمہ کتاب مذکور بزبان عربی مطبوعۂ مصر صفحہ ۱۸

تقلید اور پیروی سے اسلام سے پہلے جسقدر مذاہب تھے سب مین ائمۂ دین کے سوا باقی تمام لوگ تقلید پر مجبور تھے، عیسائیون مین پوپ یہودیون مین احبار، پارسیون مین دستور ہندوؤن مین ہمنون اور رشیون کے سوا کوئی شخص نہ مذہبی عقیدہ کے متعلق کچھ کہہ سکتا تھا۔ نہ عقائد کے متعلق اپنی رائے قائم کرسکتا تھا،

اسلام نے اس قسم کی تقلید کو شرک قرار دیا اور کہا کہ

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (توبہ۔ آیت ۳)	عیسائیون اور یہودیون نے خدا کو چھوڑ کر اپنے احبار اور رہبانون کو خدا بنالیا ہے،

عقائد مین تقلید کرنا شرک ہے

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل کتاب نے بڑے تعجب سے کہا کہ ہم لوگ احبار اور رہبان کو خدا کہاں کہتے ہین!!! آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ تمھارا عقیدہ ہے کہ بطریق (پادری) جس چیز کو حلال کردیتا ہے، حلال ہوجاتی ہے اور جس چیز کو حرام کردیتا ہے حرام ہوجاتی ہے"

اسی مضمون کو ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا۔

قُلْ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ (آل عمران آیت ۲)	تو کہدے کہ اے کتاب والو! آؤ ایک بات پر جو ہمارے اور تمھارے دونون کے ہان مسلّم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسیکو نہ پوجین اور خدا کے ساتھ کسیکو شریک کرین اور ہم مین سے ایک ایک کو۔ اپنا رب نہ بنائے، خدا کو چھوڑ کر

اسلام نے اس قسم کی جو آزادی دی، اس کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ مین گو نہایت اختلاف مراتب تھا، لیکن عقائد مین کوئی شخص کسی کا مقلد نہ تھا، ایک جاهل بدو بھی

عقائد مین بڑے سے بڑے صحابی کی تقلید نہین کرتا تھا، بلکہ اپنی سمجھ اور عقل سے کام لیتا تھا
اسی کا اثر ہے کہ گو زمانۂ مابعد مین جب اسلام کو تنزل ہوا تو تقلید کا رواج شروع ہوا لیکن یہ مسئلہ
آج تک مسلم رہا کہ لَا یَجُوزُ التَّقْلِیْدُ فِی الْعَقَائِدِ یعنی عقائد مین تقلید جائز نہین،

اسلام کی یہی ہدایت تھی جو ہزار برس کے بعد لوتھر کے خیال مین آئی اور جس کی
بنا پر اُسنے دنیا کو پوپ کی غلامی سے آزادی دلائی۔ یورپ مین ہر قسم کی مذہبی آزادی
کی بنیاد درحقیقت گویا اسلام کی اسی ہدایت پر قائم ہوئی اور قائم ہے،

تفصیلی عقائد

ذات وصفات باری

عقائد مین اہم المسائل اور راس المسائل خدا کے وجود اور اُس کی ذات و صفات کا
مسئلہ ہے، خوب غور سے دیکھو کہ ایسے بڑے ضروری مسئلہ کے متعلق، تمام اہل مذاہب
بلکہ تمام عالم کس قسم کی عجیب وغریب غلطیون مین مبتلا تھا، عیسائی تین خدا مانتے تھے اور
تین کو ایک اور ایک کو تین کہتے تھے، یہ اجتماع النقیضین خود انکی سمجھ مین بھی نہین آتا
تھا لیکن وہ کہتے تھے کہ عقیدہ کا سمجھ مین آنا ضرور نہین، مصری کئی کئی خدا تسلیم کرتے
تھے، پارسیون کی سمجھ مین نہین آتا تھا کہ نیکی و بدی، دونون کا ایک خدا کیونکر ہو سکتا ہے،
اس بنا پر اُنھون نے نیکی و بدی کے الگ الگ خدا قرار دے رکھے تھے ہندؤونکے
ہان کم سے کم تین خدا تھے برہما۔ بشن۔ مہیش۔ اور اوتار تو سیکڑون بلکہ ہزارون،
یہود البتہ ایک خدا کے قائل تھے لیکن اُس کے اوصاف ایسے قرار دیے تھے

تفصیلی عقائد

وجود باری کے متعلق تمام اہل مذاہب کی غلطیان

کہ وہ ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے بڑھ کر نہ تھا،

یہ توان کا حال تھا جو خدا کو کسی نہ کسی صورت مین مانتے تھے، اُس گروہ کی بھی کمی نہ تھی جو سرے سے خدا کے وجود ہی کے قائل نہ تھے۔ یہ مختلف نامون سے موسوم تھے، زندیق دہریہ۔ مادیین وغیرہ وغیرہ؛

دنیا اس عالمگیر تاریکی مین پڑی ہوئی تھی کہ دفعۃً اسلام نے آکر ان تمام غلط خیالات اور معتقدات کا پردہ چاک کر دیا، اُس نے بتایا کہ خدا واحد محض ہے اور زمان و مکان جہت و اشارہ، تحت و فوق، ہر قسم کے قیود و خصوصیات سے مُبرّا ہے، یہ وہ تقدیس و تنزیہ تھی جسپر یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی، اور گبن نے کہا کہ "جب زمان و مکان و جہت و اشارہ، تمام خصوصیتون کو الگ کر لیا جائے تو خیال کے لیے کیا باقی رہجاتا ہے"! بے شبہہ اسلام کو ایسی ہی وسیع الخیالی کی بنیاد قائم کرنی تھی جو جسمانی خصوصیات سے بالکل معرّا ہو،

توحید خالص اور ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال

اسی تقدیس کی بنا پر اسلام نے ہر قسم کی بت پرستی کا استیصال کر دیا کیونکہ اسلام نے خدا کی نسبت جو پاک اور منزّہ خیال قائم کیا تھا وہ ایسا نہ تھا کہ خدا کا تصور، جسمانی پیکر اور صورت کے بغیر، دل مین نہ آسکے۔ ہندو۔ مصری۔ صابی۔ رومن کیتھلک سب خدا کے تصور کے لیے جسمانی تمثل کے محتاج تھے اور اسی وجہ سے بت پرستی مین مبتلا تھے لیکن اسلام مین باوجود سیکڑون ہزارون فرقون کے پیدا ہو جانے کے بھی کسی فرقہ کو آجتک بت پرستی کا کبھی خیال نہ آسکا، آج دنیا مین ہندو۔ عیسائی۔ پارسی وغیرہ وغیرہ

جس قدر روشنضمیر اور بلند خیال ہوتے جاتے ہین، توحید خالص کے قریب آتے جاتے ہین، علم وفن اور خیالات کی وسعت جسقدر بڑھتی جاتی ہے، خدا کی نسبت جسمانی قیود کا خیال مٹتا جاتا ہے،

خداکے تسلیم اور اعتراف کے بعد ایک بڑا مرحلہ یہ تھا کہ بندہ کو خداسے براہ راست کیونکر تعلق ہوسکتا ہے؟ اس ضرورت سے تمام فرقون نے درمیانی واسطے قائم کیے تھے اور اوتارون، دیوتاؤن، پیرون، کا سہارا ڈھونڈھتے تھے، اسلام نے بتایا کہ خدا اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ درمیانی نہین، ہر شخص براہ راست خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اپنی ہر قسم کی حاجتین اور مرادین پیش کرسکتا ہے، خدا کا دربار سعی سفارش۔ توسّط اور شفاعت سے مبرّا ہے، وہ ہر شخص کے پاس ہے، ہر شخص کی آواز سنتا ہے، ہر شخص اُس تک پہنچ سکتا ہے،

درمیانی واسطون کو مٹانا۔

نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ	ہم انسان کی رگ گردن سے بھی زیادہ اُسکے قریب ہین

نبوت

توحید کے بعد **نبوت** کا درجہ ہے، اُسکے متعلق تمام دنیا مین ایک عالمگیر غلطی پھیلی ہوئی تھی، ہر فرقہ اور ہر گروہ یہ سمجھتا تھا کہ انبیا، انسان کے درجہ سے بالاتر ہوتے ہین، یہی خیال تھا، جس نے رام، کرشن، زردشت اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کو عین خدا یا کم از کم مظہر خدا بنا دیا تھا، اسلام نے نہایت زور شور، نہایت آزادی، نہایت دلیری اور سختی سے صاف بتادیا کہ **انبیا** بشریت کے دائرہ سے ایک ذرہ باہر نہین ہین۔

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحٰى اِلَيَّ	اے محمد! کہدو کہ مین تمھین جیسا آدمی ہون، مجھپر وحی آتی ہے

اَنَّمَا اِلٰهُکُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ | کہ تمھارا خدا، واحد ہے۔
لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْدًا لِلّٰهِ | عیسیٰ کو اس بات سے عار نہیں کہ وہ خدا کے غلام ہین۔
قُلْ لَّا اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَائِنُ اللّٰهِ وَلَا اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَا اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ | ای محمد! کہدو کہ مین یہ نہین کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہین نہ مین یہ کہتا ہون کہ مین غیب کی باتین جانتا ہون نہ مین یہ کہتا ہون کہ مین فرشتہ ہون مین تو صرف وحی کا پیرو ہون جو مجھپر آتی ہے،
قُلْ لَّوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ | ای محمد! کہدو کہ اگر مین غیب کی بات جانتا تو بہت کچھ بھلائیان حاصل کرلیتا

دنیا مین جتنے مذہب گذرے ہین سب نے خدائی اور نبوت کے ڈانڈے ملا دیئے تھے یا کم سے کم قریب کر دیے تھے، صرف اسلام کو یہ عزت حاصل ہے کہ اُسنے دونون کی حدین بالکل جدا کر دین،

خوب غور کرو۔ ہم مسلمان، آنحضرت ؐ کو تمام انبیا سے بزرگ، اور افضل مانتے ہین باوجود اسکے حضرت ابراہیم ؑ کو خلیل اللہ، حضرت موسیٰ ؑ کو کلیم اللہ، حضرت عیسیٰ ؑ کو روح اللہ کہتے ہین اور آنحضرت ؐ کو صرف رسول اللہ کے لقب سے یاد کرتے ہین؛ صرف اسیقدر نہین بلکہ نماز ون مین جب شہادتین ادا کرتے ہین تو رسالت کے اقرار سے پہلے عَبْدُهٗ کا لفظ کہتے ہین اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ یعنی ہم گواہی دیتے ہین کہ محمد، خدا کے بندے ہین، اور پھر رسول ہین'' یہ کیون؟ اس لیے کہ خدا کی توحید کا کمال یہی ہے کہ اسکے آگے کوئی شخص گو وہ کسی درجہ کا ہو، بندگی کے درجہ سے بڑھنے نہ پائے، چونکہ آنحضرت ؐ کو

خالص توحید دلون مین جانشین کرتی تھی، اس لیے ضرور تھا کہ خود آنحضرت کے لیے صرف عبدیت اور رسالت کا سادہ لقب اختیار کیا جائے؛

سزا و جزا

معاد اور عذاب و ثواب۔ سزا و جزا کے متعلق تمام اہل مذاہب کا یہ خیال تھا اور آج بھی ہی کہ انسان جب خدا کے احکام کی تعمیل نہین کرتا تو خدا اُس سے ناراض ہوتا ہے اور چونکہ دنیا دارالعمل ہے اسلیے یہان تو انسان کو سزا نہین ملتی، لیکن جب قیامت مین خدا، مسند حکومت پر متمکن ہوگا، تو تمام معاملات اُسکے حضور مین پیش ہونگے اور خدا حسب مراتب لوگونکو اُنکی نافرمانیون کی سزا دیگا، اسیطرح جن لوگون نے اطاعت اور فرمانبرداری کی ہی اُنکو صلے اور انعامات ملینگے

یہ خیال عام طبائع کے بالکل مناسب ہے اور عام لوگونکو نیکی کی طرف مائل کرنے اور بُرائی سے روکنے کے لیے اس سے بہتر کوئی طرز نہین ہو سکتا،

لیکن یہ عذاب و ثواب کی اصلی حقیقت نہین ہے بلکہ اصل حقیقت کے عام فہم کرنے کا ایک پیرایہ ہے۔ اصل حقیقت یہ ہی کہ جس طرح عالم جسمانیات مین اسباب و علل اثر اور مؤثر کا سلسلہ ہے مثلاً سنکھیا قاتل ہے، گلاب محرک نزلہ ہے، املتاس مسہل ہے اسی طرح یہی سلسلہ روحانیات مین بھی قائم ہے، نیک و بد جسقدر افعال ہین انکا نیک یا بد اثر روح پر مترتب ہوتا ہے، اچھے کامون سے روح کو انبساط ہوتا ہے، بُرے افعال سے انقباض، آلودگی اور نجاست کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور یہ وہ نتائج ہین جو اس سے جدا نہین ہو سکتے۔ فرض کرو ایک شخص نے کسی کی کوئی چیز چرائی، اب اگر وہ شخص جس کی وہ چیز تھی معاف بھی کر دے تو چوری کرنے سے اُس شخص کی عزت پر جو داغ آگیا وہ کسی حالت مین زائل نہین ہو سکتا، غرض اچھے افعال سے

روح مین جو سعادت کا اثر پیدا ہوتا ہے اور بُرے کامون سے جو شقادت حاصل ہوتی ہے اسی کا نام عذاب و ثواب ہے اور یہ خود ان افعال کا لازمی اثر ہے۔ امام غزالی مضنون بہ علی غیر اہلہ مین لکھتے ہین،

اَمَّا الْعِقَابُ عَلٰی تَرْکِ الْاَمْرِ وَ ارْتِکَابِ النَّهْیِ فَلَیْسَ الْعِقَابُ مِنَ اللّٰهِ غَضَبًا وَ اِنْتِقَامًا وَ مِثَالُ ذٰلِکَ اَنَّ مَنْ غَادَرَ الْوِقَاعَ عَاقَبَهُ اللّٰهُ بِعَدَمِ الْوَلَدِ فَلَكِن لِكن نِسْبَةُ الطَّاعَاتِ وَالْمَعَاصِیِ اِلَی الْاٰمِ الْاٰخِرَةِ وَلِذَا اَنَّهَا مِنْ غَیْرِ فَرْقٍ فَالسُّؤَالُ عَنْ اَنَّهُ لِمَ تَفْضِیْ الْمَعْصِیَةُ اِلَی الْعِقَابِ کَالسُّؤَالِ فِیْ اَنَّهُ لِمَ یَهْلَکُ الْحَیَوانُ عَنِ السَّمِّ

امر اور نہی کی خلاف ورزی پر جو عذاب ہوگا اسکے یہ معنی نہین کہ خدا کو غصہ آئیگا اور وہ انتقام لیگا بلکہ اسکی مثال یہ ہے کہ جو شخص عورت کے پاس نہ جائیگا اسکے اولاد نہو گی، طاعت و معصیت کیوجہ سے قیامت مین جو ثواب و عذاب ہوگا اسکی بالکل یہی مثال ہے لہذا یہ سوال کرنا کہ گناہ سے عذاب کیون ہوتا ہے گویا یہ سوال کرنا ہے کہ زہر کھانے سے جاندار کیون مرجاتا ہے،

امام صاحب نے اسی کتاب مین یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ خدا نے جن باتون کا حکم دیا ہے یا جن باتونسے روکا ہے اسکی مثال یہ ہے جسطرح ایک طبیب کسی بیمار کو دوا کھانے، اور مضر چیزون سے پرہیز کرنیکا حکم دیتا ہے، مریض اگر طبیب کے حکم کے موافق عمل نہین کرتا تو اسکو ضرر ہوتا ہے، یہ ضرر صرف اسوجہ سے ہوتا ہے کہ مریض نے بدپرہیزی کی لیکن عام طور پر لوگ کہتے ہین کہ مریض نے چونکہ حکیم کی نافرمانی کی اسلیے ضرر ہوا حالانکہ ضرر کی اصلی علت، بدپرہیزی ہے، فرض کرو، کہ طبیب بدپرہیزی سے منع نہ بھی کرتا تاہم بدپرہیزی کرنے سے ضرر ہوتا۔ اسی طرح خدا گناہون کے ارتکاب سے منع نہ بھی کرتا

سلہ امام صاحب کی اصل عبارت ہمنے الغزالی مین نقل کی ہے،

تاہم ان گناہون کے ارتکاب سے روح کو وہی صدمہ اور عذاب ہوتا،

ملاحدہ اعتراض کیا کرتے ہین کہ خدا کو گناہ پر عذاب دینے سے کیا حاصل؟ سزا یا انتقام وہ شخص لیتا ہے جس کو کسی قسم کا نقصان پہونچا ہو یا پہونچنے کا اندیشہ ہو اور خدا اس سے بری ہے، اگر تمام عالم فسق و فجور مین پڑجائے یا نماز روزہ نہ بجا لائے تو اس سے خدا کا کیا بگڑتا ہے، اس صورت مین انتقام لینا بے فائدہ ہے،

ملاحدہ یہ بھی کہتے ہین کہ "درحقیقت تمام اہل مذاہب نے خدا کا تصور بالکل انسانی حیثیت سے کیا ہے، اور چونکہ وہ دیکھتے ہین کہ دنیا کے بادشاہون کو احکام کی نافرمانی سے سخت طیش اور ملال ہوتا ہے اور وہ مجرم کو نہایت سخت سزائین دیتے ہین، اس لیے اہل مذاہب نے خدا کی نسبت بھی یہی خیال قائم کیا کہ وہ گناہون سے ناراض ہوتا ہے، اور قیامت مین گنہگارونکو دوزخ مین عذاب گوناگون دیگا" لیکن عذاب و ثواب کی جو حقیقت ہمنے بیان کی، اسکو اگر ملحوظ رکھا جائے تو ملاحدہ کا اعتراض خود بخود اُٹھ جاتا ہے،

اسلام نے عذاب و ثواب کے متعلق، عام طور پر اگرچہ بیان کا وہی پیرایہ اختیار کیا جو تمام اہل مذاہب کا تھا اور عام طبائع کے لیے وہی طریقہ ناگزیر بھی تھا، لیکن اس باب مین اسلام کو جو ترجیح ہے وہ یہ ہے کہ اسلام نے اصل حقیقت بھی صراحۃً اور کنایۃً ظاہر کی اور یہی وہ خصوصیت ہے جو ہر موقع پر اسلام کو تمام اور مذاہب سے ممتاز کرتی ہے تمام دیگر مذاہب مین صرف عوام کی تلقین و ہدایت کا لحاظ ہے، اصل حقیقت سے یا خود بانیان مذہب بے خبر تھے، یا اگر باخبر تھے تو وہ خواص کی تعلیم و تربیت کو اپنا مقصد

نہین قرار دیتے تھے، بخلاف اس کے اسلام تمام دنیا کی ہدایت کے لیے آیا جس مین، عالم و جاہل، احمق و دانا، عارف و عامی، زاہد و صوفی، ظاہر پرست اور حکیم، سب داخل تھے،

عذاب و ثواب اور معاد کی اصل حقیقت کی طرف قرآن مجید مین جابجا اشارے بلکہ تصریحات پائی جاتی ہین،

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُونَ عِلْمَ الْيَقِينِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيمَ	ہان اگر تم کو علم الیقین ہوتا تو تم دوزخ کو دیکھ لیتے

امام غزالی جواہر القرآن مین اس آیت کی تفسیر مین لکھتے ہین،

أي إِنَّ الْجَحِيمَ فِي بَاطِنِكُمْ	یعنی دوزخ خود تمھارے اندر موجود ہے،

ایک اور مقام پر ہے،

وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ،	کفار تجھ سے کہتے ہین کہ عذاب جلد آجائے، حالانکہ دوزخ نے کافرون کو ہر طرف سے گھیر لیا ہے،

امام غزالی اس آیت کے متعلق، جواہر القرآن مین لکھتے ہین،

وَلَمْ يَقُلْ إِنَّهَا سَتُحِيطُ بَلْ قَالَ هِيَ مُحِيطَةٌ	خدا نے یہ نہین کہا کہ دوزخ آیندہ محیط ہو جائیگی بلکہ یہ کہا کہ الحال وہ محیط ہے

ایک اور جگہ قرآن مجید مین ہے،

إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا،	ہمنے ظالمون کے لیے ایسی آگ مہیا کر رکھی ہے جس کے پردون نے ظالمون کو گھیر لیا ہے،

امام غزالی اس کے متعلق لکھتے ہین،

وَلَمْ يَقُلْ يُحِيطُ بِهِمْ،	خدا نے یہ نہین کہا کہ آیندہ گھیر لیگی (بلکہ یہ کہا کہ اسوقت گھیر لیا ہے)

امام صاحب ان آیتون کی یہ تفسیر لکھکر لکھتے ہین،

فَاِنْ لَمْ تَفْهَمِ الْمَعَانِي لَمْ اَلِكْ فَلَيْسَ لَكَ — تو اگر تم مطالب کو اس طرح نہین سمجھتے تو تم کو قرآن سے

نَصِيْبٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا فِي قُشُوْرِهٖ كَمَا لَيْسَ — صرف اُس کا چھلکا ہاتھ آیا ہو جس طرح بہائم کو گیہون مین

لِلْبَهِيْمَةِ نَصِيْبٌ مِّنَ الْبُرِّ اِلَّا فِي قِشْرِهٖ — سے صرف بھوسی ہاتھ آتی ہے

عبادت

اس مسئلہ کے متعلق بھی تمام مذاہب کو ہمیشہ غلطیان واقع ہوتی آئین، تمام مذاہب نے اس مسئلہ کے متعلق نہ صرف ایک بلکہ متعدد، اور نہ صرف ایک طرح کی بلکہ مختلف قسم کی غلطیان کین

مسئلہ عبادت کے متعلق تمام دیگر مذاہب کی غلطیان

سب سے بڑی یہ غلطی ہے کہ عموماً لوگ سمجھتے آتے ہین کہ **عبادت** خود ایک مقصود بالذات چیز ہے اور اسکا مقصد صرف خدا کی اطاعت کا اظہار ہے، اُس کی مثال یہ ہے کہ مثلاً ایک بادشاہ نے اپنے کسی نوکر کی وفاشعاری اور اطاعت کا امتحان لینا چاہا اور اس بنا پر حکم دیا کہ وہ تمام شب ایک پاؤن کھڑا رہے۔ اس سے نہ بادشاہ کا کوئی نفع ہے، نہ نوکر کا کوئی فائدہ، بلکہ صرف نوکر کی اطاعت کا امتحان ہے۔ اسی طرح ہم جو نمازین پڑھتے ہین، روزے رکھتے ہین، حج کرتے ہین، تو اس سے فقط امتثال امر مقصود ہے، خدا نے حکم دیا۔ ہم بجا لائے، جسقدر ہم تکلیفین اٹھاتے ہین اسی قدر خدا خوش ہوتا ہے۔ مہینون کھانا چھوڑ دینا۔ ایک پاؤن پر رات رات بھر کھڑا رہنا۔ ہاتھ کو ہوا مین معلق رکھکر خشک کر دینا، جاڑون مین برہنہ آسمان کے نیچے سونا۔ چالیس چالیس دن کا چلہ کھینچنا۔ شادی نہ کرنا، تمام عمر جوگی پن اور رہبانیت مین بسر کرنا۔ اس قسم کی جو باتین ہندوؤن، عیسائیون، اور دیگر مذاہب مین پائی جاتی ہین، سب کی بنیاد اسی خیال پر ہے،

اس خیال نے یہان تک ترقی کی کہ جان کی قربانی تک نوبت آئی بہت سے لوگ خود اپنے آپ کو بل چڑھا دیتے تھے، ان سے گھٹ کر اولاد کی قربانی کرتے تھے،

حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دل مین جو خیال یا خیالات آسکتے ہین وہ صرف وہی ہوتے ہین جو گرد و پیش کی چیزون سے پیدا ہو سکتے ہین۔ انسان کسی ایسی چیز کا خیال نہین کرسکتا جو اُسکے حواس سے بالاتر ہو، اُسنے جو کچھ دیکھا یا سنا ہے، اُسی کو بڑھا کر گھٹا کر بگاڑ کر، یا ترقی دے کر، ظاہر کرتا ہے، لیکن کوئی خیال خود پیدا نہین کرسکتا،

انسان کے دل مین جب خدا کا خیال ایک شاہنشاہ مطلق کی حیثیت سے آیا، تو ضرور تھا کہ اُسکے صفات بھی اُسی شاہنشاہی رتبہ کی حیثیت سے ذہن مین آئین، انسان نے شاہون، اور شہنشاہون، کے متعلق جو کچھ دیکھا یا سنا تھا یہی تھا کہ وہ اظہار اطاعت سے خوش ہوتے ہین، جان نثاری، ادب، عاجزی، خشوع اور تعظیم کو پسند کرتے ہین، اور جو شخص جسقدر زیادہ اِن خدمات کو بجا لاتا ہے وہ انعام سلطانی کا اسی قدر زیادہ مستحق ہوتا ہے، انہی خیالات کے لحاظ سے انسان کو خدا کی عبادت کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ہر مذہب مین عبادت کے جس قدر اقسام ہین سب مین انہی اصول کا عنصر پایا جاتا ہے یہی بات ہے جس کی بنا پر یورپ کے ملاحدہ کہتے ہین کہ مذہبی خیالات، خود انسان نے اپنے حالات کے اقتضا سے پیدا کر لیے ہین، یورپ مین حکماے حال نے جب فطری مذہب کے اصول و فروع منضبط کیے تو عبادت کی حقیقت پر غور کی چنانچہ انھون نے اسکے لیے یہ اصول قرار دیے،

(۱) انسان کے جسقدر فرائض زندگی ہین، مثلاً کسب معاش، پرورش اولاد، محبت وطن، وغیرہ وغیرہ ان سب کو عبادات مین شمار کیا جائے

(۲) عبادات جسمانی مثلاً نماز روزہ وغیرہ مقصود بالذات نہ قرار دی جائین بلکہ غرض یہ ہو کہ اُنپر کوئی اخلاقی نتیجہ مترتب ہو،

(۳) اعتدال کی حد سے متجاوز نہ ہون،

(۴) یہ قرار دیا جائے کہ خدا کو عبادت سے کچھ غرض نہین عبادت سے خود ہمارا فائدہ ہے

یہ وہ اصول ہین جو اس زمانہ ترقی مین یورپ نے دریافت کیے جب کہ فطرت کے رازہاے سربستہ کا طلسم کھل گیا ہے لیکن قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے یہ اسرار بتا دیے تھے، سب سے پہلے یہ بتایا کہ خدا کو بندون کی عبادت کی کچھ پروا نہین،

مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا یُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ	جو شخص محنت اُٹھاتا ہے تو اپنے لیے اُٹھاتا ہے خدا
اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ	تمام عالم سے بے نیاز ہے

پھر کُلی طور سے بتایا کہ عبادات سے خود انسان کو فائدہ پہونچتا ہے، اور خدا نے جو عبادت کا حکم دیا ہے خود انسان کے فوائد کے لحاظ سے دیا ہے،

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَیْهَا	جو شخص اچھا عمل کرتا ہو اپنے لیے کرتا ہو اور جو بُرا کرتا ہو تو اپنے لیے
مَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ	خدا نہین چاہتا کہ دین مین تمھارے اوپر کچھ دقت پیدا
وَّلٰکِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَکُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْکُمْ	کرے بلکہ وہ یہ چاہتا ہو کہ تمکو پاک کرے اور تمپر اپنی نعمت کو تمام کرے

ـــه پروفیسر ڈول سیان (تطبیق صفحہ ۳)

پھر عبادات مین سے ایک ایک عبادت کے الگ الگ نتائج اور فائدے بیان کیے،

نماز کی نسبت کہا۔

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ	نماز فحش اور لغویات سے روکتی ہے۔

روزہ کی نسبت فرمایا

لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ	غالبًا تم پرہیزگار ہو جاؤ گے،

حج کی نسبت فرمایا

لِیَشْھَدُوْا مَنَافِعَ لَھُمْ (حج)	تاکہ اپنے فائدہ کی جگہ آئین،

زکوٰۃ کے فوائد محتاج بیان نہین

ان باتون کے ساتھ تمام عبادات مین اس بات کو ملحوظ رکھا کہ اعتدال سے تجاوز نہ کرنے پائین اور اُنکے ادا مین کسی قسم کی دقت اور دشواری نہ پیش آئے،

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ	خدا تم سے آسانی چاہتا ہے نہ دشواری
مَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیَجْعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ	خدا نہین چاہتا کہ مذہب مین تمپر کسی قسم کی دقت واقع ہو
یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ۔	خدا چاہتا ہے کہ تمھارا بوجھ ہلکا کرے
لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا	خدا کسی کو اُسکی طاقت سے زیادہ تکلیف نہین دیتا

ان سب باتوں سے بڑھکر یہ کہ انسان کی تمام ضروریات زندگی کو عبادت قرار دیا اُنکی ادا اور بجا لانے کی تاکید کی

تجارت کے متعلق فرمایا

فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ	دنیا مین پھیل جاؤ اور خدا کے عطیہ (رزق) کو ڈھونڈھو

اولاد کی خواہش کو صلحا ومقربین کے خصائص مین شمار کیا قرآن مجید مین جہان خواص امت کے اوصاف گنائے ایک وصف یہ بیان کیا،

وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ	اور وہ لوگ جو کہتے ہین کہ اے خدا ہماری بیویون سے اور ہماری اولاد سے ہماری آنکھین ٹھنڈی کر،

اسی بنا پر تمام صحابہؓ جو اسلام کی اصلی تصویر تھے، زندگی کی ضروریات کو سچائی اور دیانت داری سے انجام دینا عبادت سمجھتے تھے، آج بھی مسلمانون کا خیال ہے کہ صحابہؓ کا چلنا پھرنا۔ کھانا پینا۔ نکاح کرنا۔ خانہ داری کے کامون کو انجام دینا، سب عبادت تھا" صحابہؓ کی تخصیص نہین، ہر شخص کے یہ افعال عبادت ہین، بشرطیکہ اسی طرح کیے جائین جس طرح صحابہؓ کرتے تھے،

حقوق انسانی

حقوق انسانی۔ انسان کو مختلف طبقات انسان سے جو تعلقات ہین وہ انسان پر مختلف حقوق پیدا کرتے ہین، اور یہی حقوق، علم الاخلاق اور قانون، بلکہ اصول تمدن کی بنیاد ہین، دنیا مین جسقدر مذاہب ہین سب نے کم وبیش ان حقوق سے اُس حد تک بحث کی ہے جہان تک وہ اخلاق کے دائرہ مین آسکتے ہین۔ بعض مذاہب نے زیادہ وسعت حاصل کی اور نکاح وو راثت ووصیت وغیرہ کو بھی اپنے دائرہ مین داخل کرلیا ہے، لیکن یہ تعلقات ایسے مشتبہ نازک اور دقیق ہین کہ اُن کے متعین کرنے مین اور پھر اُنسے جو حقوق پیدا ہوتے ہین اُن کے قرار دینے مین اکثر غلطیان واقع ہوتی ہین ان تمام مسائل مین اسلامی شریعت مین جو نکتہ سنجی پائی جاتی ہے، اسکی نظیر بانیان مذہب

اور حکما کسی کے ہان نہین مل سکتی، اور یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ شارع اسلام نے جو کچھ کہا وہ الہام اور وحی تھا ورنہ یہ کیونکر ممکن تھا کہ جن نکتون تک بڑے بڑے حکما کی بھی رسائی نہ ہوسکی، وہ ریگستانِ عرب کے ایک اُمی کی زبان سے ظاہر ہوتے۔

حقوق انسانی کا پہلا مسئلہ یہ ہے کہ انسان کو خود اپنے آپ پر کیا حق حاصل ہے؛ جہان تک تاریخ سے معلوم ہوتا ہے تمام دنیا مین یہ مسئلہ تسلیم کیا جاتا تھا کہ ہر شخص اپنے نفس کا آپ مالک ہے، اسی بنا پر خودکشی کرنا کوئی جرم نہین خیال کیا جاتا تھا، یونان کے بڑے بڑے حکما خودکشی کو جائز سمجھتے تھے یہان تک کہ وہان کے بعض نامور حکما نے اپنے تئین آپ ہلاک کر لیا تھا،

خودکشی کا مسئلہ

سب سے پہلے قرآن مجید نے اس نکتہ کو ظاہر کیا اور اس بنا پر خودکشی کی ممانعت کی

وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ — اپنے آپ کو قتل نہ کرو

اسلام نے خودکشی کو مٹا دیا

اس مسئلہ نے اولاد کے حقوق پر بڑا اثر کیا تھا، انسان، اولاد کو درحقیقت اپنا ہی ایک دوسرا وجود خیال کرتا ہے، اسی بنا پر اولاد کو اپنی جان کے برابر عزیز رکھتا ہے اور چونکہ انسان اپنے نفس کا آپ مالک ہے اس لیے جس قسم کا اختیار اُس کو اپنی ذات پر ہے اولاد کی نسبت بھی خیال کرتا ہے۔ اسی بنا پر مختلف شکلون مین قتل اولاد کی بنیاد قائم ہو گئی تھی ہندوستان اور کارتھج مین عینِ تہذیب و تمدن کے زمانہ مین بھی اولاد کو بتون اور دیویون پر نذر چڑھاتے تھے، ہندوستان اور خود عرب مین نہایت کثرت سے دخترکشی جاری تھی، اسپارٹا اور روم مین بدصورت اولاد کو راستہ پر پھینک دیتے تھے، ارسطو اور افلاطون جیسے نامور حکیم

تمام دنیا مین قتل اولاد کسی صورت مین رائج اور جائز تھا

اس بات کو جائز رکھتے تھے، کہ ضعیف اولاد ضائع کردی جائے، ارسطو کی راے تھی کہ لنگڑے لڑکے پرورش کے قابل نہین، اسپارٹا مین جب لڑکا پیدا ہوتا تھا، تو بزرگان قوم کے سامنے پیش کیا جاتا تھا، اگر وہ تندرست اور قوی ہوتا تھا تو زندہ رکھا جاتا تھا ورنہ ٹاکیٹس پہاڑ سے اُس کو گرا دیتے تھے۔ اور بہت سی قومون مین اس قسم کا رواج پایا جاتا تھا سب سے پہلے قرآن مجید نے اس جور و ظلم کو مٹایا۔

اسلام نے قتل اولاد کو مٹایا

لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ	اپنی اولاد کو قتل نہ کرو،
وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ	اور اسی طرح اُنکے شریکون نے اولاد کے قتل کرنے کو اُن کی نظر مین اچھا دکھلایا۔

عورتون کے حقوق ۔ عورت جو نوع انسانی کا نصف حصہ ہے، اُس کے حقوق کی نسبت دنیا کے مختلف حصون مین سیکڑون ہزارون قانون بنے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ اُس وقت تک اس فرقہ نے اپنے حقوق کی داد نہ پائی جب تک اسلام دنیا پر سایہ افگن نہ ہوا،

دنیا کے مختلف ممالک کو فطرت نے خاص خاص خصوصیتون مین ممتاز پیدا کیا تھا، ان مین سے رومن کو قانون سے خاص مناسبت تھی جس طرح یونان کا فلسفہ، اٹلی کی مصوری ایران کی نفاست پسندی، شہرت عام رکھتی تھی، اسی طرح، رومن کا قانون، تمام دنیا مین اعلیٰ اور افضل تسلیم کیا جاتا تھا، رومن کے قانون آج بھی تمام یورپ کے قوانین کا سنگ بنیاد ہین، اس اعلیٰ ترین قانون مین عورتون کے جو حقوق تھے وہ یہ تھے عورت شادی کے بعد شوہر کی زر خرید جائداد ہو جاتی تھی، اسکا تمام مال و متاع خود بخود شوہر کی

عورتون کے حقوق

ایک ہو جاتا تھا۔ وہ جو کچھ زر و مال پیدا کرتی تھی سب شوہر کا ملوکہ ہو جاتا تھا، وہ کوئی عہدہ نہین پا سکتی تھی، وہ کسی کی ضامن نہین ہو سکتی تھی، وہ ادائے شہادت کے قابل نہ تھی، وہ کسی سے کوئی معاہدہ نہین کر سکتی تھی یہان تک کہ مرنے کے وقت کوئی وصیت بھی نہین کر سکتی تھی[1]

رومن سلطنت نے جب عیسائی مذہب قبول کیا تو کچھ کچھ اصلاحین ہوئین لیکن وہ اصلاحین محض وقتی تھین یعنی چند روز کے بعد پھر وہی پرانے اصول قائم ہو جاتے تھے۔

رومن لا

۵۸۶ء مین ایک بہت بڑا جلسہ یورپ مین اس مسئلہ کے طے کرنے کے لیے منعقد ہوا کہ عورت کی روح ہے یا نہین۔ جلسہ نے بڑی فیاضی سے کام لیکر اسقدر تسلیم کیا کہ "عورت نوع آدم مین داخل ہے اور اسلیے ذی روح بھی ہے لیکن اس کے پیدا کرنے کی غرض صرف یہ ہے کہ مرد کی خدمت کرے"

انگلستان مین ایک مدت تک اسی قسم کے قوانین جاری رہے یعنے نکاح کے بعد عورت کا وجود شوہر کا وجود ہوتا تھا، وہ خود کسی قسم کا معاہدہ نہین کر سکتی تھی، اس کی تمام جائداد شوہر کی ملک ہو جاتی تھی، اور وہ اس کو جس طرح چاہتا صرف کر سکتا تھا؛ تیس برس سے کم ہوئے کہ وومن ایکٹ بنا جس سے ان قوانین مین اصلاح ہوئی تاہم بہت سی بے اعتدالیان اب تک قائم ہین۔

یہودیون کے ہان نکاح درحقیقت عورت کا خرید لینا تھا اور اس کی قیمت عورت کے باپ کو ملتی تھی،

[1] برٹانیکا انسائیکلو پیڈیا لفظ وومن (عورت)

ہندوؤن کے ہان بعینہ رومن لا کے سے قواعد تھے، یعنی اس کی جائداد، شوہر کو ملجاتی تھی وہ کسی قسم کی خودمختارانہ معاملہ و معاہدہ کی مجاز نہ تھی، بیوی لڑکی، مان وغیرہ کو میراث کا کوئی حصہ بجز حق پرورش کے نہین ملتا تھا،

عرب جو اسلام کا سرچشمہ ہے وہان یہ حالت تھی کہ عورت کو وراثت کا مطلقاً کوئی حصہ نہین پہنچتا تھا۔ باپ مرتا تھا تو اس کی بیویان، بیٹے کو وراثت مین ملتی تھین اور وہ اُنکو اپنی بیویان بنا لیتا تھا، نکاح کے چار طریقے تھے، جن مین سے تین طریقے حسب ذیل تھے، دو شخص اپنی بیویون کو مدت معین کے لیے آپس مین بدل لیتے تھے، چند آدمی ایک عورت کے ساتھ مباشرت کرتے تھے اور دوسرے تیسرے دن وہ عورت ان مین سے کسی کے پاس کہلا بھیجتی تھی کہ تم سے مجکو حمل رہ گیا ہے۔ پھر وہ اُس کی اولاد قرار پاتی تھی۔ چند آدمی ایک عورت کے ساتھ ہم صحبت ہوتے تھے، اور جب لڑکا پیدا ہوتا تھا تو قیافہ شناس یہ فیصلہ کرتا تھا کہ فلان شخص کا نطفہ ہے چنانچہ وہ اُسکی اولاد قرار پاتا تھا، چنانچہ نکاح کی یہ تینون صورتین صحیح بخاری مین حضرت عائشہؓ کی روایت سے مذکور ہین،

اسلام نے عورتون کو کیا حقوق دیے

اب دیکھو! قرآن مجید نے عورتون کے حق مین کیا کیا؟ لیکن اس کے بتانے کے قبل اس امر کا ذکر کرنا ضرور ہے، کہ یورپ کے اکثر مصنفون کا دعویٰ ہے کہ اسلام مین جسقدر احکام اور مسائل ہین وہ سب دوسرے مذاہب کی نقل ہین، شارع اسلام نے اپنی طرف سے خود کوئی نیا مسئلہ اضافہ نہین کیا، عورتون کے متعلق عیسائیون۔ یہودیون، ہندؤن کے ہان جو قواعد تھے وہ تم پڑھ چکے اب خیال کرو، کہ اسلام نے اُن کی نقل کی ہے یا خود ایسے

فلسفیانہ اصول اور مسائل قائم کیے جن کی طرف کبھی کسی کا خیال بھی نہین پہنچا تھا،

سب سے پہلے قرآن مجید نے یہ بتایا کہ عورت و مرد مین کس قسم کا فطری تعلق ہے اور یہ کہ عورت، انسانی معاشرت کی جزو اعظم، اور مرد کی راحت و تسلی ہے،

وَخَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (روم)

اور تمھارے لیے خود تمھاری ہی جنس سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم اُنکے پاس آرام پاؤ اور تم دونون مین محبت اور پیار پیدا کیا

پھر مختلف پیرایون مین یہ ظاہر کیا کہ مرد، عورت، برابر درجہ کے دو رفیق ہین، دونون ایک دوسرے کے محتاج الیہ ہین، دونون کے تعلقات۔ دونون کی حیثیت، دونون کے حقوق برابر درجہ کے ہین،

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (بقرہ)

عورتین تمھارا لباس ہین اور تم اُنکا،

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

عورتون پر مردونکے جو حقوق ہین اُسی قسم کے اُنکے حقوق مردون پر ہین

قرابت کے تعلقات کے جو مدارج ہین، ان مین مرد و عورت، ایک درجہ پر ہین مثلاً ماں۔باپ کا ایک درجہ ہے، بہن بھائی کی ایک حیثیت ہے، چچا اور پھوپھی کا یکسان مرتبہ ہے، قرآن مجید مین باپ ماں کا جہان ذکر ہے برابر درجہ کی حیثیت سے ہے،

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَاِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا

اور ماں باپ سے نیکی کرنا۔ اور جو کوئی ان دونون مین سے بڑھا ہو جائے تو نہ جھڑک اُن کو اور نہ ڈانٹ بتا۔ اور اُنسے ادب کی بات کر۔ اور اُن کے آگے پیار سے عاجزی کے کندھے جھکا اور کہہ کہ اے خدا اُن پر رحمت کر

كَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِيْرًا۔ | جس طرح دونون نے مجکو بچپن مین پالا،

مان کے حقوق کو زور دے کر بیان کیا،

حَمَلَتْهُ اُمُّهٗ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا (احقاف) | مان نے اسکو پیٹ مین تکلیف کے ساتھ رکھا اور تکلیف سے جنا

رومیون اور ہندؤن کے اس قانون کے مقابلہ مین کہ عورت، کا مال ومتاع سب شوہر کا ہو جاتا ہے۔ قرآن نے یہ کہا،

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ۔ مرد جو کمائین وہ اُنکا ہے، اور عورتین جو کمائین وہ اُنکا۔

ہندؤن مین اور خود عرب جاہلیت مین عورت جو میراث سے بالکل محروم رہتی تھی، اس کے مقابلہ مین یہ کہا۔

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ | باپ مان، اور رشتہ دارون کی وراثت مین مرد کا حصہ ہے
وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ | اور اسیطرح باپ مان اور رشتہ دارونکی وراثت مین عورتونکا حصہ ہے

دختر کُشی کے رسم کو ان لفظون سے مٹایا اور اسطرح مٹایا کہ تیرہ سو برس سے آج تک مسلمانون مین ایک واقعہ بھی وجود مین نہ آیا۔

وَاِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُىِٕلَتْ بِاَيِّ | اور جب کہ مؤدۃ (زندہ دفن کی ہوئی لڑکی) اسکی بابت
ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ۔ | سوال ہو گا کہ کس جرم پر وہ قتل کی گئی تھی،

جاہلیت مین دستور تھا، کہ جب کوئی شخص مرجاتا تھا تو اُس کے بھائی زبردستی اُسکی بیوہ سے نکاح کر لیتے تھے، یا اُسکو نکاح سے باز رکھتے تھے، اور جب اُس سے کچھ رقم وصول کر لیتے تھے تب شادی کی اجازت دیتے تھے ان رسمون کو یہ کہکر مٹایا۔

لَا یَحِلُّ لَکُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ کَرْھًا وَلَا تَعْضُلُوْھُنَّ لِتَذْھَبُوْا بِبَعْضِ مَا اٰتَیْتُمُوْھُنَّ	تمکو یہ جائز نہین کہ زبردستی عورتونکو وراثت مین لیلو۔ اور نہ یہ کہ انکو روکے رکھو تاکہ جو کچھ انکو مل چکا ہو اسمین سے کچھ لیلو۔

مہر جو لڑکی کے باپ کو ملتا تھا اور جس کے عوض وہ گویا لڑکی کو فروخت کردیتا تھا اس کے بجاے یہ کہا۔

وَاٰتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِھِنَّ نِحْلَۃً (نساء)	اور دو عورتون کو اُن کے مہر خوشی سے ،

روزانہ معاشرت مین عورتون کے ساتھ جس لطف، محبت، یگانگت، مُساوات کے ساتھ پیش آنا چاہیے اُس کو ان جامع الفاظ مین ادا کیا،

وَعَاشِرُوْھُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ	اور معاشرت کرو عورتون سے بطرز معقول۔

زن و شوئی کے تعلقات مین سب سے اہم اور نازک مسئلہ طلاق کا مسئلہ ہے اس بحث کی نازک اور مشکل ہونے کا یہ اثر تھا کہ باوجودیکہ دنیا کی تمام قومون نے اس کے متعلق مختلف پہلو اختیار کیے لیکن سب کے سب غلط تھے اور آج بھی جب کہ دنیا۔ اسقدر ترقی کر گئی ہے، یہ غلطیان قائم ہین، عیسائیون مین اسقدر سختی ہے کہ زنا کے سوا کسی حالت مین طلاق ہو ہی نہین سکتی اسکا نتیجہ یہ ہے کہ آج کل یورپ مین جو تہذیب و تمدن کا مرکز ہے، اس مسئلہ کی وجہ سے ہمیشہ نہایت سخت ناگوار اور پُر فضیحت واقعات پیش آتے رہتے ہین، سیکڑون زن و شوہین جن مین حد درجہ کی سوء مزاجی اور نا اتفاقی ہے، ناموافقت نے دونون کا عیش تلخ کر دیا ہے، ملنا جلنا بالکل بند ہے، ازدواج کے جو فوائد اور مقاصد ہین وہ بالکل معدوم ہین، سالہا سال اسی کوفت مین بسر ہوتے ہین لیکن

اس مصیبت سے چھوٹنے کی صرف یہ تدبیر ہی کہ زنا کا واقعہ ثابت کیا جائے، بڑے بڑے اکابر اور اعیان سلطنت، عدالتون مین اپنی بیویون کی زنا کاری کا دعوی کرتے ہین اور سیکڑون ہزارون آدمیون کے مجمع مین اس شرمناک واقعہ کی شہادت پیش کرتے ہین، مدتون یہ سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس کے متعلق جو کاغذات مرتب ہوتے ہین، وہ ہر قسم کی فضیحتی۔ رسوائی۔ بے شرمی، اور بے حیائی کا انبار ہوتے ہین، لیکن یہ سب اس لیے گوارا کرنا پڑتا ہے کہ ان بیحیائیونکے بغیر عورت کے پنجہ سے رہائی نہین ہوسکتی۔ ہندو قانون بھی اس باب مین عیسائیون ہی کے مشابہ ہے،

دوسری طرف یہودی ہین جن کے ہان بات بات پر طلاق جائز بلکہ مستحسن ہے، کھانے مین نمک تیز ہوجائے یا اپنی بیوی سے زیادہ خوبصورت عورت ہاتھ آجائے تو بے تکلف طلاق دی جاسکتی ہے۔ اب دیکھو اسلام نے اس نازک اور دقیق مسئلہ کو کیونکر حل کیا،

قرآن مجید نے پہلے مختلف پیرایون مین یہ تلقین کی کہ مرد و عورت کا تعلق نفس پرستی اور رفع شہوت کے لیے نہین ہے بلکہ حسن معاشرت اور پایدار ربط و الفت کے لیے ہے،

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ	قید مین رہنے کو نہ مستی نکالنے کو
خَلَقَ لَكُمْ مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوْا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَّرَحْمَةً	تمھاری جنس سے تمھارے لیے بیویان پیدا کین تاکہ تم تسکین پاؤ انسے اور تم دونون مین پیار اور محبت پیدا کی،

اب فرض کرو کہ کسی مرد کو عورت ناپسند آئے اور وہ اس سے قطع تعلق کرنا چاہے اس صورت مین اسلام نے تاکید کی کہ مرد کو تحمل اور صبر سے کام لینا چاہیے،

فَاِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسٰى اَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (نساء)	تو اگر تم ان کو ناپسند کرو تو یہ ہو سکتا ہے کہ تم کو ایک چیز ناپسند ہو اور خدا اُس میں بہت کچھ بھلائی پیدا کرے،

یہی تلقین عورت کو بھی کی۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ (نساء)	اور اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کیطرف سے ناراضی یا بیرخی کا ڈر ہو تو ان میں کچھ مضائقہ نہیں کہ دونوں صلح کر لیں اور صلح اچھی چیز ہے

پھر عورت کی بدخوئی اور بدمزاجی کے رفع کرنے کی تدبیریں بتائیں کیونکہ بدمزاجی کو ہمیشہ برداشت کرتے رہنا حقیقت میں تکلیف مالایطاق ہے،

وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا۔	اور جن عورتوں کی نافرمانی کا تمکو خوف ہو تو اُن کو نصیحت کرو اور انکو چھوڑ دو اُنکی خوابگاہ میں۔ اور انکو مارو خفیف طور پر پھر وہ اگر کہا مانیں۔ تو اُنکے خلاف حیلے نہ ڈھونڈھو،

اسپر بھی اگر اتفاق اور آشتی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں قبل اسکے کہ خود مرد اور عورت کوئی فیصلہ کریں، اس بات کا حکم دیا کہ قوم کو اس معاملہ میں مداخلت کرنی چاہیے کیونکہ اس قسم کے معاملات میں، جو تمدن اور معاشرت انسانی سے تعلق رکھتے ہیں، ہر شخص مجموعۂ قومی کا ایک جزو ہے اور اس کے افعال اور اعمال کا اثر تمام قوم پر پڑتا ہے اس لیے پبلک اور قوم کو اس میں مداخلت کا حکم دیا اور فرمایا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا	اور اگر تم کو خوف ہو کہ آپس میں ناراضی ہو جائیگی تو ایک پنچ مرد کے گھرانے سے اور ایک عورت کے گھرانے سے مقرر کرو،

یہ تدبیر بھی اگر کارگر نہ ہوئی اور مرد نے قطعی ارادہ کر لیا کہ طلاق دیگا، تو اس ناگزیر صورت مین اسلام نے **طلاق** کی اجازت دی، لیکن اسکے ساتھ کس قدر مختلف باتونکا لحاظ رکھا،

سب سے پہلے یہ کہ طلاق کا یہ طریقہ بتایا کہ تین مہینے مین بتدریج طلاق دی جائے یعنی ہر مہینہ مین ایک طلاق، (اصطلاح مین اس فاصلہ کو عدت کہتے ہین) یہ فاصلہ اس غرض سے مقرر کیا کہ شاید اس اثنا مین سوچ سمجھ کر، مرد اپنی راے سے باز آجائے،

اس کے ساتھ پھر فرمایا،

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْا اِصْلَاحًا (بقرۃ رکوع ۲۸)	اور اُنکے خاوندون کو زیادہ حق ہے کہ واپس لے لین، اگر چاہین صلح کرنی،

پھر یہ قاعدہ مقرر کیا کہ

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔	پھر اگر مرد نے طلاق دیدی تو اب وہ عورت اس کیلیے کبھی جائز نہو گی جبتک دوسرا نکاح نکرلے اور شوہر ثانی بھی اسکو طلاق نہ دیدے

اس قید کے لگانے سے یہ غرض ہے کہ مرد کو یہ خیال پیدا ہو کہ اگر مین نے طلاق دیدی اور آیندہ چل کر، میری طبیعت اتفاقاً پھر اُس کی طرف مائل ہوئی تو اب اس کے ہاتھ آنے کی کوئی صورت نہ رہے گی، بجز اس کے کہ وہ دوسرے کے تصرف مین رہکر آئے اور یہ ظاہر ہے کہ اس عار کو کون گوارا کریگا ع عقیق کندہ نام دگر چہ کار آید،

اسکے ساتھ یہ قرار دیا کہ طلاق دینا کوئی خانگی معاملہ نہین، بلکہ اُس کو قوم کے سامنے ظاہر کرنا اور شہادت دلوانا پڑے گا،

فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ فَارِقُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَّاَشْهِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ ،

پھر جب وہ پہنچین اپنے عدت کو۔ تو یا رکھ لو انکو معقول طریقہ پر۔ یا چھوڑ دو معقول طریقہ پر۔ اور گواہ مقرر کر لو اپنے معتبر آدمی۔ اور ٹھیک گواہی دو خدا کے لیے ،

اس سے یہ غرض ہے کہ طلاق جب ایک پبلک معاملہ قرار پائیگا اور اس کے ثبوت کے لیے گواہ اور شاہد مقرر کرنے ہونگے تو غیرتمند آدمی مشکل سے طلاق پر آمادہ ہوگا ،

ان تمام باتون کے ساتھ مرد نے طلاق دے ہی دی تو اس صورت مین قواعد ذیل کی پابندی ضروری قرار دی ،

لَا تُخْرِجُوْهُنَّ مِنْ بُيُوْتِهِنَّ (سورۂ طلاق) اَسْكِنُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ سَكَنْتُمْ مِّنْ وُّجْدِكُمْ وَلَا تُضَآرُّوْهُنَّ لِتُضَيِّقُوْا عَلَيْهِنَّ ۔ وَاِنْ كُنَّ اُولَاتِ حَمْلٍ فَاَنْفِقُوْا عَلَيْهِنَّ حَتّٰى يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ فَاِنْ اَرْضَعْنَ لَكُمْ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ وَاْتَمِرُوْا بَيْنَكُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ،

عدت کے زمانہ مین عورتون کو اُنکے گھرون سے نہ نکالو انکو رہنے کا مکان دو جہان تم خود رہتے ہو اپنے مقدور کے موافق اور انکو نقصان نہ پہنچاؤ دق کرنے کو۔ اور اگر وہ حاملہ ہون تو بچہ جننے تک اُنکا نان ونفقہ دو۔ اور اگر وہ دودھ پلائین تمھاری خاطر تو ان کو اجرت دو۔ اور آپسمین نیکی کے ساتھ معاملہ کرو ،

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ

اور مطلقہ عورتونکو دستور کے موافق کھانا کپڑا بھی حق ہے پرہیزگارون پر

اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ طلاق دیکر عورت کو محبوس رکھتے تھے ، اور اسکو نکاح ثانی کرنے نہین دیتے تھے جس سے کبھی تو خواہ مخواہ عورت کو ستانا منظور ہوتا تھا کبھی یہ مقصد ہوتا تھا کہ اسکو دق کرکے مہر معاف کرالین ، یا کوئی حصہ چھڑ والین ، کبھی صرف اس خیال سے

روکتے تھے کہ اپنی بیوی کا دوسرے کے نکاح مین آنا عار خیال کیا جاتا تھا، ان باتونکی
اس طرح اصلاح کی۔

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا وَمَنْ
يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ (بقرہ)

اور انکو اس غرض سے روک نہ رکھو کہ ان پر ظلم کرو۔ اور جو شخص
ایسا کرے گا تو اپنے نفس پر ظلم کریگا،

فَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا
تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ (بقرہ)

پھر جب تم عورتونکو طلاق دو اور اُنکی عدّت پوری ہو جائے
تو اس بات سے انکو نہ روکو کہ وہ اپنے (آیندہ) شوہرون سے شادی کرلین

اگر مطلّقہ عورت کو حمل ہے، تو بچہ جننے کے دو برس بعد تک مرد کو اسکا کھانا کپڑا دینا پڑیگا،

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ
لِمَنْ أَرَادَ أَن يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ
رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ (بقرہ)

اور مائین اپنے بچونکو پورے دو برس تک دودھ پلائین،
جو شخص یہ چاہے کہ پوری مدت تک دودھ پلوائے اور
مرد پر انکا کھانا اور کپڑا ہے دستور کے موافق،

اکثر یہ ہوتا تھا کہ نکاح کے وقت مہر بہ تعداد کثیر باندھتے تھے لیکن جب طلاق دیتے تھے
تو مہر کا دینا گران گذرتا تھا، اس لیے مختلف تدبیرون سے عورت پر زور ڈال کر مہر کو گھٹاتے
تھے، اس کے لیے فرمایا۔

وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ
زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا
مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا
وَإِثْمًا مُّبِينًا وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ

اور اگر تم چاہو، ایک بیوی کو چھوڑ کر دوسری بیوی کرنی اور
دے چکے ایک کو (یعنی پہلی بیوی کو) خزانہ، تو اب اُس سے
کچھ واپس نہ لو، کیا تم لینا چاہتے ہو ناحق اور صریح گناہ سے،
اور کیونکر لے سکتے ہو حالانکہ ایک دوسرے تک پہنچ چکا (یعنی

ان تمام احکام کا ماحصل یہ ہے کہ مرد نہایت سخت مجبوریون سے اگر عورت کو طلاق دے تو تین مہینے کی مدت مین بہ تدریج ایک ایک طلاق دے، طلاق کے بعد عدت کے زمانہ تک جسکی تعداد تین مہینے ہے، اس کے مصارف کا بار شوہر کے ذمہ ہوگا اس مدت مین عورت کو کافی موقع ملیگا کہ اپنے لیے نیا شوہر ڈھونڈھے، اور اگر حاملہ ہے تو وضع حمل اور اس کے بعد دو برس تک اور عورت کے مصارف شوہر کے ذمہ ہونگے، اس کے علاوہ مہر جو مقرر ہوا تھا وہ کل کا کل ہاتھ آئے گا اور عورت کو تنگدستی کے ہاتھون تکلیف نہ اُٹھانی پڑیگی،

کیا اس سے زیادہ کوئی حکیم اور کوئی مقنن، عورتون کے لیے عمدہ قانون بنا سکتا ہی؟ اور کیا اسلام کے سوا، دنیا کے کسی اور مذہب مین اس رحم اور مراعات کی نظیر ملسکتی ہی؟[1]

وراثت منجملہ ان قوانین کے جن مین دنیا کی قومین ہمیشہ مختلف الآرا رہی ہین اور آج بھی ہین یہ مسئلہ بھی ہے، عیسائیون مین صرف اولاد اکبر جائداد غیر منقولہ کی وارث ہوتی ہی باقی اولاد کو گذارہ ملتا ہے، اولاد کے سوا باقی رشتہ دار بالکل محروم رہتے ہین،

وراثت

ہندؤن مین کل اولاد ذکور وارث ہوتی ہے لیکن اولاد ذکور کے سوا، اور قرابت دارون کو کچھ نہین ملتا۔ لڑکیون کو صرف نان ونفقہ ملتا ہے،

عرب مین عورتون کو مطلق وراثت نہین پہونچتی تھی، بلکہ جہان تک معلوم ہے،

[1] اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضرور ہی کہ یہ تمام احکام وہ ہین جو قرآن مجید اور احادیث کے رو سے ثابت ہین،

اولاد ذکور کے سوا۔ باپ۔ بھائی، ماں بہن وغیرہ کو وراثت مین سے کچھ حصّہ نہین ملتا تھا،
یورپ آج کل اسقدر تہذیب و تمدن مین ترقی کر گیا ہے لیکن وراثت کا ابتک وہی قاعدہ ہے
کہ صرف اولاد اکبر وارث ہوتی ہے،

اب غور کرو کہ تمدن اور اصول فطرت کے لحاظ سے وراثت کے کیا اصول ہونے
چاہئیں، اس بحث کا مدار دو سوالون پر ہے، ایک یہ کہ دولت کا زیادہ افراد مین منقسم ہو، اور
پھیلنا بہتر ہے یا ایک دو فرد مین محدود رہنا، دوسرے یہ کہ کسی شخص کے مرجانے پر، اسکی
جائداد اس کے عزیزون کو کیون ملتی ہے؟

وراثت کس اصول پر مبنی ہے

علم تمدن کے اساتذہ نے یہ طے کر دیا ہے کہ دولت کی مقدار جسقدر زیادہ افراد
مین تقسیم ہو کر پھیلے اسی قدر زیادہ مفید ہے۔ متمدن اور وحشی ممالک مین یہی چیز میزا در فارق
ہے شخصی سلطنتون مین عموماً یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ بادشاہ اور اُسکے ارکان ومقربین،
دولتمند ہوتے ہین، باقی تمام لوگ عموماً نادار اور کم مایہ ہوتے ہین، بخلاف اس کے شایستہ
ممالک مین، بادشاہ سے لیکر، انفار کے طبقہ تک، دولت درجہ بدرجہ علی قدر المراتب، اترتی
آتی ہے،

اس اصول کا لحاظ صرف اسلام کے قواعد وراثت مین پایا جاتا ہے، اسلامی قانون کے
مطابق میت کے تمام رشتہ دار، قریب، درجہ بدرجہ وراثت سے متمتع ہوتے ہین، ماں
باپ چچا، دادا۔ بھائی۔ بہن۔ پھوپھی۔ خالہ۔ ماموں وغیرہ سب، وراثت مین کچھ نہ کچھ حصہ رکھتے
ہین **وراثت** کا اصلی اصول میت کا تعلق اور قرابت ہے یعنی جن لوگون کو میت سے

اسلام کے قواعد وراثت تمامتر اصول عقلیہ پر مبنی ہین

تعلق تھا، اور جو لوگ میت کے شریک رنج وراحت اور اوس کے اعضا و جوارح تھے،
ان کو میت کی جائداد مین سے حصہ ملنا چاہیے، اس اصول کے موافق یہ نہایت تنگدلی
ہے کہ صرف ایک قسم کے رشتہ دار، وراثت کے لیے خاص کر دیے جائین، بے شبہہ
رشتہ دارون کے مراتب متفاوت ہین، اور فرق مراتب کا لحاظ ضرور ہے لیکن
یہ صریح ظلم اور ناانصافی ہے کہ بجز ایک قسم کے رشتہ دار کے باقیونکو بالکل محروم کر دیا جائے
اور یورپ کا یہ قانون تو بالکل خلاف عقل ہے کہ صرف اولاد اکبر، وارث ہو، اولاد کو
جو تعلق میت سے ہے وہ تمام اولاد کو یکسان حاصل ہے، باوجود اس کے صرف کبیر السّن
ہونے کی وجہ سے ایک کو ترجیح دینا اور باقیون کو بالکل محروم کر دینا بالکل اصول فطرت
کے خلاف ہے،

اسلام نے نہایت دقیق اور نازک فرق مراتب کا لحاظ رکھا ہے، میت کو جن جن
رشتہ دارون سے جس درجہ کا تعلق تھا، نہایت دقت نظر سے اُن کے مراتب متعین کیے
اور اُسی نسبت سے، اُن کے مختلف اور کم وبیش حصے مقرر کیے،

حقوق عامۂ ناس۔ اسلام نے عام جماعت انسانی سے، نیکوکاری، خوش خُلقی، فیاضی
رحمدلی کے ساتھ پیش آنے کا حکم نہایت اصرار اور تاکید کے ساتھ دیا ہے، لیکن ہم اس
موقع پر اُن کا ذکر نہین کرتے کیونکہ اخلاق حسنہ کی عام تعلیم، تمام مذاہب کا اصل اصول ہے
اور اسمین کسی خاص مذہب کی خصوصیت نہین، البتہ جو چیز ترجیح اور تفوق کا معیار ہے
وہ یہ ہے کہ اور مذاہب نے غیر مذاہب والون یا غیر قومون کے ساتھ کس قسم کے

سلوک کی تعلیم کی ہے؟

دنیا مین بڑی بڑی قومین جو تمام دنیا پر چھا گئی تھین ہندو۔ پارسی عیسائی اور یہودی تھے۔ ہندو مذہب نے ہندوستان کی تمام قومون کو جو آرین نہ تھین شودر کا لقب دیا اور باوجود اتحاد مذہب کے اُن کے لیے وہ قاعدے بنائے جس سے زیادہ سخت اور ذلت دہ قاعدے کسی کے خیال مین نہین آسکتے وہ ہر قسم کی عزت، آزادی۔ عہدہ اور اختیارات سے محروم کردیے گئے انتہا یہ کہ اگر وید مقدس کی آواز اتفاقیہ کسی شودر کے کان مین پڑجائے تو اُس کے کان مین سیسہ پلا دینا چاہیے کیونکہ اُسکے ناپاک کان اس مقدس آواز کے بھی مستحق نہین۔[1]

قدیم عیسائیون کے عروج کا اصلی زمانہ، رومن امپائر کا زمانہ ہے۔ یہ سلطنت ایک مدت دراز تک قائم رہی اور اس کو وہ سطوت وشان حاصل ہوئی کہ دنیا کے دور دور دراز حصون مین ان کے نام سے لرزہ پڑجاتا تھا، لیکن یہ عظیم الشان حکومت کیا تھی؟ فرنچ کی انسائیکلوپیڈیا مین اُس کا خاکہ ان لفظون مین کھینچا ہے،

"رومن کا نظام سلطنت کیا تھا، وہ بیرحمی، اور سفاکی جس نے قانون کا لباس پہن لیا تھا، اُسکے جو فضائل تھے یعنی شجاعت، مکر۔ پیش بینی۔ ترتیب۔ اتحاد باہمی وہ بعینہ چورون اور ڈاکوؤن کے فضائل تھے، اس کی طینت بالکل وحشیانہ تھی۔ بے انتہا حُبِّ جاہ، اجنبی قومون کے ساتھ کینہ پروری، رحمدلی کے احساس کا فنا ہوجانا۔ ان چیزونکے سوا،

---

[1] تطبیق صفحہ ۳،

وہان اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ عظمت وشان جس چیز کا نام تھا وہ تیغبازی۔ دُرّہ زنی، قیدیان جنگ کو سزا دینا۔ بچون اور بوڑھون سے گاڑی کھچوانا تھا،

یہودیون نے غیر قومون کے ساتھ جو برتاؤ کیا اس کے اندازہ کرنے کے لیے صرف یہ کافی ہے کہ خود توراۃ مین مذکور ہے کہ "خدا نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ دشمنون کے ساٹھ ہزار آدمی جو گرفتار ہوے تھے، ان مین سے عورتین اور بچے بھی زندہ نہ رہنے پائین اور سب کے سب قتل کر دیے جائین"

اب دیکھو اسلام نے کیا کیا؟

قوم اور نسل کی تمیز تو سرے سے اُٹھا دی، اسلام کا سرچشمہ عرب تھا لیکن اُس نے، پارسی ہندو۔ ترک۔ تاتار۔ حبشی۔ افغانی غرض تمام دنیا کی قومون کو اسلام قبول کرنے کے ساتھ، عرب کا ہمسر بنا دیا، یورپ آج اسقدر آزادی کا مدعی ہے، لیکن غیر قومون کے ساتھ اس نے جو تفرقہ قائم رکھا ہے، اس کو کسی طرح وہ مٹا نہین سکتا۔ اگر کوئی شخص عیسائی ہو کر یورپ والون کا ہم مذہب ہو جائے، تو پیشوایان مذہب اس کو یہ تسلی دیتے ہین کہ "قیامت مین وہ اُنکا ہمرتبہ ہوگا، لیکن اس دار فانی مین جو حد فاصل قائم تھی وہ قائم رہے گی،" برخلاف اس کے اسلام نے یہ کیا کہ غزنویہ۔ دیلمیہ۔ سلاجقہ۔ ترک۔ چراکہ وغیرہ کو جنمین عرب کے خون کا ایک قطرہ بھی نہ تھا نوبت بہ نوبت، شاہنشاہیان بخش دین اور خود عرب کو اُن کا محکوم بنا دیا۔

مخالفین مذہب کی اسلام نے دو قسمین قرار دین،

...غیر ...ور غیر ...کو کیا ...لیے

(۱) ذمی اور معاہد یعنی وہ لوگ جو اسلام کی حکومت مین رہتے ہین یا جن سے صلح اور دوستی کا معاہدہ ہے

(۲) حربی۔ یعنی جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہین ہے اور لڑائی اور مخاصمت قائم ہے یا قائم ہو سکتی ہے،

ذمیون کو اسلام نے جان۔ مال۔ آزادی۔ عزت اور دیگر تمام حقوق کے لحاظ سے بالکل مسلمانون کا ہمسر بنا دیا، لیکن چونکہ ہم نے اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا نام حقوق الذمیین[1] ہے اس لیے اس موقع پر ہم اُسکی تفصیل نہین کرتے۔

حربیون کے ساتھ اسلام نے جس مراعات اور سلوک کا حکم دیا ہے وہ آیات قرآنی سے ظاہر ہوگا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ۔	خدا کی راہ مین اُن لوگون سے لڑو جو تم سے لڑتے ہین اور اس حد سے آگے نہ بڑھو، خدا حد سے بڑھ جانیوالونکو پسند نہین کرتا،
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ۔	اگر تم بدلہ لو تو اسی طرح لو جیسا تم سے لیا گیا، اور اگر صبر کرو تو صبر اچھا ہے صبر کرنیوالون کے لیے،
وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا	کسی قوم کی دشمنی تمکو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو

قرآن مجید مین اس قسم کے بھی اکثر الفاظ آئے ہین کہ "کافرون کو جہان پاؤ قتل کرو"، "تمام کافرون سے لڑو"، "کافر خدا کے دشمن ہین"، ان آیتون سے بظاہر ثابت ہوتا ہے

[1] یہ رسالہ اور چند رسالونکے ساتھ چھپا ہے جسکا نام رسائل شبلی ہے اور مدرسۃ العلوم علیگڈھ سے ملسکتا ہے،

کہ ہر مخالف مذہب سے دشمنی اور عداوت رکھنا مسلمانون کا فرض مذہبی ہے،
اسی بنا پر بعض متعصب مسلمانون نے قرار دیا کہ پہلی قسم کی آیتین، منسوخ ہوگئین، لیکن اس
تناقض کو خدا نے خود رفع کر دیا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا۔

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قَاتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَاَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَظٰهَرُوْا عَلٰٓى اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ

جو لوگ تم سے مذہبی لڑائی نہین لڑے، اور تم کو تمہارے گھرون سے نہین نکالا، اون کی نسبت خدا تم کو اس بات سے منع نہین کرتا کہ تم اون کے ساتھ بھلائی کرو اور اُن کے ساتھ انصاف کرو، خدا تو تم کو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تم سے مذہبی لڑائی لڑے، اور تم کو تمہارے گھرون سے نکالا اور تمہارے نکالنے پر اعانت کی اور جو لوگ ایسے لوگون سے دوستی کرتے ہین وہ ظالم ہین،

ان آیتون سے صاف ظاہر ہے کہ بجز اُس صورت کے کہ مخالفین مذہب، مسلمانون سے
مذہبی لڑائی لڑین اور اُنکو اُن کے ملک سے نکال دین یا نکال دینے پر اعانت کرین،
اور کسی صورت مین، اُن سے دوستی رکھنا یا اُن کے ساتھ بھلائی کرنا ممنوع نہین۔ عیسائی
اور بعض اور مذہبون مین بظاہر اس سے زیادہ فیاضانہ احکام نظر آتے ہین مثلاً انجیل
مین ہے کہ "اگر تمھارے ایک گال پر کوئی شخص تھپڑ مارے تو تم دوسرا گال بھی پھیر دو
کہ یہ بھی حاضر ہے"
لیکن یہ اُس قسم کی باتین ہین جو بظاہر نہایت خوشنما ہین لیکن واقع مین فضول ہین کیونکہ

فطرت انسانی کے خلاف ہین اور اس وجہ سے عملی صورت مین کبھی ان کا ظہور نہین ہو سکتا،
اسلام کو جو تمام مذاہب پر ترجیح ہے وہ اسی بنا پر ہے کہ افراط و تفریط دونون سے
الگ ہے اور اس کے جسقدر احکام ہین۔ تمام فطرت انسانی کے موافق ہین،

بقیہ عقائد

بقیہ عقائد

اسلام کی اصلی بنیاد جن اُصول پر قائم ہے، وہ صرف توحید اور نبوت ہے،
مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ یہ اسلام بالکل سادہ، صاف اور مختصر ہے اور
یہی سادگی ہے، جس کی بنا پر اسلام کو اور تمام مذاہب پر ترجیح ہے، اسی سادگی پر یورپ کا
ایک محقق ان الفاظ مین حسرت ظاہر کرتا ہے، اگر کوئی حکیم عیسائی مذہب کے طول طویل
اور پرپیچ عقائد مذہبی پر نظر ڈالے گا تو بول اُٹھے گا کہ آہ! میرا مذہب ایسا سادہ اور صاف
کیون نہوا کہ مین ایمان لاتا ایک خدا پر اور اس کے رسول محمدؐ پر، یہی دو لفظ تھے جنکے
زبان پر لانے سے اور یقین کرنے سے دفعۃً کافر، مسلمان، گمراہ، ہدایت یافتہ، شقی سعید
اور مردود مقبول بنجاتا تھا، لیکن زمانہ کے امتداد اور طبائع کے اختلاف نے اس متن
پر سیکڑون حاشیے بڑھا دیے، اور اب اسلام ایک ایسے مجموعۂ مسائل کا نام ہو گیا ہے
جس کو قرون اولیٰ کے لوگ سمجھانے سے بھی نہ سمجھتے اور عرب جن پر قرآن اُترا تھا
وہ تو آج بھی نہین سمجھ سکتے، طرہ یہ کہ یہی نوزائیدہ مسائل، کفر اور اسلام کا معیار قرار
پا گئے، قرآن مجید مخلوق ہے یا قدیم؟ صفات الٰہی عین ذات ہین یا غیر؟ اعمال جزو ایمان ہین

یا خارج؟ قرن اوّل مین ان مسائل کا پتہ بھی نہ تھا لیکن زمانہ مابعد مین انہی کو کفر و اسلام کی حد فاصل قرار دیا گیا، تاریخ علم کلام مین تم پڑھ چکے ہوگے کہ ان مسائل کی بنا پر کیا کیا قیامتین برپا ہوئین، بہر حال اب یہ مسائل، علم کلام کے ساتھ ایسا تعلق رکھتے ہین کہ جدید علم کلام مین نفیاً یا اثباتاً ان کے ذکر سے چارہ نہین۔

ان مسائل پر دو حیثیتون سے بحث کرنی چاہیے۔

(۱) ان مسائل کی نوعیت

(۲) علم کلام کو واقعی ان سے کس حد تک تعلق ہے،

مسائل عقائد کی نوعیت

پہلی بحث یہ بحث علم کلام کی تاریخ مین ہم مفصلاً لکھ چکے ہین، یہان صرف اسقدر بتا دینا ہے کہ یہ مسائل دو قسم کے ہین، بعض ایسے ہین جن کا ذکر قرآن مجید یا احادیث مین سرے سے نہین ہے، لیکن چونکہ **متکلمین** کے نزدیک وہ توحید اور نبوت کے عوارض ذاتی ہین اسلیے ان سے بحث کرنی ضرور ہو کیونکہ ان کے بغیر توحید اور نبوت کی تکمیل نہین ہو سکتی، مثلاً قرآن مجید کا حادث یا قدیم ہونا یہ مسئلہ اگرچہ بہ تصریح قرآن و حدیث مین مذکور نہین لیکن جو عقائد قرآن مجید مین مذکور ہین، انکے لوازم مین سے ہے۔ کیونکہ قرآن کلام الٰہی ہو اور کلام الٰہی خدا کی صفات مین ہے اور جو چیز کسی چیز کی صفت ہوتی ہے وہ اسکے ساتھ قائم ہوتی ہو، اب اگر قرآن مجید حادث ہو، تو ذات باری بھی حادث ہوگی کیونکہ جو چیز حوادث کا محل ہوتی ہو خود بھی حادث ہوتی ہے، اور یہ بجاے خود ثابت ہو چکا ہے کہ ذات باری قدیم ہے اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہین،

بعض مسائل ایسے ہین جو قرآن مجید مین مذکور ہین لیکن چونکہ ان کی کیفیت مذکور نہین اسلیے ہر فرقہ نے اپنے اپنے اجتہاد کے موافق کیفیت کی تعیین کی، اس تعیین سے بالذات اور بواسطہ بہت سے مسائل پیدا ہوگئے مثلاً معاد کی کیفیات، قرآن مجید مین نہایت کثرت سے معاد کا ذکر ہے لیکن کیفیت کی تصریح نہین، اشاعرہ نے اس کی کیفیت یہ قرار دی کہ بعینہ وہی جسم دوبارہ پیدا کیا جاے گا جو دنیا مین موجود تھا، حکماے اسلام کے نزدیک، معاد کو جسم سے تعلق نہین، عذاب و ثواب جو کچھ ہوگا روح پر ہوگا اور روح کو دوبارہ پیدا کرنے کی ضرورت نہین کیونکہ روح جوہر بسیط ہے اور وہ پیدا ہو کر فنا نہین ہوتی **دوسری بحث** - پہلی قسم کے مسائل یعنی جنکا ذکر قرآن مجید یا احادیث صحیحہ مین سرے سے نہین ہے وہ درحقیقت علم کلام مین داخل نہین[1] لیکن چونکہ آج چھ سات سو برس سے وہ گویا اسلام کے اجزا بن گئے ہین اسلیے انکا ذکر ضرور ہے چنانچہ وہ حسب ذیل ہین،

مسائل عقائد جو قرآن مین مذکور نہین

اشاعرہ	دیگر فرق
(۱) خدا کسی جہت مین نہین	حنابلہ اور اکثر محدثین اسکے مخالف ہین،
(۲) خدا کے جسم نہین ہے	کرامیہ، اسکے مخالف ہین، ابن تیمیہ بھی جسم کا قائل ہے
(۳) خدا جوہر یا عرض نہین	ابن تیمیہ وغیرہ کے نزدیک جوہر ہے
(۴) خدا کسی زمانہ مین نہین، یعنی زمانی چیز نہین،	

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۹۰ مین یہ تقسیم کی ہے اور اس پہلی قسم کی نسبت لکھتے ہین کہ کسی شخص کا اہل سنت وجماعت سے ہونا ان مسائل کی بنا پر نہین ہے،

(۵) خدا کسی غیر کے ساتھ متحد نہین ہو سکتا۔	وحدۃ وجود والون کے نزدیک ہر چیز خدا ہے کرّامیہ اس کے مخالف ہین۔
(۶) خدا کی ذات مین کوئی حادث چیز قائم نہین ہوسکتی۔	
(۷) خدا کی صفات، عین ذات نہین۔	حکمائے اسلام اور اکثر معتزلہ کے نزدیک عین ذات ہین،
(۸) خدا قادر بالذات ہی یعنی فعل اور ترک فعل کا مختار ہے۔	بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک موجب بالذات ہے یعنی جسطرح آفتاب سے روشنی صادر ہوتی ہی اسی طرح خدا سے افعال صادر ہوتے ہین۔
(۹) خدا تمام ممکنات کا فاعل بالذات ہی،	بوعلی سینا وغیرہ کے نزدیک خدا واحد بالذات ہے اور جو چیز واحد بالذات ہی اس سی بالذات صرف ایک ہی چیز صادر ہو سکتی ہی چنانچہ خدا نے صرف عقل اول کو پیدا کیا اور پھر عقل اول سے واسطہ در واسطہ تمام مخلوقات پیدا ہوئی۔
(۱۰) خدا کا ارادہ قدیم ہے۔	معتزلہ کے نزدیک حادث ہے۔
(۱۱) خدا کا کلام، قدیم ہی اور وہ کلام نفسی ہے	حنبلیون کے نزدیک خدا کا کلام گو قدیم ہی لیکن کلام نفسی نہین بلکہ حرف اور صوت کا نام ہے، معتزلہ کے نزدیک کلام الٰہی حادث ہے اور حرف وصوت کا نام ہے،

(۱۲) انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین وہ خدا کے اختیار سے سرزد ہوتے ہین، انسان کی قدرت اور اختیار کو کچھ دخل نہین	معتزلہ کے نزدیک انسان کا ارادہ اور قدرت، خود اُسکے افعال کی علت ہی البتہ یہ ارادہ اور قدرت، خدا نے اُسمین پیدا کی ہے۔
(۱۳) خدا کے افعال معلل بالاغراض نہین	معتزلہ کے نزدیک خدا کے ہر فعل کی غرض وغایت ہے،

(۱۴) بقا ایک صفت وجودی ہے جو اصل وجود پر زائد ہے،

(۱۵) سمع و بصر جو خدا کے اوصاف ہین تمام محسوسات سے متعلق ہو سکتے ہین،

(۱۶) کلام باری مین کثرت نہین بلکہ وہ واحد محض ہے،

(۱۷) خدا کا کلام نفسی مسموع ہو سکتا ہے،

ان عقائد کے سوا اور بھی بہت سے عقائد ہین لیکن مہمات مسائل یہی ہین اس لیے ہم نے انہی پر اکتفا کی،

دوسری قسم کے عقائد وہ ہین جن کا ذکر قرآن مجید مین ہے،

جو امور قرآن مین مذکور ہین لیکن انکی کیفیت مذکور نہین

یہ عقائد زیادہ تر ان چیزون سے متعلق ہین جو روحانیات یا عالم غیب مین داخل ہین، مثلاً وجود ملائکہ، حشر و نشر، بہشت و دوزخ، صراط، میزان وغیرہ، چونکہ انکا ذکر خود قرآن مجید مین تھا اسلیے اجمالاً تمام اسلامی فرقون نے ان کو مانا لیکن ان کی حقیقت اور ماہیت کے متعین کرنے مین اختلاف ہوا، بعض فرقون نے الفاظ کے بالکل ظاہری معنی لیے بعض نے مجاز اور استعارہ کو دخل دیا، بعض نے خاص خاص الفاظ مین کچھ تاویل نہین کی بلکہ یہ کہا کہ روحانیات

کے سمجھانے کا یہ ایک طریقہ ہے۔ یہ اختلاف اگرچہ خود مقتضائے فطرت تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ ہوا کہ خود قرآن مجید مین اس کا اشارہ موجود تھا۔

قرآن مجید مین ایک آیت ہے۔

مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ۔ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ۔ (آل عمران رکوع ۱)

قرآن مجید کی بعض آیتین صاف ہین اور وہی ام الکتاب ہین اور بعض مبہم ہین۔ تو جن لوگون کے دلون مین کجی ہے وہ مبہم آیتون کے پیچھے پڑے رہتے ہین تاکہ فساد پیدا کرین اور تاکہ اُن کی تاویل کرین، حالانکہ اُنکی تاویل بجز خدا کے کوئی نہین جانتا یا وہ لوگ جو علم مین پکے ہین، وہ کہتے ہین ہم اس پر ایمان لائے،

اختلاف اس طرح پیدا ہوا کہ ایک فریق نے وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ کو الگ جملہ قرار دیا جس کی رو سے یہ معنی ہوئے کہ جو آیتین مبہم ہین اُن کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہین جانتا۔ باقی جو لوگ راسخ فی العلم ہین وہ صرف یہ کہکر رہ جاتے ہین کہ ہم اُن پر ایمان لائے، دوسرے فریق کے نزدیک وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ الگ جملہ نہین ہے بلکہ پہلے جملہ پر عطف ہے اس تقدیر پر معنی یہ ہوئے کہ مبہم آیتون کی تاویل بجز خدا کے اور بجز اُن لوگون کے جو علم مین پکے ہین اور کوئی نہین جانتا۔ پہلے معنے کے قائل، حضرت عائشہؓ حسن بصری۔ مالک ابن انس۔ کسائی۔ فراء اور جبائی وغیرہ ہین۔ دوسرے معنی کے

[1] تفسیر کبیر۔ آیت هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ

قائل، مجاہد، ربیع بن انس اور اکثر متکلمین ہین۔ عبداللہ بن عباس سے دونون روایت ہین،
اس اختلاف سے ایک اور اختلاف پیدا ہوا، یعنی یہ کہ کون سی آیتین محکم ہین اور کونسی مبہم
اس بنا پر عقائد مبحوث فیہا مین متعدد اختلافات پیدا ہوے،

(۱) یہ عقائد جن آیتون مین مذکور ہین وہ مبہم ہین یا نہین ؟

(۲) مبہم ہین تو اُن کی تاویل کرنی چاہیے یا نہین ؟

(۳) تاویل کرنی چاہیے تو کیونکر ؟

چونکہ آیندہ ہر جگہ تاویل کی بحث آئے گی اس لیے سب سے پہلے ہکو تاویل کا فیصلہ کرنا چاہیے
یعنی یہ کہ تاویل کی کیا حقیقت ہے؟ تاویل مطلقاً ناجائز ہے یا کہین جائز ہے اور کہین
ناجائز؟ اگر بعض موقع پر جائز ہے تو جواز کا کیا قاعدہ ہے؟ تاویل کو کفر و اسلام کا معیار
کہان تک قرار دیا جا سکتا ہے؟

تاویل کی حقیقت

تاویل کے معنے اصل لغت مین مرجع و مصیر کے ہین اور اصطلاح مین تعبیر اور تفسیر
کو کہتے ہین قرآن مجید مین یہ لفظ اکثر انہی معنون مین استعمال ہوا ہے سَأُنَبِّئُكَ بِتَاوِيلِ
مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَلَيْهِ صَبْرًا لیکن علمی یا تفسیری اصطلاح مین تاویل کے یہ معنے ہین کہ کسی لفظ
کے ظاہری اور لغوی معنے چھوڑ کر کوئی اور معنے لیے جائین۔

اسلام مین جسقدر فرقے ہین حشویہ کے سوا باقی سب نے تاویل کو جائز رکھا ہے،
امام احمد بن حنبل کی نسبت اگرچہ روایت ہے کہ وہ بالکل مخالف تھے تاہم تین موقع پر
وہ بھی تاویل کو جائز رکھتے تھے۔ غرض اصل تاویل کے جواز مین (بجز حشویہ کے)

اور کسی کو کلام نہین، گفتگو جو کچھ ہے وہ تاویل کے موقع اور محل مین ہے یعنی کہان جائز ہو
اور کہان نہین؟ اسلامی فرقون مین ظاہر پرستی اور دقیقہ سنجی کے لحاظ سے جو فرق مراتب
تھا اسی نسبت سے تاویل کا دائرہ بھی محدود اور وسیع ہوا۔ سب سے پہلا درجہ ارباب
ظاہر کا ہے، اِن کے نزدیک کہین تاویل جائز نہین۔ مثلاً قرآن مجید مین ہے کہ ہم نے
آسمان و زمین سے کہا کہ بہ خوشی یا باکراہ حاضر ہون" دونون نے کہا ہم مطیعانہ حاضر ہین،،
یا مثلاً قرآن مین ہے کہ جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہین تو کہتے ہین کہ"ہوجا اور وہ
ہوجاتی ہے،، ارباب ظاہر کے نزدیک ان آیتون مین وہی لغوی معنی مراد ہین یعنی یہ کہ
فی الواقع زمین و آسمان نے یہ الفاظ کہے تھے اور فی الواقع خدا ہر چیز کے پیدا ہونے کے
وقت کُن کا لفظ کہا کرتا ہے، امام ابوالحسن اشعری کا مذہب اسی کے قریب قریب ہے
قرآن مجید مین ہے کہ خدا کے دونون ہاتھ کھلے ہوئے ہین، امام موصوف نے کتاب الابانۃ
مین تصریح کی ہے کہ ان الفاظ کے اصلی معنے مراد ہین، کوئی مجاز یا استعارہ نہین ہے،

ارباب ظاہر کے بعد عام اشاعرہ۔ پھر ماتریدیہ۔ پھر معتزلہ۔ پھر حکماے اسلام ہین
اس بحث مین سب سے اہم امر تاویل کے اصول کا انضباط ہے یعنی کن موقعون پر تاویل جائز
ہے اور کن موقعون پر نہین۔ امام غزالی نے احیاء العلوم مین اور فصل التفرقۃ بین الاسلام
والزندقۃ مین اسپر نہایت خوبی سے بحث کی ہے، اس لیے ہم اسکا لفظی ترجمہ نقل کرتے ہین،

تاویل کے متعلق امام غزالی کی رائے

احیاء العلوم جزو اوّل کتاب قواعد العقائد فصل ثانی مین ہے،
اگر دو تم یہ کہو کہ اس بات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان علوم کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن، جن مین سے

بعض نہایت واضح ہین اور ابتدا اگر ذہن مین آجاتے ہین بعض خفی ہین جو مجاہدہ ریاضت کد و کاوش
اور فکر صحیح سے حاصل ہوتے ہین اور وہ بھی اُسوقت کہ دنیا کی تمام چیزون سے، فارغ الذہن ہوکر انہی
پر توجہ کیجائے، حالانکہ یہ بات بظاہر شریعت کے مخالف معلوم ہوتی ہے کیونکہ شریعت مین ظاہر و
باطن دو الگ چیزین نہین ہین بلکہ شریعت کا جو ظاہر ہے وہی باطن ہے جو مخفی ہے وہی آشکارا ہے
تو تمکو یہ جاننا چاہیے کہ ان علوم کا خفی و جلی ہونا ایسی بات ہے جس سے کوئی صاحب فہم انکار نہین
کرسکتا. صرف وہ لوگ اسکا انکار کرتے ہین جنھون نے بچپن کے زمانہ مین کچھ سُن لیا اور اسی پر جم
گئے اُنھون نے بلندی کیطرف اور علما و اولیا کے مقامات کیطرف ترقی نہین کی؛ اور یہ خود شریعت کے
دلائل سے ثابت ہی آنحضرت نے فرمایا کہ قرآن کے معنی ایک ظاہر ہین اور ایک باطن ایک
حد ہے اور ایک مطلع. (یہ حدیث صحیح نہین مترجم) حضرت علیؓ نے اپنے سینہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ
اسمین بڑے بڑے علوم ہین کاش انکا کوئی حامل ملتا،، آنحضرتؐ نے فرمایا ہی کہ ہم پیغمبر لوگ ہین،
ہم کو یہ حکم ہے کہ ہم لوگون سے انکی عقل کے موافق بات کرین،، (یہ حدیث بھی مرفوع نہین بلکہ
حضرت علی کا قول ہے) آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "اگر کوئی بات کسی قوم کے سامنے بیان کیجائے اور
وہ اُنکی عقل سے باہر ہو تو اُنکے حق مین فتنہ ہوگی خدا نے کہا ہے وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا
لِلنَّاسِ وَمَا يَعْقِلُهَا اِلَّا الْعَالِمُوْنَ آنحضرتؐ نے کہا ہے کہ "بعض علوم پوشیدہ ہین جنکو صرف
عارفان الٰہی جانتے ہین؛ الخ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ "جو کچھ مین جانتا ہون، اگر تم بھی جانتے
تو ہنستے کم اور روتے زیادہ"

اب بتاؤ اگر یہ رازکی باتین نہ تھین جنکے ظاہر کرنے سے آپ کو اس بنا پر منع کیا گیا تھا کہ لوگ

انکو نہین سمجھ سکتے تھے یا اور کوئی مصلحت تھی تو آنحضرتؐ نے انکو ظاہر کیون نہین فرمایا؟ اور یہ ظاہر ہے کہ اگر آنحضرتؐ بیان کرتے تو لوگ بہر حال تصدیق کرتے ابن عباسؓ نے اس آیت کے متعلق اَللّٰہُ الَّذِی خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَھُنَّ کہا ہے کہ اگر اس آیت کی تفسیر مین بیان کرون تو تم لوگ مجکو پتھر مار دگے اور دوسری روایت مین ہے کہ تم کہوگے کہ عبد اللہ بن عباس کافر ہے،، اور ابو ہریرہؓ کا قول ہے کہ مین نے آنحضرتؐ سے دو قسم کی باتین یاد کین ایک کو شایع کیا، اور دوسرے کو اگر شائع کردن تو میری یہ گردن کاٹ ڈالی جائیگی، اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ابوبکر کو جو فضیلت تم لوگون پر ہے وہ زیادہ نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے سے نہین ہے بلکہ اس راز کیوجہ سے ہے جو انکے سینہ مین امانت ہے" اور یہ ظاہر ہے کہ یہ راز مذہبی ہی اصول کے متعلق تھا اور جو چیز مذہبی اصول مین داخل تھی وہ ظاہری طور پر اوردن سے بھی مخفی نہین ہو سکتی تھی، سہل تستری کا قول ہے کہ علما کے پاس تین قسم کے علوم ہوتے ہین (۱) علم ظاہر جسکو وہ اہل ظاہر کے سامنے پیش کرتے ہین (۲) علم باطن جو صرف ان لوگون پر ظاہر کیا جاتا ہے جو اسکے اہل ہوتے ہین (۳) وہ علم جس کا تعلق صرف خدا سے ہوتا ہے اور کسی کے سامنے ظاہر نہین کیا جاتا،، بعض عرفا کا قول ہے کہ ربوبیت (خدائی) کا بھید ظاہر کرنا کفر ہے، بعضون کا قول ہے کہ "ربوبیت ایک ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کردیا جائے تو نبوت بیکار ہو جائے؛ اور نبوت ایک ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کردیا جائے تو علم بیکار ہو جائے اور علما کو خدا کے ساتھ ایسا راز ہے کہ اگر ظاہر کردیا جائے تو تمام احکام باطل ہو جائین" اس قائل کا غالبًا مطلب یہ ہے کہ نبوت کو تاہ بینون کے نزدیک باطل ہو جائے گی ورنہ اگر یہ مطلب نہ ہو تو یہ قول غلط ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ ان دونون مین تناقض نہین کیونکہ کامل وہی ہے

جس کا نورِ معرفت نورِ تقوی کو بجھا نہ دے اور تقوی کا مرکز نبوت ہے۔ اگر تم یہ کہو کہ ان آیات اور
روایات مین تاویل ہو سکتی ہے، ورنہ ظاہر و باطن مین کیونکر اختلاف ہو سکتا ہے کیونکہ باطن اگر
ظاہر کا مخالف ہے تو شریعت باطل ہو جائیگی اور یہ وہی بات ٹھہریگی کہ حقیقت خلاف شریعت
اور یہ کفر ہے کیونکہ شریعت ظاہر کا نام ہے اور حقیقت باطن کا اور اگر شریعت و حقیقت دونون
ایک ہی ہین تو پھر دو قسمین کیسی؟ اس صورت مین شریعت مین کوئی قابل اخفا راز نہ ہوگا اور
ظاہر و پنہان ایک ہو گا؛

تو تمکو جاننا چاہیے کہ یہ سوال ایک بڑی اہم کی سلسلہ جنبانی کرتا ہے اور علم مکاشفہ کیطرف منجر ہوتا ہے
اور علم المعاملہ کی غرض و غایت سے دور جا پڑتا ہے حالانکہ ان تصنیفات کا مقصد صرف علم
المعاملہ ہے۔ کیونکہ جو عقائد اوپر مذکور ہوے وہ اعتقادات قلبی مین داخل ہین اور ہم نے
انپر تقلیداً یقین کیا ہے، نہ کہ کشف حقیقت کے طور پر، کیونکہ تمام لوگ کشف حقیقت پر مجبور نہین
کئے گئے ہین، اور اگر یہ اعتقاد اعمال مین داخل نہ ہوتے تو ہم اس کتاب مین انکا ذکر بھی نکرتے
اور اگر یہ بات نہوتی کہ وہ دل کی ظاہری حالت سے متعلق ہین نہ باطنی تو ہم اس کتاب کے
حصہ اوّل مین اس کا ذکر نہ کرتے باقی حقیقی انکشاف ہونا تو یہ قلب کے باطن سے متعلق ہے؛
تاہم چونکہ گفتگو کا موقع ایسا آپڑا ہے کہ **ظاہر و باطن** مین تناقض کا خیال پیدا ہوتا ہے اسلیے
مختصر طور پر اس عقدہ کا حل کرنا ضرور ہے،

وہ اسرار جنکا فاش کرنا منع ہے انکی بابت تفصیل

جو شخص یہ کہتا ہے کہ شریعت و حقیقت یا ظاہر و باطن باہم مخالف ہین وہ اسلام کے بجاے کفر سے
زیادہ قریب ہے، اصل یہ ہے کہ جو اسرار مقربین سے مخصوص ہین، اور جن کو اور لوگ نہین جانتے اور جن کا

فاش کرنا منع ہے انکی پانچ قسمین ہین،

(۱) پہلی قسم یہ ہے کہ وہ بات فی نفسہ دقیق ہے اور اکثر طبیعتین اسکے سمجھنے سے عاجز ہین

تو وہ خواہ مخواہ مقربین کے ساتھ مخصوص ہوگی اور ان کا فرض ہوگا کہ اسکو نااہلون پر ظاہر نہ

کرین ورنہ اُن کے حق مین وہ موجب فساد ہوگی۔ کیونکہ اُن کے فہم کی وہان تک رسائی نہین

ہوسکتی، اسی بنا پر جب لوگون نے آنحضرتؐ سے روح کی حقیقت پوچھی تو آنحضرتؐ نے اعراض کیا، کیونکہ

روح کی حقیقت، عام لوگون کے فہم مین نہین آسکتی، اور وہم اسکی حقیقت کے دریافت سے عاجز ہے، یہ

نہ سمجھو کہ آنحضرتؐ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہ تھی، کیونکہ جو شخص روح کی حقیقت نہین جانتا وہ

اپنی حقیقت نہین جانتا اور جو شخص اپنی حقیقت نہین جان سکتا وہ خدا کو کیا پہچان سکتا ہے،

بعض علما اور اولیا کو روح کی حقیقت معلوم ہوتی ہے، لیکن وہ لوگ آداب شریعت کا لحاظ رکھتے

ہین اور اسوجہ سے جس موقع پر انبیا نے سکوت کیا ہے وہ بھی سکوت کرتے ہین۔ روح پر کیا موقوف ہے، خدا کی صفات

مین وہ باریکیان ہین جنکو عوام نہین سمجھ سکتے چنانچہ آنحضرتؐ نے خدا کے صرف ظاہری صفات مثلاً

علم، قدرت وغیرہ بیان کین، ان کو بھی لوگون نے اسوجہ سے سمجھا کہ وہ خود بھی علم اور قدرت رکھتے

تھے اسلیے خدا کی قدرت اور علم کو اُسپر قیاس کرسکے، ورنہ اگر خدا کے وہ اوصاف بیان کیے

جائین جن کے مشابہ کوئی صفت انسان مین موجود نہین ہے تو انسان اسکا تصور نہین کرسکتا،

بلکہ جماع کی لذت کو اگر کسی بچہ یا نامرد کو سمجھانا چاہو تو وہ نہین سمجھ سکتا بجز اسکے کہ یہ کہا جائے کہ

کھانے مین جو لذت ہے، اسکے مشابہ ہے لیکن یہ سمجھنا درحقیقت سمجھنا نہین ہے خدا کے علم و قدرت،

اور انسان کے علم و قدرت مین جو فرق ہے وہ اس سے کہین زیادہ ہے جسقدر کھانے کی

لذت اور جماع کی لذت مین ہے،

مختصر یہ کہ انسان صرف اپنی ذات اور صفات (موجودہ یا گزشتہ) کا تصور کرتا ہی پھر اپنے آپ پر قیاس کر کے دوسرونکی ذات وصفات کا بھی تصور کرتا ہی اور یہ بھی اندازہ کرسکتا ہے کہ دونون مین شرف وکمال کے لحاظ سے فرق ہے، اس بنا پر انسان جو کچھ کرسکتا ہے اُس سے زیادہ نہین کرسکتا کہ خود اسمین جو اوصاف پائے جاتے ہین مثلاً فعل۔ قدرت۔ علم۔ وغیرہ انہی کو خدا مین بھی ثابت کرے، صرف یہ فرق ہوگا کہ خدا کی صفات کو اپنی صفات سے نہایت بالاتر قرار دیگا۔ تو انسان درحقیقت اپنے ہی صفات کا اثبات کرتا ہے نہ اُن صفات کا جو خدا کے مخصوص صفات ہین اسی بنا پر آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ "اے خدا! مین تیری توصیف اس طرح نہین کرسکتا جس طرح تو نے خود کی ہے"، اس حدیث کے یہ معنی نہین کہ آنحضرتؐ کو خدا کے صفات معلوم تھے اور اُنکو ادا نہین کرسکتے تھے بلکہ آپکو اعتراف تھا کہ "مین خدا کی صفات کی حقیقت سمجھنے سے معذور رہون"، بعض بزرگون نے کہا کہ خدا کی حقیقت خدا ہی سمجھ سکتا ہے، اور حضرت ابوبکرؓ کا قول ہے کہ "وہ خدا تعریف کا مستحق ہے جس نے اپنے پہچاننے کا یہ طریقہ رکھا ہے کہ اسکے نہ پہچان سکنے کا اقرار کیا جائے"،

"یہان پہونچکر ہم کو قلم کی زبان روک لینی چاہیے اور اپنے مقصد کی طرف واپس آنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ان پانچ قسمون مین سے ایک وہ مسائل ہین جو فہم کے دائرہ سے باہر ہین، انہی مین روح کا مسئلہ بھی ہے، خدا کے بعض صفات بھی اس مین داخل ہین، حدیث ذیل مین بھی اسی طرف اشارہ ہی، خدا کے ستر پردے ہین جو نور کے ہین اور اگر وہ کھل جائین تو دیکھنے والے

حل کردہ جائین،

(۲) دوسری قسم کے اسرار جن کو انبیا اور صدیقین ظاہر نہین کرتے وہ وہ ہین کہ بجاے خود قابل فہم ہین لیکن انکا ذکر اکثرون کے حق مین مضر ہے، گو انبیا اور صدیقین کے حق مین مضر نہین، مثلاً جبر و قدر کا مسئلہ جسکا ظاہر کرنا اہل علم کو ناجائز ہے، اور یہ کچھ تعجب کی بات نہین کہ بعض حقائق کا ذکر بعض لوگون کے حق مین مضر ہو۔ مثلاً آفتاب کی روشنی چمگادڑ کے حق مین، اور گلاب کی خوشبو گبریلے کے حق مین مضر ہے، مثلاً یہ عقیدہ کہ کفر، زنا، معاصی اور برائیان سب خدا کے حکم اور ارادہ اور مشیت سے ہین فی نفسہٖ سچ ہے لیکن یہی بات اکثرون کے حق مین مضر ہے، کیونکہ یہ امر ان کے نزدیک سفاہت کی دلیل ہی اور حکمت کے خلاف ہے اور گویا برائی اور ظلم کو جائز رکھنا ہے، چنانچہ ابن الراوندی اور بعض نالائق اسی بنا پر ملحد ہوگئے، قضا و قدر کے مسئلہ کا بھی یہی حال ہے کہ اگر وہ ظاہر کر دیا جائے تو اکثر لوگونکو خدا کے عجز کا گمان ہوگا، کیونکہ اس شبہہ کا جو اصلی جواب ہے وہ عام لوگونکے سمجھ مین نہین آسکتا،

اسکی مثال ایک شخص یون دے سکتا ہے کہ اگر یہ بتادیا جاتا کہ قیامت کے آنے مین ہزار برس یا کم و بیش کی دیر ہے تو ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا تھا، لیکن اگر یہ تعیین کر دیجاتی تو خلاف مصلحت ہوتا اور اسمین خلق کو ضرر پہونچتا۔ کیونکہ اگر قیامت کے آنے مین زیادہ دیر ہوتی تو لوگ اس خیال سے کہ ابھی بہت دن ہین قیامت کی چندان پروانہ کرتے۔ اور اگر قیامت کا زمانہ قریب ہے اور وہ متعین کر دیا جاتا تو لوگون پر اس قدر خوف طاری ہوجاتا کہ کام کاج چھوڑ دیتے اور دنیا برباد ہوجاتی۔ یہ مثال اگر صحیح ہو تو اسی دوسری قسم کی مثال ہوگی۔

(۳) تیسری قسم کے وہ امور ہین کہ اگر صاف طور پر کہدیے جائین تو سمجھ مین آجائین اور
اسمین کچھ ضرر بھی نہین لیکن انکو استعارہ اور رمز کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا
جاتا ہے کہ سننے والے کے دل مین اس کا اثر قوی ہوتا ہے اور مصلحت اسی کی متقضی ہو کہ دیر
زیادہ قوی اثر ہو۔ مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ مین نے فلان کو دیکھا کہ وہ سور کی گردن مین موتیونکا
ہار پہناتا تھا، اور اس سے مراد یہ ہو کہ وہ نا اہلون کو تعلیم دے رہا تھا تو سننے والا ظاہری معنی
سمجھے گا لیکن محقق شخص جب غور کرے گا۔ اور اس کو معلوم ہو گا کہ وہان نہ سور تھا نہ موتی تو
اصل غرض کی طرف اس کا خیال منتقل ہو گا چنانچہ شاعر نے کہا ہے،

رَجُلَانِ خَیَّاطٌ وَّاٰخَرُ حَائِکٌ　　مُتَقَابِلَانِ عَلَی السماک الاعزل

لَازَال یَنْسِجُ ذَاکَ خِرْقَةَ مُدْبِرٍ　　وَیَخِیْطُ صَاحِبُهٗ ثِیَابَ الْمُقْبِلِ

ان شعرون مین شاعر نے آسمانی اقبال و ادبار کو دو کاریگرون سے تعبیر کیا ہے، اس قسم کی
تعبیر مین معنے مقصود کو ایسی صورت کے ذریعہ سے بیان کیا جاتا ہے جو عین معنی یا اسکی مثال
پر مشتمل ہوتی ہے، اسی قسم مین آنحضرتؐ کا یہ قول داخل ہے کہ مسجد۔ تھوک سی اسطرح کبیدہ
ہو کر سمٹ جاتی ہے جس طرح چمڑا آگ پر رکھنے سے،، حالانکہ بظاہر مسجد مین انقباض نہین
پیدا ہوتا لیکن مقصود یہ ہے کہ مسجد قابل تعظیم چیز ہے اور اس مین تھوکنا اسکی تحقیر ہے، اسلیے
یہ فعل مسجد کی شان کے اسقدر مخالف ہے کہ گویا چمڑے کو آگ مین ڈال دینا ہے، اسی طرح
آنحضرتؐ کا یہ قول کہ جو شخص امام سے پہلے رکوع سے سر اٹھاتا ہے وہ اس بات سے نہین ڈرتا
کہ خدا اسکے سر کو گدھے کا سر بنادے،، اگرچہ ظاہری صورت کے لحاظ سے ایسا کبھی واقع نہین ہوا

اور نہ کبھی ہو گا لیکن اصل مقصد کے لحاظ سے یہ صحیح ہے کیونکہ گدھے کے سر میں صورت و شکل کے لحاظ سے کوئی خصوصیت نہیں اس کی جو کچھ خصوصیت ہے وہ حماقت اور غباوت کے لحاظ سے ہے اور جو شخص امام سے پہلے سر اٹھاتا ہے حماقت کے لحاظ سے اسکا سر گویا گدہے کا سر ہے، کیونکہ یہ انتہاے حماقت ہے کہ ایک شخص کسی کے پیچھے چلنا چاہے اور پھر اس سے آگے نکل جائے، یہ امر کہ اس موقع پر ظاہری معنے مقصود نہیں، دو طرح پر ثابت ہوتا ہے، یا دلیل عقلی سے یا دلیل شرعی سے، **دلیل عقلی** یہ کہ ظاہری معنی لینے ممکن نہ ہوں مثلاً آنحضرتؐ کا قول کہ "مسلمانوں کا دل خدا کی دو انگلیوں میں ہے"، حالانکہ اگر مسلمانوں کے دل کو دیکھا جائے تو ہمیں کہیں انگلیاں نظر نہ آئینگی، اس سے معلوم ہوا کہ انگلیوں سے یہاں قدرت مراد ہے کیونکہ انگلی کی اصلی حقیقت قدرت اور طاقت ہی اور قدرت کی تعبیر انگلی سے اس لیے کیگئی کہ کمال اقتدار کی تعبیر کا یہ نہایت موثر طریقہ ہے اور اسی طرح کمال اقتدار کو ان لفظوں سے تعبیر کیا ہی اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (جب ہم کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے) یہاں ظاہری معنی کسی طرح نہیں لیے جا سکتے کیونکہ جو چیز معدوم ہے وہ قابل خطاب نہیں تعمیل کا کیا ذکر، اور اگر پیدا ہونے کے بعد یہ خطاب ہی تو تحصیل حاصل ہی، لیکن چونکہ کمال اقتدار کے ظاہر کرنے کا یہ عمدہ پیرایہ ہی اسلیے اس طریقہ سے اسکو ادا کیا گیا **دلیل شرعی** کے یہ معنی کہ ظاہری معنی کا مراد لینا ممکن ہو لیکن روایت سے ثابت ہو گیا ہو کہ وہ معنی مراد نہیں جیسا کہ اس آیت میں۔ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا الخ پانی سے قرآن اور وادیوں سے دل مراد ہیں جنہیں سے

بعض مین بہت سا خس و خاشاک ہے بعض مین کم۔ اور بعض مین بالکل نہین، اور جھاگ سے کفرو نفاق مراد ہے کیونکہ گو وہ نمایان ہے اور پانی پر تیرتا رہتا ہے لیکن ناپائدار ہے اور ہدایت جو لوگون کو نفع رسان ہے قائم اور دیرپا ہے،

اس تیسری قسم کو لوگون نے زیادہ وسعت دی ہے یہان تک کہ قیامت مین ترازو پُل صراط وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر ہے ان کو بھی اسی پر محمول کیا ہے لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ کوئی حدیث اس کے موافق منقول نہین اور اسکے ظاہری معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ نہین اسلیے ظاہری ہی معنی لینے چاہیین[1]

(۴) چوتھی قسم یہ ہے کہ انسان ایک چیز کو پہلے اجمالاً جانے پھر تحقیق اور ذوق سے اسکی حقیقت اس طرح سمجھے کہ ایک حالت طاری ہوجائے، ان دونون علمون مین ایسا فرق ہے جیسا چھلکے اور مغز مین یا ظاہر و باطن مین، اس کی یہ مثال ہے کہ جسطرح کسی شخص کو کوئی چیز تاریکی مین، یا بہت دور سے نظر آئے، اس صورت مین اس کو ایک قسم کا علم حاصل ہوگا لیکن جب روشنی مین یا قریب سے دیکھے گا تو دونون صورتون مین تفاوت معلوم ہوگا، دوسری حالت پہلی حالت کی مناقض نہ ہوگی بلکہ اس کی تکمیل ہوگی۔ علم۔ تصدیق اور ایمان کی بھی یہی حالت ہے، انسان، عشق، بیماری، یا موت کا یقین رکھتا ہے لیکن جب خود اسکو یہ موقع پیش آتے ہین تو وہ یقین پہلے یقین سے کہین زیادہ کامل ہوتا ہے، بلکہ انسان کو شہوت اور عشق اور تمام دیگر جذبات کے متعلق مختلف حالتین ہوتی ہین۔ وہ یقین جو وقوع کے قبل ہوتا ہے، جو وقوع کے بعد ہوتا ہے

[1] امام صاحب اخیر مین وہی اشاعرہ کی بولی بول گئے اور احیاء العلوم جیسی کتاب مین اس قسم کا پردہ رکھنا ضرور تھا لیکن امام صاحب نے دوسری تصنیفات مین اس راز کو فاش کردیا ہے،

جو ختم ہو جانے کے بعد ہوتا ہے، آپس مین مختلف ہین مثلاً بھوک جب زائل ہو جاتی ہر تو اسکے یقین کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے جو عین بھوک کی حالت مین تھی، اسی طرح علوم دین کی حالت ہی کہ وجدان کے مرتبہ کو پہونچکر کامل ہوتے ہین کمال سے جو پہلی حالت تھی وہ گویا ظاہر ہے اور کمال کی حالت گویا باطن ہے۔ ایک بیمار کے ذہن مین صحت کا جو مفہوم ہے وہ اس سے کہین مختلف ہے جو ایک صحیح کے ذہن مین ہے،

ان چارون اقسام مین لوگون کی حالت متفاوت ہے حالانکہ ان سب حالتون مین باطن، ظاہر کا مناقض نہین بلکہ اس کا متمم ہے۔ جس طرح مغز چھلکے کا متمم ہے،

(۵) یہ وہ صورت ہی کہ زبان حال کو زبان قال سے تعبیر کیا جاتا ہی، کوتاہ فہم ظاہر پہ اٹکتا ہے اور اسکو حقیقی نطق سمجھتا ہے، لیکن حقیقت شناس اصلی راز کو سمجھتا ہے یہ ایک ضرب المثل ہے کہ دیوار نے کھونٹی سے کہا کہ تو مجکو کیون چھیدتی ہے کھونٹی نے کہا کہ اس سے پوچھو جو مجکو ٹھوکتا ہے کیونکہ مین خود مختار نہین ہون۔ یہان زبان حال کو زبان قال سے ادا کیا ہی، اسیطرح قرآن کی یہ آیت

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ ،	پھر خدا آسمان کیطرف بڑھا جبکہ وہ دھوان تھا اور اُس سے اور زمین سے خطاب کرکے کہا کہ تم دونون بخوشی یا بہ اکراہ حاضر ہو دونون نے کہا ہم بخوشی آتے ہین

احمق آدمی اس کے یہ معنی قرار دیتا ہے کہ آسمان اور زمین بھی عقل و فہم رکھتے ہین اور یہ الفاظ حرف اور صورت کے ذریعہ سے خدا نے اُن سے کہے۔ زمین اور آسمان نے اُنکو سمجھا اور جواب دیا کہ ہم حاضر ہین لیکن نکتہ شناس جانتا ہی کہ یہ زبان حال ہے جس سے مراد یہ ہی کہ زمین و آسمان خدا کے

ارادہ کے وابستہ ہین، اسی طرح پر خدا کا یہ قول ہے،

وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ	ایک چیز بھی ایسی نہین جو خدا کے حمد کی تسبیح نہ پڑھتی ہو

کودن آدمی اس آیت سے یہ سمجھتا ہے کہ جمادات مین حیات، عقل اور گویائی ہے اور وہ حقیقۃً سبحان اللہ کا لفظ ادا کرتے ہین، لیکن نکتہ دان جانتا ہے کہ زبان قال مراد نہین بلکہ یہ مراد ہے کہ خود جمادات کا وجود خدا کی تسبیح۔ خدا کی تقدیس اور خدا کی وحدانیت کی شہادت ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے

وَفِیۡ کُلِّ شَیۡءٍ لَّہٗ اٰیَۃٌ	تدل علی انہ الواحد

محاورہ مین کہتے ہین کہ یہ عمدہ صنعتگری۔ کاریگر کی حسن صنعت اور کمال فن کی شہادت ہے اس سے یہ مراد نہین ہوتی کہ وہ صنعت گری زبان سے بولتی ہے بلکہ اس کی حالت سے یہ معنی پیدا ہوتے ہین، اسی طرح جو چیز ہے وہ کسی موجد کی محتاج ہے جو اسکو پیدا کرتا ہے اور اسکو اور اسکے اوصاف کو قائم رکھتا ہے اور اسکی حالتون کو بدلتا رہتا ہے، یہ محتاج ہونا خود موجد کی تقدیس کی شہادت ہے، لیکن اس شہادت کو صرف اہل نظر سمجھتے ہین نہ ارباب ظاہر جنکی سمجھ صرف ظاہر پر محدود ہے؛ اسلیے خدا نے کہا؛

وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ،	لیکن تم لوگ ان کی تسبیح نہین سمجھتے،

کوتاہ نظر تو مطلقاً نہین سمجھ سکتے۔ علماے راسخین اور مقربین سمجھتے ہین لیکن وہ بھی کنہ اور ماہیت نہین سمجھتے۔ کیونکہ اشیا جو خدا کی تقدیس کی شہادت دیتی ہین ان کی شہادت مختلف قسم کی ہے اور ہر شخص اپنی عقل و بصیرت کے درجہ کے لحاظ سے اون کو سمجھتا ہے، ان شہادتون کے اقسام گنانا علم معاملہ کی حد سے باہر ہے،

غرض یہ وہ مرحلہ ہے جس مین ارباب ظاہر اور ارباب باطن مین تفاوت اور فرق ہو اور یہین سے معلوم ہوتا ہے کہ باطن اور ظاہر مین فرق ہے ،

اس مقام مین لوگون نے افراط و تفریط کی ہے۔ بعض اس قدر بڑھ جاتے ہین کہ سرے سے ظاہر کو اُڑا دیتے ہین۔ یہان تک کہ جس قدر ظواہر اور براہین ہین، کل یا قریباً کل کو بدل دیتے ہین مثلاً خدا کے ان ارشادات کو۔

وَتُكَلِّمُنَا اَيْدِيهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا قَالُوا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِي اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ

اور ہم سے اُنکے ہاتھ باتین کرینگے اور اُنکے پاؤن شہادت دینگے اور وہ لوگ اپنے بدن کی کھال سے کہینگے کہ تم نے ہمارے خلاف کیون گواہی دی کھالین کہینگی کہ ہم کو اس خدا نے گویا کر دیا جسنے تمام چیزونکو گویا کر دیا،

اسی طرح منکر و نکیر کے سوال و جواب۔ میزان۔ پل صراط۔ حساب و کتاب۔ دوزخیون اور بہشتیون کے مناظرے، دوزخیون کا یہ کہنا کہ ہم کو تھوڑا سا پانی یا جو کچھ خدا نے تمکو دیا ہی دو۔ ان تمام باتون کو یہ لوگ زبان حال قرار دیتے ہین۔

دوسرے گروہ نے اسقدر مبالغہ کیا کہ سرے سے سدّ باب کر دیا۔ امام احمد بن حنبل انہی لوگون مین ہین، وہ کن فیکون کی تاویل سے بھی منع کرتے ہین اور یہ لوگ سمجھتے ہین کہ خدا ہر چیز کے پیدا کرنے کے وقت کُن کا لفظ بولا کرتا ہی، یہانتک کہ مین نے امام احمد بن حنبل کے بعض مقلدین سے سنا کہ امام موصوف نے بجز تین حدیثون کے تاویل کو بالکل ناجائز قرار دیا۔ وہ تین موقع یہ ہین ۔ "حجر اسود دنیا مین خدا کا دایان ہاتھ ہی" "مسلمان کا دل خدا کی دو انگلیون مین ہے"

مجکومین سے خدا کی بو آتی ہے" امام احمد بن حنبل کی نسبت یہ گمان نہین ہوسکتا کہ وہ استوا علی العرش اور نزول کے معنی استقرار اور انتقال کے سمجھتے ہون گے، البتہ انھون نے تاویل کو لحاظ پیشبندی اور نفع عام کے سرے سے روکا ہوگا، کیونکہ جب ایک دفعہ دروازہ کھل جاتا ہے تو بات قابو سے باہر ہوجاتی ہی اور اعتدال قائم نہین رہتا کیونکہ جب اعتدال سے آگے قدم بڑھا تو اس کی کوئی حد نہین قرار پاسکتی، اس بنا پر اس قسم کی روک ٹوک مین کچھ مضایقہ نہین، سلف کے طریقہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ لوگ ان موقعون کی نسبت کہتے تھے کہ جسطرح روایت مین ہی اسیطرح رہنے دو،

امام مالک سے کسی نے استوا علی العرش کے متعلق پوچھا تو انھون نے کہا "استوا معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول، اور اس پر ایمان لانا واجب اور سوال کرنا بدعت ہی"،

بعض لوگون نے اعتدال کا طریقہ اختیار کیا تو یہ کیا کہ خدا کے صفات کے متعلق جو نصوص ہین اُن کی تاویل کی اور قیامت کے متعلق جو کچھ آیا ہے اُن کو بحال خود رہنے دیا اور اُن مین تاویل کرنے سے ممانعت کی۔ یہ لوگ **اشعریہ** ہین معتزلہ نے ان پر ترقی کی۔ یعنی صفات الٰہی مین سے مرئی ہونے اور سمیع و بصیر ہونے کی تاویل کی **معراج** کو غیر جسمانی قرار دیا عذاب قبر، میزان، پل صراط وغیرہ کی بھی تاویل کی، تاہم اس بات کا اعتراف کیا کہ معاد جسمانی ہوگا، اور بہشت مین تمام ماکولات، مشمومات و منکوحات اور دیگر لذات جسمانی ہون گے، اسی طرح دوزخ کا عذاب بھی جسمانی ہوگا، اس مین ایسا آتشین مادہ ہوگا جس سے بدن کی کھال جل جائے گی فلاسفہ (اسلام) نے اس سے بھی زیادہ ترقی کی اور کہا کہ قیامت کے باب مین جو کچھ وارد ہی وہ لذتین یا تکلیفین سب روحانی ہین، یہ لوگ معاد جسمانی کے منکر اور بقاے نفس کے قائل ہین اور کہتے ہین کہ نفس پر جو کچھ عذاب

وہ تو اب ہوگا وہ جنتی نہین ہوگا۔

یہ لوگ حد سے بڑھ جانے والے ہین، فلاسفہ کی اس آزادی اور حنبلیون کے جمود کے بیچ مین جو مین کا درجہ ہے وہ باریک اور غامض ہے اور اُس کو صرف وہی لوگ سمجھ سکتے ہین جو توفیق یافتہ ہین اور جو تمام چیزون کو روایت سے نہین، بلکہ خدائی روشنی سے دیکھتے ہین، پھر جب اُن پر حقائق امور منکشف ہوجاتے ہین تو وہ روایت اور الفاظ پر نظر ڈالتے ہین، ان مین سے جو الفاظ انکشاف کے موافق ثابت ہوتے ہین اُن کو بحال خود رہنے دیتے ہین اور جو مخالف ہوتے ہین اُن کی تاویل کرتے ہین، باقی جن لوگون کا مدار صرف روایت پر ہی تو اُن کا قدم کسی مقام پر ٹھہر نہین سکتا اور نہ اُنکا کوئی مستقر قرار پا سکتا، اور جو شخص محض روایت پر بھروسہ کرتا ہے اس کو یہی مناسب ہی کہ امام احمد بن حنبل کا طریقہ اختیار کرے کیونکہ اعتدال حقیقی کا ظاہر کرنا علم مکاشفہ مین داخل ہی اور اس مین گفتگو کرنی طول کھینچتی ہے اسلیے ہم اس مین نہین لکھتے،

مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہی کہ ظاہر و باطن مخالف نہین ہین بلکہ موافق ہین، اِن پانچون اقسام کی تفصیل سے بہت سی باتین حل ہوگئین۔"

امام صاحب نے اِس نازک اور دقیق مضمون مین مبحوث اور مشتبہ مسائل کے جو پانچ اقسام قرار دیے ان سے تاویل کا مسئلہ بہت کچھ حل ہوجاتا ہی، تاہم خاص اس بحث پر کہ تاویل کے کس قدر اقسام ہین، تاویل کے جواز کے کیا شرائط ہین، اور جواز کی حیثیت سے اِن اقسام مین کیا ترتیب ہے، امام صاحب کا ایک خاص رسالہ ہے جس نے اِس بحث کا پورا فیصلہ کردیا ہی، اس لئے اس کا نقل کرنا بھی اس موقع پر ضرور ہے،

تاویل کے متعلق امام غزالی کی کتاب فیصل التفرقہ کا خلاصہ ہے

وہ لکھتے ہین کہ اشیا کے وجود کی پانچ قسمین ہین،

(۱) وجود ذاتی یعنی وجود حقیقی مثلاً آسمان و زمین کا وجود،

(۲) وجود حسّی یعنی وہ وجود جو صرف صاحب حسّ کے ساتھ خاص ہے، مثلاً خواب کے واقعات، یا مثلاً بعض بیمار دن کو بیداری کی حالت مین صورتین نظر آتی ہین۔ ابیا علیہم السلام کو ملائکہ کی جو صورتین نظر آتی ہین امام صاحب اس کو بھی اسی قسم مین داخل کرتے ہین۔ چنانچہ اس قسم کے تحت مین لکھتے ہین،

بل قد یتمثل للانبیاء والاولیاء فی الیقظۃ والصحۃ صور جمیلۃ محاکیۃ لجواھر الملائکۃ وینتھی الیھم الوحی والالھام بواسطتھا فیتلقون من امر الغیب ما یتلقاہ غیرھم فی النوم وذلک لشدۃ صفاء باطنھم کما قال اللہ تعالی فتمثل لھا بشراً سویاً وکما انہ صلی اللہ علیہ وسلم رای جبریل کثیراً

بلکہ کبھی انبیا اور اولیا کو بیداری اور صحت مین بصورت صورتین نظر آتی ہین جو جواہر ملائکہ کے مشابہ ہوتی ہین انہی صورتون کے ذریعہ سے انبیا اور اولیا کو وحی و الہام ہوتا ہے تو غیب کے امور جو اورون کو خواب مین معلوم ہوتے ہین انبیا اور اولیا کو صفائی باطن کی وجہ سے بیداری مین معلوم ہوتے ہین، جیسا کہ خدا نے کہا ہے کہ مریم کے سامنے جبریل ٹھیک آدمی کی صورت بنکر آیا اور جیسا کہ آنحضرت نے جبریل کو اکثر دفعہ دیکھا تھا،

(۳) وجود خیالی یعنی وجود ذہنی،

(۴) وجود عقلی مثلاً جب ہم کہتے ہین کہ یہ چیز ہمارے ہاتھ مین ہے اور اس سے مراد قبضہ و قدرت ہوتی ہے تو یہ ہاتھ کا وجود عقلی ہے کیونکہ ہاتھ کی اصلی غرض قبضہ اور قوت ہے،

(۵) **وجود شبھی** - یعنی خود وہ شے موجود نہین بلکہ اس کے مشابہ ایک چیز موجود ہے، اسکی مثال امام صاحب نے (آگے چلکر) خدا کے غضب وغیرہ سے دی ہے، کیونکہ غضب کے اصلی معنی دل کے خون کا جوش آنا ہے، اور یہ ظاہر ہے کہ خدا ان چیزون سے بری ہے لیکن خدا مین ایک ایسی صفت پائی جاتی ہے جو غضب سے مشابہ ہے،

اِن اقسام کے بیان کرنے کے بعد امام صاحب لکھتے ہین،

اعلم ان کل من نزل قولاً من اقوال الشرع علی درجۃ من ھذہ الدرجات فھو من المصدقین وانما التکذیب ان ینفی جمیع ھذہ المعانی،	جان لو کہ جو شخص شرع کی کسی بات کو اِن درجات مین سے کسی ایک درجہ پر محمول کرتا ہے تو وہ شرع کی تصدیق کرنے والون مین ہے تکذیب کرنے والا وہ شخص ہی جو اِن تمام معانی کی نفی کرتا ہی،

اس کے بعد امام صاحب نے اِن مراتب کی ترتیب بتائی ہی یعنی یہ کہ جس چیز کا ذکر قرآن و حدیث مین ہو، پہلے اس کا وجود ذاتی ماننا چاہیے، اگر کسی دلیل سے ثابت ہو کہ اُس شے کا وجود ذاتی نہین ہوسکتا تو حسی، پھر خیالی، پھر عقلی، پھر شبھی اس کے بعد ان مراتب کی مثالین دی ہین اور لکھا ہے کہ تاویل سے کسی فرقہ کو گریز نہین، مثلاً احادیث مین آیا ہے کہ اعمال تولے جائین گے چونکہ اعمال عرض ہین اور عرض تولا نہین جاسکتا اس لیے ہر فرقہ کو تاویل کرنی پڑی، اشعری نے یہ تاویل کی کہ اعمال نہین بلکہ اعمال کے کاغذات تولے جائین گے معتزلہ نے کہا نہین، وزن سے مراد اندازہ کرنا ہے حقیقی ترازو مراد نہین،

امام صاحب نے جو اقسام قرار دیئے اور اون کی حقیقت بیان کی وہ تاویل کے

مسئلہ کا قطعی فیصلہ ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام متاخرین مثلاً امام رازی۔ آمدی وغیرہ نے تاویل کا فیصلہ اسی بنا پر کیا، لیکن ایک امر پھر بھی مشتبہ رہ گیا، اور امام غزالی کے بعد سے آج تک سیکڑون غلطیان جو ہوتی آئیں سب اسی کی بدولت ہین، امام صاحب نے تاویل کا ایک اُصول یہ قرار دیا کہ جب اِس بات پر دلیل قطعی موجود ہو کہ ظاہری معنی مراد نہین ہوسکتے، تب اور معانی کی طرف رجوع کرنا چاہیے، یہ اصول فی نفسہ بالکل صحیح ہے، لیکن **دلیل قطعی** کا لفظ تشریح طلب ہے، اور یہی لفظ ہے جس کی غلط فہمی نے سیکڑون غلطیون کا سلسلہ قایم کردیا،

امام صاحب اور امام رازی وغیرہ دلیل قطعی کے یہ معنی قرار دیتے ہین کہ "جب وجود ذاتی یعنی ظاہری معنی کے مراد لینے مین کوئی محال لازم آتا ہو" تو تاویل کرنی چاہیئے، محال کا لفظ استعمال مین، محال عادی بلکہ مستبعدات پر بھی بولا جاتا ہے، لیکن امام صاحب محال عقلی کی قید لگاتے ہین جس کی بنا پر تاویل کا یہ اُصول ٹھہرا کہ جب ظاہری معنی کے مراد لینے مین محال عقلی لازم آتا ہو، تب تاویل کرنی چاہیئے، اِس بنا پر امام صاحب حشر اجساد کے منکر کو کافر کہتے ہین، کیونکہ ان کے نزدیک اجسام کا قیامت مین دوبارہ زندہ ہونا محال عقلی نہین اسلیئے تاویل کی کوئی ضرورت نہین،

امام غزالی وغیرہ کی تحقیقات پر بحث

سب سے پہلے ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ خود امام صاحب اور دیگر ائمہ کلام نے اس کی پابندی کہان تک کی ہے، امام غزالی اسی کتاب تفصیل التفرقہ مین حضرت جبریل کے وجود کو جبکہ وہ حضرت مریم کو نظر آئے تھے، وجود ذاتی نہین قرار دیتے، حالانکہ انکے نزدیک حضرت جبریل کا وجود ذاتی ممکن بلکہ وقوعی چیز ہے، جمادات کی تسبیح کا قرآن مجید مین

جو ذکر ہے امام صاحب اس کو اصلی معنی پر محمول نہین کرتے بلکہ زبان حال قرار دیتے ہین حالانکہ امام صاحب کے نزدیک جمادات کا تسبیح پڑھنا محالات عقلی مین داخل نہین، قرآن مجید مین ہے کہ خدا جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے کہ "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے" اس کو امام صاحب اصلی معنی پر محمول نہین کرتے بلکہ زبانِ حال قرار دیتے ہین حالانکہ خدا کا یہ کہنا کوئی محال امر نہین، اِس قسم کی سیکڑون مثالین ہین جن کا شمار نہین ہو سکتا،

اب ہم کو بجائے خود دیکھنا چاہیئے کہ یہ اُصول کہان تک صحیح ہے، ہم جب کسی شخص کی نسبت کہتے ہین کہ وہ کشادہ دست ہے تو کیا اِن الفاظ کے اصلی معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم آتا ہے، کیا اُس شخص کے ہاتھون کا واقعی کھلا ہونا ناممکن ہے، باوجود اس کے کوئی شخص اِن الفاظ کے اصلی معنی مراد نہین لیتا بلکہ اِس سے سخاوت اور فیاضی کا مفہوم سمجھتا ہے، ہر زبان مین سیکڑون مجازات ہوتے ہین کیا ان تمام مجازات مین حقیقی معنی کا مراد لینا کسی محال کا مستلزم ہوتا ہے؛

اِن بحثون کے بعد **محال** کی بحث باقی رہ جاتی ہے، محال عقلی خود ایک بحث طلب چیز ہے، ایک شخص ایک چیز کو محال سمجھتا ہے، دوسرا نہین سمجھتا، خدا کا ذوجہت ہونا امام غزالی کے نزدیک محال ہے، حنبلیون کے نزدیک ممکن ہے، موت کا مجسم ہو کر مینڈھا بن جانا اشاعرہ کے نزدیک محال ہے، بہت سے محدثین کے نزدیک ممکن ہے۔ امام صاحب نے اِس بحث کا لحاظ رکھا اور حنبلیون کو اِس بنا پر کافر نہین قرار دیا کہ وہ جن چیزون کو مانتے ہین مثلاً خدا کا ذوجہت اور ذواشارہ ہونا وہ گو فی نفسہ محال ہے لیکن چونکہ اُن کے

نزدیک محال نہین اِس لیئے وہ معذور ہین، بے شبہہ یہ امام صاحب کی فیاض دلی ہے، لیکن یہ فیاض دلی جنبلیون ہی تک کیون محدود رکھی جائے، حکمائے اِسلام کے نزدیک اعادۂ معدوم عقلاً محال ہے، اِس لیئے وہ حشر اجساد کے قائل نہین اُن کو امام صاحب کیون کافر کہتے ہین؟

لفظ محال کی غلط تعبیر نے وہم پرستیون کی بنیاد ڈالی،

اسی مسئلہ کی غلط فہمی نے ہزارون وہم پرستیون کی بنیاد ڈالی ہے، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ نے محال عقلی کو جن معنون مین لیا اُس کے لحاظ سے بجز ایک دو چیز کے باقی تمام چیزین ممکن یقین اسلیئے ہر جگہ ظاہری معنی کی پابندی کرنی پڑی، اور اسکی بنا پر سیکڑون دور از کار باتون کا قائل ہونا پڑا، اور یہ سلسلہ برابر ترقی کرتا گیا،

روایتون مین ہے کہ "آفتاب ہر روز عرش کے نیچے جا کر سجدہ کرتا ہے"، "آسمان پر اِس کثرت سے فرشتے ہین کہ اُن کے بوجھ سے آسمان سے چرچرانے کی آواز آتی ہے"، "خدا نے ازل مین حضرت آدمؑ کو جب پیدا کیا تو اُن کی بائین پسلی نکال لی اور اُسی سے حضرت حوا کو بنایا"، "ازل مین حضرت آدم کی پیٹھ سے اُن کی تمام اولاد پیدا کی، پھر اُن سے اپنی خدائی کا اقرار لیکر اُن کو اُن کی پیٹھ مین بھر دیا"، "سامری نے حضرت جبریل کے گھوڑے کے سُم کی خاک اُٹھالی اور مٹی کا بچھڑا بناکر وہ خاک اُس کے پیٹ مین ڈالدی اس کا یہ اثر ہوا کہ بچھڑا بولنے لگا" وغیرہ وغیرہ۔ اِن تمام واقعات مین ظاہری معنی مراد لینے مین اشاعرہ کے نزدیک، محال عقلی لازم نہین آتا اس لیئے ظاہری معنی لینے پڑے،

محال عقلی ہی کی یہ تشریح ہے جس نے تمام مسلمانون کو آج وہم پرستیون مین مبتلا کر رکھا ہے

ایک شخص آکر کہتا ہے کہ فلان درویش نے دریا کا تمام پانی دودھ کردیا، فلان مجذوب نے اپنے بدن کی کھال اُتار کر رکھدی، فلان بزرگ نے سیکڑون مردے زندہ کردیئے - چونکہ یہ تمام واقعات اشاعرہ کی تشریح کے موافق محال نہین ہین، اِس لیے راوی کے متعلق کسی قسم کی تحقیق وتنقید کی ضرورت نہین پڑتی بلکہ یہ کہکر تسلیم کرلیئے جاتے ہین کہ ان مین استحالہ کیا ہے؟ اور جب کوئی استحالہ نہین تو نہ ماننے کی کیا وجہ ہے،

اصل یہ ہو کہ قرآن مجید اگرچہ خدا کا کلام ہے لیکن عرب کی زبان مین اُترا ہے، اس لئے زبان عرب کی جو خصوصیات ہین سب اس مین پائی جاتی ہین اور پائی جانی چاہیین، اس مین مجازات، استعارات، تشبیہات سبھی کچھ ہین اور اُسی طرح ہین جو زبان عرب کا عام انداز ہے،

مجازات اور استعارات کے لیئے یہ ضرو نہین کہ اصلی معنی مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم آتا ہو، حمالۃ الحطب کے معنی لکڑیان چننے کے ہین لیکن چغل خور کو بھی کہتے ہین، قرآن مجید مین ابولہب کی جورو کو حمالۃ الحطب کہا ہو یہان اصلی معنی مراد لینے بھی ممکن ہین لیکن اہل لغت چغل خور کے معنی لیتے ہین اور کوئی شخص اون کو اس بنا پر کافر یا گمراہ نہین کہتا کہ اونھون نے بلا وجہ اصلی معنی سے عدول کیا،

ظاہری معنی سے عدول کرنے کے لیئے یہ لازم نہین کہ اس کا مراد لینا محال عقلی ہو بلکہ اکثر جگہ سیاق کلام اور طرز استعمال خود بتاتا ہو کہ اصلی معنی مقصود نہین - قرآن مین ہے کہ ہم نے آسمان و زمین سے کہا کہ تمہارا جی چاہے یا نہ چاہے تم کو حاضر ہونا چاہیے، دونون نے کہا کہ ہم بہ خوشی حاضر ہین، یہان طرز کلام خود بتا رہا ہے کہ قدرت کاملہ کے اظہار کا یہ ایک پیرایہ ہو،

بعض جگہ سیاقِ کلام دلالت نہین کرتا، لیکن ظاہری معنے مراد لینے بالکل مستبعد اور دور از کار وہم پرستی ہوتی ہے، اس لیے وہان مجازی معنے لیے جاتے ہین۔

تاویل در حقیقت تاویل نہین ہے

ایک اور نکتہ مہتم بالشان اور یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جن چیزون کو تاویل کہا جاتا ہے اُنپر تاویل کا اطلاق حقیقت مین صحیح نہین، تاویل کے معنے یہ قرار دیے گئے ہین کہ ظاہری معنی چھوڑ کر دوسرے معنی اختیار کیے جائین، لیکن ظاہری معنی کی تعبیر غلط کی گئی ہے، استعمال اور محاورہ بھی ظاہری معنے مین داخل ہے، لیکن اس کو، لوگ تاویل کہتے ہین، لغت کی یہ کیفیت ہے کہ اصل مین ایک لفظ کے ایک ہی معنے ہوتے ہین، پھر تناسب اور تعلق کے لحاظ سے اور اور معنی پیدا ہوتے جاتے ہین، مثلاً اخبات کے اصلی معنے پستی مین آنے کے ہین، لیکن تواضع اور انکسار کو بھی اخبات کہتے ہین اور اس لحاظ سے کہتے ہین کہ تواضع کرنا گویا پستی مین آنا ہے لفظ کے اصلی معنے پھینکنے کے ہین، پھر لفظ کو اسوجہ سے لفظ کہنے لگے کہ وہ بھی گویا زبان سے پھینکے جاتے ہین، یہ معانی حقیقت مین درجہ دوم کے معنے، ہین جن کو انگریزی مین سکنڈری معنے کہتے ہین لیکن اس قسم کے تمام معانی لغت مین داخل کر لیے گئے ہین اور اصلی معنے قرار پا گئے ہین، عربی زبان مین جو ایک لفظ کے دس دس اور بیس بیس معنے ہوتے ہین، انمین اصلی معنے درحقیقت ایک ہی ہوتے ہین لیکن مناسبت کی وجہ سے اور اور معنے پیدا ہوتے جاتے ہین اور وہ سب اصلی قرار پاتے ہین، ورنہ اگر صرف اصلی معنے پر حصر کیا جائے تو لغت کی کتابون کی ضخامت آدھی بلکہ چوتھائی سے کم رہ جائے،

اس بنا پر جس چیز کو تاویل کہتے ہین، وہ تاویل نہین، کیونکہ جس معنی مین انکا استعمال ہوا ہے وہ بھی ظاہری ہی معنے ہین،

غرض فذلکۂ سخن یہ ہے شرع مین جو امور بظاہر قابل بحث نظر آتے ہین ان کی متعدد صورتین ہین بعض امور ایسے ہین جو عام ادراک سے باہر ہین، ان کی حقیقت کے اظہار سے یا تو شریعت نے بالکل اعراض کیا ہے یا تشبیہ و تمثیل کے طریقہ سے بیان کیا ہو کہ ایک سرسری اور اجمالی خیال قائم ہو سکے۔

بعض ایسے ہین جو چندان دقیق نہین لیکن اس کی حقیقت کا اظہار جمہور عوام کے حق مین مضر ہے،

بعض ایسے ہین جو اگر صاف صاف بیان کردیے جاتے تب بھی سمجھ مین آسکتے تھے لیکن ان کو استعارہ اور تشبیہ کے پیرایہ مین اس غرض سے بیان کیا گیا کہ یہ طریقہ زیادہ موثر اور واقع فی النفس ہے، مثلاً خدا کی قدرت کاملہ کو ان لفظون سے ادا کیا گیا کہ جب وہ کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے،" امام غزالی اس صورت کو بیان کرکے لکھتے ہین کہ "اکثر لوگون نے قیامت کے واقعات مثلاً میزان، پل صراط وغیرہ کو اسی قسم مین داخل کیا ہے، لیکن یہ بدعت ہے کیونکہ ظاہری معنے مراد لینے مین کوئی استحالہ لازم نہین آتا"

لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ امام صاحب کی یہ راے احیاء العلوم اور کتب کلامیہ کے ساتھ مخصوص ہے ورنہ جواہر القرآن اور مضنون وغیرہ مین واقعات قیامت کے متعلق

اُن کی بھی یہی راے ہے چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

بعض جگہ حال کو زبان قال سے ادا کیا ہے مثلاً جمادات کی تسبیح۔

ان مختلف اقسام کا نتیجہ یہ ہے کہ شریعت مین جب کسی چیز کے وجود کا ذکر ہو تو یہ ضرور نہین کہ خواہ مخواہ وجود خارجی مقصود ہو بلکہ ممکن ہے کہ وجود حسّی یا خیالی یا عقلی یا شبہی مراد ہو جیسا کہ امام غزالی نے بتفصیل بیان کیا،

اس تمہید کے بعد اب ہم اصل مطلب شروع کرتے ہین،

روحانیات

روحانیات یا غیر محسوسات

ملائکہ۔ وحی۔ واقعاتِ قیامت وغیرہ وغیرہ

چونکہ یہ تمام چیزین قرآن مجید مین، مذکور ہین، اس لیے انپر ایمان لانا واجب اور شرط اسلام ہے اور اس لیے تمام اسلامی فرقون مین اجمالاً یہ عقائد مسلم ہین لیکن چونکہ قرآن مین ان کی کیفیت مذکور نہین اس لیے ان کی تشریح مختلف فرقون نے، مختلف طریقون سے کی،

اشاعرہ نے یہ دعویٰ کیا کہ یہ ضرور نہین کہ ایک شے موجود ہو اور نظر بھی آئے اس بنا پر ممکن ہے کہ یہ تمام چیزین موجود ہون اور نظر نہ آئین،

شرح مواقف مین رویت باری کی بحث مین ہے،

لانُسَلِّمُ وُجُوبَ الرُّؤيَةِ عِنْدَ	ہم یہ تسلیم نہین کرتے کہ رویت کی جب آٹھون شرطین موجود ہون

اجتماع الشروط الثمانیہ	تو خواہ مخواہ وہ شے نظر آئے۔

یہ دعوی جسقدر عجیب وغریب ہے، دلیل اس سے زیادہ عجیب ہے،

لِاَنَّا نَرَی الْجِسْمَ الْکَبِیْرَ مِنَ الْبَعِیْدِ صَغِیْرًا وَمَا	کیونکہ ہم بڑے جسم کو دور سے چھوٹا دیکھتے ہین اور اسکی صرف
ذٰلِکَ اِلَّا لِاَنَّا نَرَی بَعْضَ اَجْزَائِہٖ دُوْنَ الْبَعْضِ	یہ وجہ ہو سکتی ہو کہ ہم کو اسکے بعض اجزا نظر آتے ہین اور
مَعَ تَسَاوِی الْکُلِّ فِیْ حُصُوْلِ الشَّرَائِطِ۔	بعض نہین حالانکہ جو شرائط رویت کے ہین وہ تمام اجزا مین پائے جاتے ہین

یہی طفلانہ استدلالات اور احتمالات ہین جنھون نے آج قوم کی قوم کو نظر بندی اور اور بیسیون دور از کار باتون کا معتقد بنا دیا ہے،

لیکن اشاعرہ ظاہرین کے سوا اور لوگ اس قسم کے دور از کار خیالات کے کیونکر قائل ہو سکتے تھے امام غزالی۔ شیخ الاشراق۔ شاہ ولی اللہ صاحب اور اور محققین نے اصل حقیقت پر توجہ کی اور اس عقدہ کو حل کیا۔ ان لوگون کا مذہب ہی کہ شریعت مین جن چیزون کا ذکر ہے اُن کی دو قسمین ہین، محسوسات عام، غیر محسوسات عام، رویت احساس اور تجربہ یہ تمام چیزین صرف محسوسات عام سے متعلق ہین، غیر محسوسات کو ان چیزون سے واسطہ نہین لیکن بااینہمہ غیر محسوسات بھی حقائق موجودہ ہین کیونکہ یہ ضرور نہین کہ جو شے خارج مین موجود یا محسوسِ عام نہ ہو، وہ واقع مین بھی نہ ہو کیونکہ واقعیت وجود خارجی پر محدود نہین

روحانیات کا وجود کس قسم کا ہے

لیکن چونکہ حقائق واقعیہ کے لیے آخر کسی نہ کسی قسم کا وجود ضرور ہے۔ اس لیے محققینِ اسلام نے اسکے مختلف نام رکھے۔

امام غزالی اس وجود کو وجودِ حسّی سے تعبیر کرتے ہین اور اس کی تعریف جیسا کہ ہم

تاویل کی بحث مین اُن کی اصلی عبارت نقل کر آئے ہین، یہ لکھتے ہین کہ یہ وجود صرف، خاص شخص کے حاسہ سے تعلق رکھتا ہے،

انبیا کو ملائکہ کی صورت جو نظر آتی ہے، آنحضرت کو حضرت جبریل جس طرح مرئی ہوتے تھے، حضرت مریمؑ نے حضرت جبریل کو جس صورت مین دیکھا تھا، امام صاحب سب کو اسی وجود کے تحت مین داخل کرتے ہین۔ چنانچہ تاویل کی بحث مین، امام صاحب کی اصلی عبارت ہم نقل کر آئے ہین،

مضنون بہ علی غیر اہلہ مین امام صاحب نے معجزات کی بحث مین اس وجود کو خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہین۔

إِنَّ لِسَانَ الْحَالِ يَصِيرُ مُشَاهَدًا مَحْسُوسًا عَلَى سَبِيلِ التَّمْثِيلِ وَهٰذَا خَاصَّةُ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ كَمَا أَنَّ لِسَانَ الْحَالِ يَتَمَثَّلُ فِي الْمَنَامِ لِغَيْرِ الْأَنْبِيَاءِ وَيَسْمَعُونَ صَوْتًا وَكَلَامًا فَالْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَرَوْنَ ذٰلِكَ فِي الْيَقْظَةِ وَتُخَاطِبُهُمْ هٰذِهِ الْأَشْيَاءُ فِي الْيَقْظَةِ

زبان حال بطور تمثیل کے مشاہد اور محسوس بنجاتی ہے اور یہ انبیا اور رُسل کا خاصہ ہے، جس طرح کہ خواب کی حالت مین زبان حال عام لوگون کے لیے متمثل ہوجاتی ہے تو وہ لوگ آوازین اور باتین سُنتے ہین، تو انبیا علیہم السلام، ان چیزون کو بیداری کیحالت مین دیکھتے ہین، اور یہ چیزین اُن سے بیداری کی حالت مین خطاب کرتی ہین،

قبر کے واقعات کو بھی امام صاحب اسی عالم کے واقعات قرار دیتے ہین۔ چنانچہ الغزالی مین ہمنے امام صاحب کے اصلی الفاظ نقل کیے ہین،

شیخ الاشراق کا مذہب

شیخ الاشراق کا یہ مذہب ہے کہ عالم محسوسات کے سوا، ایک اور عالم ہے جسکو عالم اشباح یا عالم امثال کہتے ہین، انکا استدلال یہ ہے کہ قوت متخیلہ مین یا آئینہ مین جو صورتین نظر آتی ہین، وہ درحقیقت متخیلہ اور آئینہ مین موجود نہین ہین، بلکہ یہ چیزین اُن کے ظہور کا ایک آلہ ہین اور چونکہ اس امر سے بھی انکار نہین ہوسکتا کہ وہ واقعی چیزین ہین اس لیے ضرور ہے کہ ایک عالم اشباح اور امثال تسلیم کیا جائے جہان ان صورتون کا اصلی وجود ہے، شیخ الاشراق، جن اور شیاطین کو بھی اسی عالم مین شمار کرتے ہین، ان کے نزدیک حشر اجساد، اور بہشت و دوزخ وغیرہ سب کا وجود اسی قسم مین داخل ہے چنانچہ حکمۃ الاشراق مین عالم اشباح کا ذکر کر کے لکھتے ہین،

وَبِهٖ تَحَقَّقَ بَعْثُ الْاَجْسَادِ وَالْاَشْبَاحِ الرَّبَّانِيَّةِ وَجَمِيْعُ مَوَاعِيْدِ النُّبُوَّةِ

قیامت مین اجسام کا زندہ ہونا، اور اشباح ربانی اور نبوت کے تمام وعدے، اسی عالم اشباح سے ثابت ہوتے ہین،

اسی کتاب مین ایک اور موقع پر لکھتے ہین،

وَمَا يَسْمَعُ الْمُكَاشِفُوْنَ كَالْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ[1] مِنَ الْاَصْوَاتِ الْهَائِلَةِ لَا يَجُوْزُ اَنْ يُقَالَ اِنَّهُ تَمَوُّجُ هَوَاءٍ فِيْ دِمَاغٍ فَاِنَّ الْهَوَاءَ تَمَوُّجُهٗ بِتِلْكَ الْقُوَّةِ لِمُصَاكَّةِ الدِّمَاغِ لَا يَتَصَوَّرُ بَلْ هُوَ مِثَالُ الصَّوْتِ اَيِ الْمَوْجُوْدُ فِيْ عَالَمِ الْمِثَالِ

اور اہل کشف (یعنی پیغمبر اور اولیا) جو ہیبتناک آوازین سُنتے ہین، انکی نسبت یہ نہین کہا جاسکتا کہ وہ دماغ مین ہوا کے تموج سے پیدا ہوتی ہین، کیونکہ ہوا کا تموج جو اس زور کے ساتھ دماغ سے ٹکرائے، خیال مین نہین آسکتا بلکہ وہ اُس کی آواز کی تصویر ہے جو عالم مثال مین موجود ہے

[1] اس عبارت مین جو تفسیری جملے ہین، شرح حکمۃ الاشراق کے ہین۔

ایک اور موقع پر لکھتے ہین،

وَمَا يَتَلَقَّى الْأَنْبِيَاءُ وَالْأَوْلِيَاءُ وَغَيْرُهُمْ مِنَ الْمُغَيَّبَاتِ فَإِنَّهَا قَدْ تَرِدُ عَلَيْهِمْ فِي سُطُورٍ مَكْتُوبَةٍ وَقَدْ تَرِدُ لِسَمَاعِ صَوْتٍ قَدْ يَكُونُ لَذِيذًا وَ قَدْ يَكُونُ هَائِلًا وَقَدْ يُشَاهِدُونَ صُوَرَ الْكَائِنَاتِ وَقَدْ يَرَوْنَ صُوَرًا حَسَنَةً إِنْسَانِيَّةً تُخَاطِبُهُمْ فِي غَايَةِ الْحُسْنِ فَتُنَاجِيهِمْ بِالْغَيْبِ وَقَدْ يُرَى الصُّوَرُ الَّتِي يُخَاطِبُ كَالتَّمَاثِيلِ الصِّنَاعِيَّةِ فِي غَايَةِ اللُّطْفِ وَقَدْ تَرِدُ عَلَيْهِمْ فِي خَطَرَةٍ وَقَدْ يَرَوْنَ مِثَالًا مُعَلَّقَةً وَجَمِيعُ مَا يُرَى فِي الْمَنَامِ مِنَ الْجِبَالِ وَالْبُحُورِ وَالْأَرَضِينَ وَالْأَصْوَاتِ الْعَظِيمَةِ وَالْأَشْخَاصِ كُلُّ مِثْلٍ قَائِمَةٌ ،

اور پیغمبرون کو اور اولیار کو عالم غیب کی جو باتین معلوم ہوتی ہین تو وہ کبھی لکھی ہوئی سطرونمین نظر آتی ہین کبھی آواز کی صورت مین جو کبھی لذیذ ہوتی ہے اور کبھی مہیب اور کبھی وہ لوگ کائنات کی صورتین دیکھتے ہین جو ان سے نہایت لطف کے ساتھ خطاب کرتی ہین اور اُنسے غیب کی باتین کہتی ہین، اور کبھی وہ صورتین جو خطاب کرتی ہین نہایت لطیف صنعتی پیکرون مین نظر آتی ہین اور کبھی پرخطر معلوم ہوتی ہین، اور کبھی وہ لوگ معلق مثالین دیکھتے ہین اور جو کچھ خواب مین پہاڑ، دریا، زمین سخت آوازین اور اشخاص نظر آتے ہین یہ سب مثالی صورتین ہین جو بذات خود قائم ہین

شاہ ولی اللہ صاحب کی رائے

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث کو زیادہ مفصل لکھا ہے، انہون نے اُن نصوص کو جنمین اس قسم کی موجودات کا ذکر ہے تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، پھر لکھا ہے کہ ان نصوص پر جو شخص نظر ڈالیگا اسکو مجبوراً تین باتون سے ایک کا قائل ہونا پڑے گا، یا یہ تسلیم کرے کہ محسوسات کے علاوہ ایک عالم مثال بھی ہے، (شاہ صاحب اس عالم مثال کو محدثین کے اصول کے موافق بتاتے ہین) یا اس بات کا قائل ہو کہ خاص اس شخص کو ایسا نظر آتا ہے گو اسکے حاسہ سے باہر اسکا وجود نہین ہے یا یہ کہ یہ واقعات بطور تمثیل کے

بیان ہوے ہین' ان احتمالات کو لکھ کر شاہ صاحب لکھتے ہین کہ جو شخص صرف تیسرے ہی احتمال پر قناعت کرتا ہے، مین اسکو اہل حق سے نہین سمجھتا،، شاہ صاحب تو فقط تیسرے احتمال کو باطل قرار دیتے ہین، لیکن ہمارے علما دو پہلے احتمالات کو بھی تسلیم کر لین تو بڑا مرحلہ طے ہو جائے، اور فلسفہ زبان حال سے بول اُٹھے کہ

شکر ایزد کہ میان من و او صلح افتاد

بہرحال ہم شاہ صاحب کی پوری عبارت نقل کرتے ہین۔

بَابُ ذِکرِ عَالَمِ الْمِثَالِ

اِعْلَمْ اَنَّهُ دَلَّتْ اَحَادِيْثُ كَثِيْرَةٌ عَلٰى اَنَّ فِی الْوُجُوْدِ عَالَمًا غَيْرَ عُنْصُرِيٍّ يَتَمَثَّلُ فِيْهِ الْمَعَانِیْ بِاَجْسَامٍ مُنَاسِبَةٍ لَهَا فِی الصِّفَةِ وَيَتَحَقَّقُ هُنَالِكَ الْاَشْيَاءُ قَبْلَ وُجُوْدِهَا فِی الْاَرْضِ نَحْوًا مِّنَ التَّحَقُّقِ فَاِذَا وُجِدَتْ كَانَتْ هِیَ هِیَ بِمَعْنٰى مِّنْ مَعَانِیْ هُوَ هُوَ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَشْيَاءِ مِمَّا لَا جِسْمَ لَهَا عِنْدَ الْعَامَّةِ تَنْتَقِلُ وَتَنْزِلُ وَلَا يَرَاهَا جَمِيْعُ النَّاسِ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا خَلَقَ اللّٰهُ الرَّحِمَ

عالم مثال کا ذکر

جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثون سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم موجودات مین ایسا عالم بھی ہے جو غیر عنصری ہے اور جسمین معانی اُن اجسام کی صورت مین متشکل ہوتے ہین جو اوصاف کے لحاظ سے اُنکے مناسب ہین، پہلے اس عالم مین اشیا کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے تب دنیا مین اُنکا وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے، اکثر وہ اشیا جو عوام کے نزدیک جسم نہین رکھتین اس عالم مین منتقل ہوتی ہین اور اترتی ہین، اور عام لوگ انکو نہین دیکھتے، آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو

قَامَتْ فَقَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ
الْقَطِيْعَةِ وَقَالَ اِنَّ الْبَقَرَةَ وَاٰلَ عِمْرَانَ تَاْتِيَانِ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كَاَنَّهُمَا غَمَامَتَانِ اَوْ غَيَابَتَانِ اَوْ
فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافَّ تُحَاجَّانِ عَنْ اَهْلِهِمَا
وَقَالَ تَجِيْءُ الْاَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَتَجِيْءُ الصَّلٰوةُ ثُمَّ
تَجِيْءُ الصَّدَقَةُ ثُمَّ تَجِيْءُ الصِّيَامُ الْحَدِيْث
وَقَالَ اِنَّ الْمَعْرُوْفَ وَالْمُنْكَرَ لَخَلِيْقَتَانِ
تُنْصَبَانِ لِلنَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَمَّا الْمَعْرُوْفُ
فَيُبَشِّرُ اَهْلَهٗ وَاَمَّا الْمُنْكَرُ فَيَقُوْلُ
اِلَيْكُمْ اِلَيْكُمْ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهٗ اِلَّا لُزُوْمًا وَ
قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَبْعَثُ الْاَيَّامَ يَوْمَ
الْقِيٰمَةِ كَهَيْئَتِهَا وَيَبْعَثُ الْجُمُعَةَ زَهْرَاءَ
مُنِيْرَةً وَقَالَ يُؤْتٰى بِالدُّنْيَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
فِيْ صُوْرَةِ عَجُوْزٍ شَمْطَاءَ زَرْقَاءَ اَنْيَابُهَا
مُشَوَّهٍ خَلْقُهَا وَقَالَ هَلْ تَرَوْنَ مَا اَرٰى
فَاِنِّيْ لَاَرٰى مَوَاقِعَ الْفِتَنِ خِلَالَ بُيُوْتِكُمْ
كَمَوَاقِعِ الْقَطْرِ وَقَالَ فِيْ حَدِيْثٍ

پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے
جو قطع رحم سے پناہ مانگ کر تیرے پاس پناہ ڈھونڈتا
ہے، اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران
قیامت مین بادل، یا سائبان یا صف بستہ پرندون کی
شکل مین آئینگی اور ان لوگون کی طرف سے وکالت کرینگی
جنھون نے انکی تلاوت کی ہے، اور آنحضرتؐ نے فرمایا ہو کہ قیامت
مین اعمال حاضر ہونگے تو پہلے نماز آئیگی پھر خیرات پھر
روزہ الخ۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق
ہین جو قیامت مین لوگونکے سامنے کھڑی کیجائینگی، سو
نیکی نیکی والون کو بشارت دیگی، اور برائی برائی والونکو
کہے گی کہ ہٹو ہٹو لیکن وہ لوگ اس سے چمٹے ہی رہینگے اور آنحضرتؐ
نے فرمایا ہو کہ قیامت مین اور دنون مین وہ معمولی صورت
مین حاضر ہونگے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئیگا۔ اور
آنحضرتؐ نے فرمایا ہو کہ قیامت مین دنیا ایک بڑھیا کی صورت
مین لائی جائیگی جسکے بال کھچڑی دانت نیلے اور صورت بد
ہوگی۔ اور آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو مین دیکھتا ہون کیا تم
بھی دیکھتے ہو مین دیکھ رہا ہون کہ فتنے تمہارے گھرون پہ اسطرح

الْاِسْرَاءِ فَاِذَا اَرْبَعَةُ اَنْهَارٍ
نَهْرَانِ بَاطِنَانِ وَنَهْرَانِ ظَاهِرَانِ
فَقُلْتُ مَا هٰذَا يَا جِبْرِيْلُ قَالَ اَمَّا
الْبَاطِنَانِ فَفِي الْجَنَّةِ وَاَمَّا الظَّاهِرَانِ
فَالنِّيْلُ وَالْفُرَاتُ وَقَالَ فِيْ حَدِيْثِ
صَلٰوةِ الْكُسُوْفِ صُوِّرَتْ لِيَ الْجَنَّةُ
وَالنَّارُ وَفِيْ لَفْظٍ بَيْنِيْ وَبَيْنَ جِدَارِ
الْقِبْلَةِ وَفِيْهِ اَنَّهُ بَسَطَ يَدَهُ لِيَتَنَاوَلَ
عُنْقُوْدًا مِّنَ الْجَنَّةِ وَاَنَّهُ تَكَعْكَعَ
مِنَ النَّارِ وَنَفَحَ مِنْ حَرِّهَا وَرَاٰى
فِيْهَا سَارِقَ الْحَجِيْجِ وَالْاِمْرَاَةَ الَّتِيْ
رَبَطَتِ الْهِرَّةَ حَتّٰى مَاتَتْ وَرَاٰى فِي الْجَنَّةِ
اِمْرَاَةً مُّوْمِسَةً سَقَتِ الْكَلْبَ وَمَعْلُوْمٌ
اَنَّ تِلْكَ الْمَسَافَةَ لَا تَسَعُ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ
بِاَجْسَادِهِمَا الْمَعْلُوْمَةِ عِنْدَ الْعَامَّةِ
وَقَالَ حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ
النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ

برس رہے ہین جس طرح بادل کے قطرے۔ اور آنحضرتؐ
نے معراج کی حدیث مین فرمایا کہ اچانک چار نہرین نظر آئین
دو نہرین اندر تھین اور دو باہر۔ مین نے جبرئیل سے پوچھا کہ یہ
کیا ہے۔ بولے اندر کی نہرین تو جنت کی ہین اور باہر کی نیل
اور فرات ہین۔ اور آنحضرتؐ نے کسوف کی نماز کے متعلق
فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کر کے لائی گئین اور
ایک روایت مین ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیوار کے بیچ مین
بہشت و دوزخ مجسم ہو کر آئین مینے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت مین سے
انگور کا ایک خوشہ توڑ لون لیکن دوزخ کی گرمی کی لپٹ سے
رک گیا۔ اور حدیث مین ہے کہ آنحضرتؐ نے حاجیونکے چور کو اور
ایک عورت کو دوزخ مین دیکھا جسنے ایک بلی کو باندھکر مار ڈالا
تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت مین دیکھا جسنے کتے کو
پانی پلایا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت
جو عام لوگونکے خیال مین ہے وہ اسقدر مسافت (یعنی
کعبہ کی چار دیواری) مین نہین سما سکتی۔ اور حدیث مین
ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے
چارون طرف سے گھیر لیا ہے ؎

ثُمَّ اَمَرَ جِبْرِيْلَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلَيْهِمَا وَقَالَ
يَنْزِلُ الْبَلَاءُ فَيُعَالِجُهَا الدُّعَاءُ وَقَالَ
خَلَقَ اللّٰهُ الْعَقْلَ فَقَالَ لَهٗ اَقْبِلْ فَاَقْبَلَ
وَقَالَ لَهٗ اَدْبِرْ فَاَدْبَرَ وَقَالَ هٰذَانِ كِتَابَانِ
مِنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ اَلْحَدِيْث وَقَالَ
يُؤْتٰى بِالْمَوْتِ كَاَنَّهٗ كَبْشٌ فَيُذْبَحُ
بَيْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَقَالَ تَعَالٰى
فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا
بَشَرًا سَوِيًّا وَاسْتَفَادَ فِي الْحَدِيْثِ
اَنَّ جِبْرِيْلَ كَانَ يَظْهَرُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَتَرَاٰى لَهٗ فَيُكَلِّمُهٗ وَلَا يَرَاهُ
سَائِرُ النَّاسِ وَاَنَّ الْقَبْرَ يَفْسَحُ سَبْعِيْنَ
ذِرَاعًا فِيْ سَبْعِيْنَ اَوْ يَضُمُّ حَتّٰى تَخْتَلِفَ
اَضْلَاعُ الْمَقْبُوْرِ وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ
عَلَى الْمَقْبُوْرِ فَتَسْاَلُهٗ وَاَنَّ عَمَلَهٗ يَتَمَثَّلُ
لَهٗ وَاَنَّ الْمَلٰئِكَةَ تَنْزِلُ اِلَى الْمُحْتَضَرِ
بِاَيْدِيْهِمُ الْحَرِيْرُ اَوِ الْمِسْحُ

پھر جبرئیل کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں، اور حدیث
مین ہی کہ بلا اترتی ہی تو دعا اسکا توڑ کرتی ہی، اور حدیث
مین ہی کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا اور اس سی کہا کہ آگے آ
تو وہ آگے آئی، پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو ہٹ گئی اور حدیث
مین ہی کہ یہ دونون کتابین پروردگار عالم کی طرف سے
ہین الخ اور حدیث مین ہی کہ موت ایک مینڈھے کی شکل
مین لائی جائے گی، پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان
ذبح کر دیجائے گی،

اور خدا نے فرمایا کہ ہم نے روح، مریم کے پاس بھیجی
تو وہ اُنکے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بنکر آئی، اور
حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جبرئیل آنحضرت کے سامنے آتے
تھے اور آپ سے باتین کرتے تھے۔ اور کوئی اُنکو نہین دیکھتا تھا
اور حدیث مین ہی کہ قبر ہفتاد در ہفتاد گز چوڑی ہوجاتی
ہے یا اس قدر سمٹ آتی ہی کہ مردہ کی پسلیان بھُرکس
ہوجاتی ہین۔ اور حدیث مین ہی کہ فرشتے قبر مین آتے ہین اور
مردہ سی سوال کرتے ہین اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اُسکے سامنے
آتا ہی، اور نزع کی حالت مین فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا

وَاَنَّ الْمَلٰئِکَةَ تَضْرِبُ الْمَقْبُوْرَ بِمِطْرَقَةٍ مِّنْ
حَدِیْدٍ فَیَصِیْحُ صَیْحَةً یَّسْمَعُهَا مَا بَیْنَ
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ
عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیُسَلَّطُ عَلَی الْکَافِرِ فِیْ قَبْرِهٖ
تِسْعَةٌ تِسْعُوْنَ تِنِّیْنًا تَنْهَسُهٗ وَتَلْدَغُهٗ
حَتّٰی تَقُوْمَ السَّاعَةُ وَقَالَ اِذَا اُدْخِلَ الْمَیِّتُ
الْقَبْرَ مُثِّلَتْ لَهُ الشَّمْسُ عِنْدَ غُرُوْبِهَا فَیَجْلِسُ
یَمْسَحُ عَیْنَیْهِ وَیَقُوْلُ دَعُوْنِیْ اُصَلِّیْ وَاسْتَفَاضَ
فِی الْحَدِیْثِ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یَتَجَلّٰی بِصُوَرٍ کَثِیْرَةٍ
لِاَهْلِ الْمَوْقِفِ وَاَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ
وَسَلَّمَ یَدْخُلُ عَلٰی رَبِّهٖ وَهُوَ عَلٰی کُرْسِیِّهٖ
وَاَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی یُکَلِّمُ ابْنَ اٰدَمَ شِفَاهًا اِلٰی
غَیْرِ ذٰلِکَ مِمَّا لَا یُحْصٰی کَثْرَةً وَالنَّاظِرُ فِیْ
هٰذِهِ الْاَحَادِیْثِ بَیْنَ اِحْدٰی ثَلٰثٍ اِمَّا
اَنْ یُّقِرَّ بِظَاهِرِهَا فَیَضْطَرَّ اِلٰی اِثْبَاتِ عَالَمٍ
ذَکَرْنَا شَانَهٗ وَهٰذِهٖ هِیَ الَّتِیْ یَقْتَضِیْهَا
قَاعِدَةُ اَهْلِ الْحَدِیْثِ ،

لیکر آتے ہین، اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرزسی مارتے ہین، مردہ شور کرتا ہی اور اسکے شور کی آواز مشرق سے مغرب تک کی چیزین سنتی ہین، اور حدیث مین ہے کہ قبر مین کافر کے اوپر ننا نوے اژدہے مسلّط ہوتے ہین جو اسکو کاٹتے ہین تا بہ قیامت۔ اور حدیث مین ہی کہ جب مردہ قبر مین آتا ہے تو اسکو نظر آتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہی وہ اٹھ بیٹھتا ہی اور کہتا ہی کہ ٹھہر و مین نماز پڑھ لون۔ اور حدیث مین اکثر جگہہ آیا ہی کہ قیامت مین خدا بہت سی مختلف صورتون مین لوگون کے سامنے جلوہ گر ہو گا۔ اور آنحضرت خدا کے پاس اس حالت مین جائین گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہو گا اور یہ کہ خدا انسانون سے بالمشافہہ بات چیت کریگا، اس قسم کی اور بہت سی حدیثین ہین جنکا شمار نہین ہو سکتا؛ ان حدیثون کو جو شخص دیکھے گا تین باتون مین سے ایک نہ ایک بات اسکو ماننی پڑیگی یا تو ظاہری معنے مراد لے اور اس صورت مین اسکو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑیگا، جسکی کیفیت ہم بیان کر چکے (یعنی عالم مثال) اور یہ صورت وہ ہی جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہی چنانچہ

نَبَّهَ عَلَى ذٰلِكَ السُّيُوطِي رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى
وَبِهَا اَقُوْلُ وَاِلَيْهَا اَذْهَبُ اَوْ يَقُوْلُ
اِنَّ هٰذِهِ الْوَقَائِعَ تَتَرَاءٰى لِحِسِّ الرَّائِي
وَتَتَمَثَّلُ لَهٗ فِي بَصَرِهٖ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ خَارِجَ
حِسِّهٖ وَقَالَ بِنَظِيْرِ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنِ
مَسْعُوْدٍ فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى يَوْمَ تَاْتِي السَّمَاءُ
بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ اَنَّهُمْ اَصَابَهُمْ جَدْبٌ
فَكَانَ اَحَدُهُمْ يَنْظُرُ اِلَى السَّمَاءِ فَيَرٰى
كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجُوْعِ وَيُذْكَرُ
عَنِ ابْنِ الْمَاجِشُوْنَ اَنَّ كُلَّ حَدِيْثٍ
جَاءَ فِي التَّنَقُّلِ وَالرُّؤْيَةِ فِي الْمَحْشَرِ مَعْنَاهُ
اَنَّهٗ يُغَيِّرُ اَبْصَارَ خَلْقِهٖ فَيَرَوْنَهٗ
نَازِلًا مُتَجَلِّيًا وَيُنَاجِيْ خَلْقَهٗ
وَيُخَاطِبُهُمْ وَهُوَ غَيْرُ مُتَغَيِّرٍ عَنْ
عَظْمَتِهٖ وَلَا مُنْتَقِلٌ لِيَعْلَمُوْا اَنَّ
اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا وَيَجْعَلُهَا
تَمْثِيْلًا لِتَفْهِيْمِ مَعَانٍ اُخْرٰى

سیوطی نے اسکی طرف اشارہ کیا ہی اور خود میری بھی یہی
رائے اور یہی مذہب ہے، یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے
کے حاسّہ مین واقعات کی یہی شکل ہوگی اور اس کی نظر
مین وہ اسی طرح جلوہ گر ہونگے، گو اسکے حاسّہ کے باہر انکا وجود
نہو چنانچہ قرآن مجید مین جو آیا ہی کہ آسمان سے صاف
دہوان بنکر آئیگا، اسکے معنی حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے
اسی کے قریب قریب لیے ہین یعنی یہ کہ لوگون پر قحط پڑا تہا
تو جب کوئی آسمان کیطرف دیکھتا تھا تو اسکو بھوک کیوجہ سے
آسمان دہوان سا معلوم ہوتا تھا، ابن ماجشون،
(مشہور محدث تھے) انسے مروی ہی کہ جن حدیثون مین خدا کے
اُترنے اور مرئی ہونیکا ذکر ہی اُنکے معنی یہ ہین کہ خدا مخلوقات کی
نظر مین ایسا تغیر پیدا کر دیگا کہ وہ خدا کو ایسی حالت مین دیکھینگے
کہ وہ اتر رہا ہی اور تجلی کر رہا ہی اور اپنے بندون سے گفتگو و خطاب
کر رہا ہی، حالانکہ خدا کی جو شان ہی نہ اسمین تغیر ہوگا نہ خدا
منتقل ہوگا، اور یہ اس لیے ہوگا کہ لوگ جان لین کہ خدا ہر چیز پر
قادر ہی تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتین بطور تمثیل کے بیان
کی گئی ہین جنسے اور مطالب کا ذہن نشین کرنا مقصود ہی

وَلَسْتُ اَرَى الْمُقْتَصِرَ عَلَى الثَّالِثَةِ مِنْ اَهْلِ الْحَقِّ،	لیکن جو شخص، صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہے میں اسکو اہل حق میں سے شمار نہیں کرتا،

شاہ صاحب ایک اور عالم کے قائل ہیں جس کو وہ عالم مثال اور عالم محسوسات کے بیچ بیچ میں قرار دیتے ہیں اور اس کا نام برزخ رکھتے ہیں چنانچہ وحی، رویتِ ملائکہ معراج نبوی براق، سدرۃ المنتہی، انہار جنت وغیرہ وغیرہ ان سب واقعات کی تفسیر اسی عالم کی بنا پر کی ہے حجۃ اللہ البالغہ[1] میں جہاں آنحضرتؐ کی سیرت لکھی ہے، وحی کی نسبت پہلے یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ پر وحی کبھی تو اس طرح آتی تھی کہ گھنٹہ کی سی آواز سنائی دیتی تھی اور کبھی فرشتہ مجسم ہو کر نظر آتا تھا، پھر اس کی حقیقت اس طرح بیان کی ہے،

| اَمَّا الصَّلْصَلَةُ فَحَقِيْقَتُهَا اَنَّ الْحَوَاسَّ اِذَا صَادَمَهَا تَاْثِيْرٌ قَوِيٌّ تَشَوَّشَتْ فَتَشْوِيْشُ قُوَّةِ الْبَصَرِ اَنْ تَرَى اَلْوَانَ الْحُمْرَةِ وَالصُّفْرَةِ وَالْخُضْرَةِ وَتَشْوِيْشُ قُوَّةِ السَّمْعِ اَنْ تَسْمَعَ اَصْوَاتًا مُبْهَمَةً كَالطَّنِيْنِ وَالصَّلْصَلَةِ وَالْهَمْهَمَةِ فَاِذَا تَمَّ الاثر حَصَلَ الْعِلْمُ وَاَمَّا التَّمَثُّلُ فَهُوَ فِيْ مَوْطِنٍ يَجْتَمِعُ بَعْضُ اَحْكَامِ الْمِثَالِ وَالشَّهَادَةِ وَلِذَالِكَ، | باقی صلصلہ (گھنٹے کی آواز) تو اسکی حقیقت یہ ہے کہ حواس پر جب کسی قوی تاثیر کا صدمہ پہنچتا ہے تو وہ مشوش ہو جاتا ہے تو قوت بصارت کی تشویش یہ ہے کہ سرخ زرد سبز رنگ نظر آئیں اور قوت سمع کی تشویش یہ ہے کہ مبہم آوازیں سننے میں آئیں مثلاً طنین صلصلہ ہمہمہ پھر جب اثر پورا ہو چکتا ہے تو علم حاصل ہو جاتا ہے باقی فرشتہ کا مجسم بن کر آنا تو یہ اس عالم کی بات ہے جس میں عالم مثال اور عالم شہادت کے بعض آثار مجتمع ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے |

[1] از صفحہ ۳۸۵ تا ۳۸۷

كان يرى الملك بعضهم دون بعض	كہ فرشتہ بعض کو نظر آتا تھا اور بعض کو نہین،

پھر معراج کے متعلق لکھتے ہین،

| وَكُلُّ ذٰلِكَ بِجَسَدِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْيَقْظَةِ وَلٰكِنَّ ذٰلِكَ فِي مَوْطِنٍ هُوَ بَرْزَخٌ بَيْنَ الْمِثَالِ وَالشَّهَادَةِ جَامِعٌ لِاَحْكَامِهِمَا فَظَهَرَ عَلَى الْجَسَدِ اَحْكَامُ الرُّوحِ وَتَمَثَّلَ الرُّوحُ وَالْمَعَانِي الرُّوحِيَّةُ اَجْسَادًا وَلِذٰلِكَ بَانَ لِكُلِّ وَاقِعَةٍ مِّنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ تَعْبِيْرٌ وَقَدْ ظَهَرَ لِجِبْرَئِيْلَ وَمُوْسٰى وَغَيْرِهِمْ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ نَحْوٌ مِّنْ تِلْكَ الْوَقَائِعِ وَكَذٰلِكَ لِاَوْلِيَاءِ الْاُمَّةِ | اور یہ سب واقعات آپکے جسم پر حالت بیداری مین گذرے لیکن اُس عالم مین جو مثال اور شہادت کے بیچ بیچ مین ہے اور دونون کے آثار کا جامع ہی تو جسم پر روح کے واقعات ظاہر ہوئے، اور روح اور روحانی باتین جسم بنکر نظر آئین اور اسی وجہ ان واقعات مین سے ہر واقعہ کی الگ تعبیر ظاہر ہوئی اور جبرئیل و حضرت موسیٰ علیہم السلام وغیرہ کو بھی اس قسم کے واقعات پیش آئے اور اسی طرح اولیا کو بھی پیش آتے ہین |

اسکے بعد انہی اصول پر شاہ صاحب نے - براق - ملاقاتِ انبیا - عروج افلاک - سدرۃ المنتہی بیت المعمور وغیرہ کی تشریح کی ہے،

شاہ صاحب کی تقریر اگرچہ نہایت حکیمانہ اور محققانہ ہے لیکن کسیقدر خلط مبحث ہوگیا ہے انہون نے عالم مثال اور برزخ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ مجازات و استعارات کو بھی عالم مثال مین داخل کر لیا ہے - مثلاً یہ حدیث کہ قیامت مین موت مینڈھے کی صورت مین آئے گی اور ذبح کر دیجائے گی، صرف بیان کا ایک پیرایہ ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ ما بعد الموت پھر موت نہین، شاہ صاحب اس کو بھی عالم مثال کا واقعہ قرار دیتے ہین،

امام غزالی۔ شیخ الاشراق اور شاہ ولی اللہ صاحب کے بیان مین جو جزئی تفاوت ہے اُس سے اگر قطع نظر کر لی جائے تو قدر مشترک یہ ہوگا کہ شریعت مین جو امور لظاہر خلاف عقل ہین اُن کی حسب ذیل قسمین ہین،

شریعت مین جو امور خلاف عقل ہین انکے اقسام

(۱) اکثر جگہہ محض مجاز و استعارہ ہے۔ مثلاً جمادات کی تسبیح، آسمان و زمین سے خطاب اور انکا جواب۔ ازل مین بنی آدم کا اقرار۔ خدا کا عرش پر متمکن ہونا وغیرہ وغیرہ،

(۲) روحانیات کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا ہے اور یہ طریقہ تمام مذاہب مین مشترک ہے، انسان صرف اُن چیزون کا تصور کر سکتا ہے جو اُس نے حواس سے محسوس کی ہون اسلیے جب ان چیزون کا بیان کرنا ہوگا جو آیندہ زندگی سے تعلق رکھتی ہین اور اُسکے تصور سے بالکل بالاتر ہین تو ضرور ہے کہ ان کو جسمانیات کے پیرایہ مین ادا کیا جائے۔ مثلاً موت کے بعد جو راحت و رنج ہوگا اس کو بجز اسکے کہ باغ و انہار، اور کژدم و مار سے تعبیر کیا جائے اور کیا طریقہ ہے، علامہ ابن تیمیہ ٹھیٹ ظاہری ہین لیکن انکو بھی تسلیم کرنا پڑا کہ،

ثم ان اللہ سبحانہ وتعالی اخبرنا بما وعدنا بہ[1]	پھر خدائے پاک نے ہمکو اُس آرام اور رنج کی خبر دی جسکا
فی الدار الاخرۃ من النعیم والعذاب واخبرنا بما یوکل	قیامت مین وعدہ کیا ہے اور وہ اسطرح کہ طعام۔ شراب
ویشرب وینکح ویفرش وغیر ذلک فلولا معرفتنا بما یشبہ	ازدواج۔ اور فرش کا ذکر کیا تو اگر اس قسم کی چیزونسے ہم
ذالک فی الدنیا لم یفہم ما وعدنا بہ،	دنیا مین واقف نہ ہو چکے ہوتے تو ان موعود چیزونکو کیونکر
ونحن نعلم مع ذلک ان تلک الحقائق	سمجھ سکتے تاہم ہم یہ بھی جانتے ہین کہ یہ چیزین دنیاوی چیزونکی مانند

[1] رسالہ شرح حدیث نزول۔

لَیْسَ مِثْلَ هٰذَا حَتّٰی قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَیْسَ فِی الدُّنْیَا مِمَّا فِی الْجَنَّۃِ اِلَّا الْاَسْمَاءُ ،	نہین ہین یہان تک کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ دنیا اور آخرت کی چیزون مین۔ نام کے سوا اور کسی چیز مین مشارکت نہین۔

مولنا روم نے جنسے بڑھکر شریعت کا رازدان، کون ہوگا، اس مضمون کو مختلف موقعونپر نہایت عمدہ مثالون کے ذریعہ سے ادا کیا ہے، ایک جگہ لکھتے ہین،

ہیچ ماہیات اوصاف کمال	کس نداند جز بہ آثار و مثال
طفل ماہیت نداند طمث را	جز کہ گوئی ہست چون حلوا ترا
طفل را نبود ز وطی زن خبر	جز کہ گوئی ہست آن خوش چون شکر"
کے بود ماہیت ذوق جماع	مثل ماہیات حلوا۔ اے مطاع
لیک نسبت کرد از روے خوشی	با تو آن عاقل کہ تو کودک وشی

ایک اور موقع پر لکھتے ہین کہ جب کوئی استاد کسی بچہ کو تعلیم دینا چاہتا ہے تو اس کو بچہ کی زبان مین باتین کرنی پڑتی ہین، چنانچہ فرماتے ہین۔

طفل نو۔ پدر "تی تی"، کند	گرچہ عقلش ہندسہ گیتی کند
کم نگردد فضل استاد از علو	گر الف چیزے[1] ندارد، گوید او
از پے تعلیم آن بستہ دہن	گوید او "حطی و ہوز کلمن"
در زبان او بباید آمدن	از زبان خود برون باید شدن

ایک اور موقع پر لکھتے ہین،

---

[1] یعنی الف خالی ب کے پیٹ مین ایک نقطہ

چون کہ با کودک سروکارت فتاد | ہم زبانِ کودکان باید کشاد
کہ بروکتاب۔ تا مرغت خرم | یا مویز و جوز و فستق آورم

(۳) وہ روحانیات یا معانی ہین جو انبیا کو جسمانی صورت مین محسوس ہوتی ہین یہی چیز ہے جس کو شاہ ولی اللہ صاحب اور شیخ الاشراق، عالم مثال، اور عالم اشباح سے تعبیر کرتے ہین اور امام غزالی اسکا نام تمثل خیالی رکھتے ہین، اور چونکہ یہی صورت کثیر الوقوع ہے اور چونکہ ملاحدہ کو اسی پر زیادہ اعتراض ہے۔ اس لیے ہم اسکو زیادہ توضیح اور تفصیل سے لکھتے ہین،

سب سے پہلے یہ ظاہر کرنا ہے کہ علوم موجودہ اور فلسفہ حال کے رو سے اس احتمال پر کوئی اعتراض وارد نہین ہوتا۔ تمثل خیالی کی حقیقت جو امام غزالی نے بیان کی وہ یہ ہے کہ "معانی متمثل ہو کر نظر آتے ہین اور آوازین اور باتین سنائی دیتی ہین جیسا کہ خواب مین ہوتا ہے" خواب کی حالت سے تو کسی کو انکار نہین ہو سکتا۔ اب اسپر غور کرنا چاہیے کہ خواب مین یہ حالت کیون پیش آتی ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ خواب مین حواس ظاہری معطل ہوتے ہین، اور روح یا نفس، یا قوت متخیلہ تنہا کام کرتی ہے، اب اگر کسی شخص کو بعض اوقات استغراق اور محویت کیوجہ سے بیداری مین بھی خواب کی حالت طاری ہو تو اس قسم کے امور کا محسوس ہونا کوئی تعجب کی بات نہین۔ ان محسوسات کو ہم محسوساتِ عام نہین کہتے جن کی بنا پر یہ لازم آئے کہ وہ اورون کو بھی محسوس ہون، بلکہ وہ خاص انبیا اور اولیا کے حواس کے ساتھ مخصوص ہین اور اس صورت مین ان امور کا عام طور پر محسوس ہونا ضرور نہین، اسی نکتہ کو مولانا روم نے

ان الفاظ مین ادا کیا ہے،

فلسفی کو منکر حنانہ است ۔۔۔ از حواس انبیا بیگانہ است

نطق خاک، و نطق آب، و نطق گل ۔۔۔ ہست محسوس حواس اہل دل

امام غزالی اور دیگر محققین نے اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے اور چونکہ یہ ایک نہایت نازک نکتہ ہے جس مین سے ذرا سے تغیر سے اصل حقیقت کی صورت بدل جاتی ہے، اسلیے ہم ان محققین کے اصلی الفاظ نقل کرتے ہین، اور خود صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہین۔

مقاصد المرا شد مین ہے

فی الرؤیا والوحی والالہام والمعجزات والکرامات علی رأی الحکماء[1]

وحی و الہام وغیرہ کی حقیقت حکماے اسلام کی رائے کے موافق

واعلم ان الانسان لہ قوۃ یجتمع فیہ صور المحسوسات لانہ یحکم علی ھذا الحلو بانہ ابیض ولو لم یکن لہ قوۃ یجتمع فیھا ھذہ المحسوسات لاستحال ھذا الحکم وبدون حضور المحکوم علیہ والمحکوم بہ ویسمی ھذہ القوۃ بالحس المشترک وینطبع فیھا صور المحسوسات بطریقین، احدھما ان الحواس الظاھرۃ التی ھی السمع والبصر والشم...

جاننا چاہیے کہ انسان مین ایک قوت ہے جسمین محسوسات کی صورتین جمع ہوتی ہین کیونکہ انسان شیرینی کی نسبت کہتا ہے کہ وہ سفید ہے، تو اگر کوئی ایسی قوت موجود نہین جسمین محسوسات مجتمع ہوتے ہین تو یہ حکم کیونکر دے سکتا، کیونکہ جب کوئی حکم دیا جائے تو محکوم علیہ اور محکوم بہ دونون کا موجود ہونا ضروری ہے، اس قوت کا نام حس مشترک ہے، اسمین محسوسات کی صورت دو طریقے سے نقش ہوتی ہے،

ایک یہ کہ حواس ظاہری یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ

[1] یہ عبارت ہم نے نقل کی ہے وہ بعینہٖ راغب پاشا سے منقول ہے دیکھو کتاب مذکور صفحہ (۱۱۲) [2] حکما سے ہم نام مراد لیتے ہین

وَالذَّوْقُ وَاللَّمْسُ تَأْخُذُ صُورَةَ الْمَحْسُوسَاتِ
وَتُورِدُهَا إِلَى الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ وَالثَّانِي أَنَّ
فِي الدِّمَاغِ قُوَّةً مُتَخَيِّلَةً مِنْ شَأْنِهَا تَرْكِيبُ الصُّوَرِ
وَتَفْصِيلُهَا وَهِيَ الَّتِي تُرَكِّبُ رَأْسَيْنِ عَلَى بَدَنِ إِنْسَانٍ
حَتَّى يَحْصُلَ صُورَةُ إِنْسَانٍ ذِي رَأْسَيْنِ وَتُفَصِّلُ
رَأْسَ الْإِنْسَانِ عَنْ بَدَنِهِ حَتَّى يَحْصُلَ تَصَوُّرُ
إِنْسَانٍ عَدِيمِ الرَّأْسِ وَهٰذِهِ إِذَا رَكَّبَتْ
مِنَ الصُّوَرِ وَوَرَدَتْ عَلَى الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ تَصِيرُ
مُشَاهَدَةً بِحَسَبِ مُشَاهَدَةِ الصُّوَرِ الْخَارِجِيَّةِ
لِأَنَّ الصُّوَرَ الَّتِي فِي الْخَارِجِ لَمْ تَكُنْ مُشَاهَدَةً
لِكَوْنِهَا خَارِجِيَّةً بَلْ لِكَوْنِهَا مُنْطَبِعَةً فِي الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ
فَتِلْكَ الصُّوَرُ الَّتِي رَكَّبَتْهَا إِذَا وَرَدَتْ عَلَى
الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ صَارَتْ مُشَاهَدَةً وَإِذَا
ثَبَتَ هٰذَا فَنَقُولُ إِنَّ الصُّوَرَ الَّتِي يَرَاهَا
النَّائِمُونَ إِمَّا أَنْ تَكُونَ مَوْجُودَةً فِي
الْخَارِجِ أَوْ لَا وَالْأَوَّلُ بَاطِلٌ
وَإِلَّا لَرَآهَا كُلُّ مَنْ كَانَ سَلِيمَ الْحِسِّ

ذائقہ، لامسہ محسوسات کی صورتین لیکر حس مشترک کے پاس پہنچا دیتے
ہین۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دماغ مین ایک قوت متخیلہ ہے اسکا
کام یہ ہے کہ صورتونکو ترکیب دیتی ہے اسی قوت کا کام ہے کہ
ایک آدمی کے بدن پر دو سر فرض کرتی ہے یہانتک کہ ایک
ایسے انسان کی صورت بنجاتی ہے جس کے دو سر ہین،
اور اسی کا کام ہے کہ انسان کے سر کو جدا کر دیتی ہے یہانتک
کہ ایک ایسا انسان متشکل ہو جاتا ہے جسکے سر نہین، یہ قوت
جب صورتونکو ترکیب دیکر حس مشترک کے پاس حاضر کرتی ہے
تو وہ صورت نظر آنے لگتی ہے جس طرح کہ خارجی صورتین نظر
آتی ہین، کیونکہ خارجی صورتون کے نظر آنیکی یہ وجہ نہین کہ
وہ خارج مین موجود ہین بلکہ یہ وجہ ہے کہ وہ حس مشترک مین
منقش ہین۔ تو یہ صورتین جنکو قوت متخیلہ نے ترکیب دیا ہے جب
حس مشترک کے سامنے آتی ہین تو نظر آنے لگتی ہین اور جب
یہ ثابت ہوا، تو ہم کہتے ہین (یعنی اب اصل مقصد کو ثابت
کرتے ہین) کہ خواب مین جو صورتین نظر آتی ہین وہ دو
حالت سے خالی نہین، یا خارج مین موجود ہین، یا نہین، پہلا
احتمال باطل ہے کیونکہ خارج مین وجود ہوتین تو ہر صحیح الحواس

وَحَيْثُ لَمْ يَرَهَا دَلَّ عَلٰى اَنَّهَا مِنْ تَرْكِيْبِ الْقُوَّةِ
الْمُتَخَيِّلَةِ وَهٰذِهِ الْقُوَّةُ لَوْ خُلِّيَتْ وَطَبْعَهَا
لَصَدَرَ هٰذَا الْفِعْلُ دَائِمًا وَاِنَّمَا لَا يَصْدُرُ
مِنْهَا هٰذَا الْفِعْلُ لِاَمْرَيْنِ اَحَدُهُمَا اشْتِغَالُ
الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ بِالصُّوَرِ الْوَارِدَةِ عَلَيْهِ مِنْ
خَارِجٍ وَالثَّانِيْ تَسَلُّطُ النَّفْسِ النَّاطِقَةِ عَلَيْهَا
بِضَبْطٍ فَاِذَا زَالَ الْمَانِعَانِ اَوْ اَحَدُهُمَا
صَدَرَ مِنْهَا هٰذَا الْفِعْلُ وَالْمَانِعُ الْاَوَّلُ يَزُوْلُ
بِالنَّوْمِ فَاِنَّ الْحَوَاسَّ اِذَا تَعَطَّلَتْ بِالنَّوْمِ بَقِيَ
الْحِسُّ الْمُشْتَرَكُ خَالِيًا عَنِ الصُّوَرِ الْوَارِدَةِ عَلَيْهِ
مِنْ خَارِجٍ وَالْمَانِعُ الثَّانِيْ يَزُوْلُ بِالْمَرَضِ فَاِنَّ
النَّفْسَ فِيْ حَالَةِ الْمَرَضِ تَكُوْنُ مَشْغُوْلَةً بِجِهَتِهٖ فَتَسَلَّطُ
الْمُتَخَيِّلَةُ عَلٰى تَرْكِيْبِ الصُّوَرِ وَتَنْطَبِعُ تِلْكَ الصُّوَرُ
فِي الْحِسِّ الْمُشْتَرَكِ فَتَصِيْرُ مُشَاهَدَةً

آدمی کو نظر آتیں، اس لیے معلوم ہوا کہ خارج میں موجود نہیں
بلکہ قوت متخیلہ کا فعل ہے، قوت متخیلہ اگر اپنی اصلی حالت پر
رہنے پائے تو یہ فعل ہمیشہ اس سے سرزد ہو لیکن دو چیزیں
مانع ہو جاتی ہیں ایک یہ کہ حس مشترک اُن صورتوں کے
قبول کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے جو باہر سے آتی رہتی ہیں
دوسرے یہ کہ نفس ناطقہ، قوت متخیلہ کو دبا لیتا ہے، تو جب
یہ دونوں مانع، یا ایک زائل ہو جاتا ہے تو قوت متخیلہ سے وہ
فعل سرزد ہونے لگتا ہے۔ پہلا مانع نیند کی حالت میں زائل ہو جاتا
ہے کیونکہ جب نیند کی وجہ سے حواس معطل ہو جاتے
ہیں تو حس مشترک خارجی صورتوں سے خالی ہو جاتا ہے
دوسرا مانع بیماری کی حالت میں زائل ہو جاتا ہے کیونکہ
بیماری کی حالت میں نفس مرض کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے،
تو اس حالت میں قوت متخیلہ صورتوں کو ترکیب دینے لگتی ہے
اور یہ صورتیں حس مشترک میں آکر مشاہدہ ہو جاتی ہیں،

وَاَمَّا الْوَحْيُ وَالْاِلْهَامُ

فَالنَّفْسُ النَّاطِقَةُ اِذَا كَانَتْ قَوِيَّةً بِحَيْثُ لَمْ
يَكُنْ اشْتِغَالُهَا بِالْبَدَنِ مَانِعًا مِنَ الْاِتِّصَالِ

باقی وحی اور الہام تو ان کی حقیقت یہ ہے کہ نفس ناطقہ
جب اس قدر قوی ہوتا ہے کہ باوجود اشتغال بدن کے

بِالْمَبَادِی الْقُدْسِیَّۃِ وَکَانَتِ الْمُتَخَیِّلَۃُ قَوِیَّۃً بِحَیْثُ	مبادی قدسیہ سے متصل ہوسکتا ہے اور اس کے ساتھ قوت
تَقْوٰی عَلٰی اسْتِخْلَاصِ الْحِسِّ الْمُشْتَرَکِ عَنِ	تخیلہ اس قدر قوی ہوتی ہے کہ حس مشترک کو حواس ظاہری
الْحَوَاسِّ الظَّاہِرَۃِ اتَّصَلَتْ حَالَۃَ الْیَقْظَۃِ	سے نجات دے سکتی ہے تو نفس ناطقہ بیداری کی حالت مین
بِالْعُقُوْلِ الْمُجَرَّدَۃِ وَالنُّفُوْسِ السَّمَاوِیَّۃِ وَحَصَلَ	بھی عقول مجردہ اور نفوس سماویہ سے متصل ہوجاتا ہے اور
لَہَا اِدْرَاکُ الْمُغَیَّبَاتِ عَلٰی وَجْہٍ کُلِّیٍّ ثُمَّ الْمُتَخَیِّلَۃُ	اسکو غیب کی باتونکا ادراک کلی طور پر ہوتا ہے پھر قوت متخیلہ
تُحَاکِیْہَا بِصُوْرَۃٍ جُزْئِیَّۃٍ مُنَاسِبَۃٍ لَہَا وَتَنْزِلُ	اُسکے مشابہ ایک جزئی صورت پیدا کرلیتی ہے یہ صورت
اِلَی الْحِسِّ الْمُشْتَرَکِ فَتَصِیْرُ مُشَاہَدَۃً مَحْسُوْسَۃً	حس مشترک مین اتر کر مشاہد اور محسوس ہوجاتی ہے اور بعضونکو
وَقَدْ یَعْرِضُ لِبَعْضِہِمْ اَنْ یَّسْمَعَ کَلَامًا	یہ پیش آتا ہے کہ وہ مسلسل کلام سنتے ہین یا کوئی اچھی صورت
مَنْظُوْمًا اَوْ یُشَاہِدُ مَنْظَرًا بَہِیًّا یُخَاطِبُہٗ	دیکھتے ہین جو اُنسے مسلسل الفاظ کے ذریعہ سے باتین کرتی ہے
بِکَلَامٍ مَنْظُوْمٍ فِیْمَا یَتَعَلَّقُ بِاَحْوَالِہٖ وَاَحْوَالِ مَا یَقْرُبُ مِنْہُ	یہ باتین یا خود انہی کے متعلق ہوتی ہین یا انکے تعلقات کے متعلق

امام غزالی کی کتاب معارج القدس مین وحی کی حقیقت

امام غزالی نے معارج القدس مین نبوت کے عنوان سے جو بسیط مضمون لکھا ہے اس مین ایک فصل نبوت کے خواص مین لکھی ہے، چنانچہ لکھتے ہین،

بَیَانُ خَوَاصِّ النُّبُوَّۃِ۔	نبوت کے خواص کا بیان
وَلَہَا خَوَاصٌّ ثَلٰثٌ۔ اَحَدُہَا تَابِعَۃٌ	نبوت کے تین خاصّہ ہین۔ ایک خاصّہ قوت تخیل اور
لِقُوَّۃِ التَّخَیُّلِ وَالْعَقْلِ الْعَمَلِیِّ۔	قوت عقلی عملی کا تابع ہے،

اس خاصّہ کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، اس مین سے جو عبارت یہان درج کے قابل ہے حسب ذیل ہے،

ثُمَّ اَنَّ المتخيلة يَفعَلُ مِثلَ مَا يَفعَل فِي حَالِ الرُّؤيَا
المُحتَاجَة اِلَى التَّعبِيرِ بِاَن يَّاخُذَ تِلكَ الاَحوَال
وَيُحَاكِيهَا وَيَستَولى عَلَى الحِسِّيَّةِ حَتَّى يُوثرِ مَا يتخيل
فِيهَا مِن تِلكَ فِي قُوَّةِ بنطاسيا[1] بِاَن يَنطَبِعَ
الصُّوَرَ الحَاصِلَةَ فِيهَا فِي البنطاسيا المُشَارِكَة
فَيُشَاهِدُ صُوَرًا الهيئة عَجِيبَةً مَرئِيَّةً وَاَقَاوِيل
الهِيئة مَسمُوعَة هِيَ مِثلُ تِلكَ المُدرِكَاتِ
الوحيية وَهٰذَا اَدوَن دَرَجَاتِ المَعنَى المُسَمّٰى
بِالنُّبُوَّةِ وَاَقوٰى مِن هٰذَا اَن يَستَثبِتَ تِلكَ
الاَحوَالَ وَالصُّوَرُ عَلَى هَيئَتِهَا مَانِعًا لِلقُوَّةِ المتخيله
عَنِ الاِنصِرَافِ اِلَى مُحَاكَاتِهَا بِاَشيَاءَ اُخرٰى
وَاَقوٰى مِن هٰذَا اَن يَكُونَ المُتَخَيِّلَةُ مُستَمِرَّةً
فِي مُحَاكَاتِهَا وَالعَقلِيِّ العَمَلِيِّ وَالوَهمُ لَا يَختَلِفَان
عَمَّن اِستِثبَاتِهِ فَيَثبُتُ فِي الذَّاكِرَةِ مُصَوَّرَةً مَا
اَخَذَت وَيَقبَلُ المُتَخَيِّلَةُ عَلَى البنطاسيا وَيُحَاكِي فِيهِ
فَاَقبَلَت بِصُورَةٍ عَجِيبَةٍ وَمُبصَرَةٍ وَيُؤَدِّي كُلَّ [حِلَ]

پھر قوت متخیلہ وہی عمل کرتی ہی جو تعبیر طلب خواب کیحالت
مین کرتی ہی یعنی یہ کہ اُن واقعات کو لیتی ہی اور اُنکی نقل
اُتارتی ہی، اور قوت حسیہ پر چھا جاتی ہی یہانتک کہ تخیل
قوت حس پر اسقدر اثر ڈالتا ہے کہ قوت متخیلہ مین جو صورتین
تھین وہ حس مشترک مین اُتر آتی ہین تو اس حالتمین عجیب
عجیب خدائی صورتین نظر آتی ہین اور خدائی آوازین سنائی
دیتی ہین اور وہ ایسی ہوتی ہین جیسیکہ وحی کی مدرکات
اور یہ اُس وصف سے جس کو نبوت کہتے ہین کمتر درجہ ہے
اور اس سے قوی تر یہ درجہ ہی کہ یہ حالات اور صورتین اپنی
ہئیت پر اسطرح قائم ہو جائین کہ قوت متخیلہ کو موقع ندین
کہ وہ دوسری چیزون کی تصویر اتار سکے۔
اور اس سے بھی زیادہ قوی یہ درجہ ہے کہ متخیلہ برابر اپنا کام
کرتی رہے اور قوت عقلیہ اور وہم اسکی قائم کردہ،
صورتون سے اختلاف نکرین تو جو صورت متخیلہ نے قائم
کی ہی وہ حافظہ مین رہجائے گی اور قوت متخیلہ حس مشترک
پر اثر کریگی یہانتک کہ حس مشترک مین وہ عجیب صورتین منقش ہو جائیگی اور ایک

[1] یونانی لفظ ہے جس کے معنے حس مشترک کے ہین۔

مِنْهُمَا عَلٰی وَجْهِهٖ وَهٰذِهٖ طَبَقَةُ النَّبُوَّاتِ الْمُتَعَلِّقَةِ بِالْقُوَّةِ الْعَقْلِيَّةِ وَالْخَيَالِيَّةِ	اپنا کام اپنے طریقہ پر کرگی، اور یہ نبوت کا وہ طبقہ ہے جو قوت عقلیہ ورخیالیہ سے متعلق ہے،

امام صاحب نے اگرچہ اصل مطلب کو بہت پیچ دے کر بیان کیا ہے لیکن حاصل وہی ہے جو صاحب مقاصد نے صاف صاف لفظون مین ادا کیا ہے، اس مضمون کو بوعلی سینا کے حوالہ سے ابوالبقا نے نہایت مختصر اور جامع ومانع الفاظ مین ادا کیا ہے، چنانچہ تعریفات مین جہان وحی کی تعریف لکھی ہے لکھا ہے

فَنَحْنُ نَرَی الْاَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْحِسِّ وَالنَّبِيُّ يَرَی الْاَشْيَاءَ بِوَاسِطَةِ الْقُوَی الْبَاطِنَةِ وَنَحْنُ نَرَی ثُمَّ نَعْلَمُ وَالنَّبِيُّ يَعْلَمُ ثُمَّ يَرَی	توہم لوگ اشیاء کو حواس کے ذریعہ سے دیکھتے ہین اور پیغمبر قوای باطنی کے ذریعہ سے دیکھتا ہے اور ہم لوگ ایک چیز دیکھتے ہین پھر جانتے ہین اور پیغمبر جانتا ہے، پھر دیکھتا ہے

حکیم ابونصر فارابی، بوعلی سینا وغیرہ کی بھی یہی راے ہے لیکن ہم نے ان کی تصریحات اسلیے نقل نہین کین کہ یہ لوگ مذہبی حیثیت سے مقتدا تسلیم نہین کیے جاتے۔

اسلام تمدن اور ترقی کا مانع نہین بلکہ مؤید ہے

یہ پانچوان معیار ہے جس کی رو سے مذہب کی صحت کا اندازہ کیا جاتا ہے۔ منکرین مذہب کو جس چیز نے سب سے زیادہ مذہب کا دشمن بنا دیا ہے وہ یہ ہے کہ "ان کے نزدیک تمام مذاہب دنیاوی ترقیون کے سد راہ ہین" وہ اس کے وجوہ یہ بیان کرتے ہین۔

کن کن وجوہ سے مذہب کو دنیاوی ترقی کا مانع کہا جاتا ہے

(۱) مذہب اعتقادیات تک محدود نہین رہتا بلکہ ہم جو کچھ کہتے یا کرتے ہین ہر ہر بات مین

دست اندازی کرنا چاہتا ہے، چلنا پھرنا سونا جاگنا، اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا ایک چیز بھی اسکی حد سے باہر نہین ہو سکتی۔ ایسے شکنجہ مین رہ کر انسان کیونکر ترقی کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن قومون نے جب ترقی کی، ہمیشہ اس قسم کی مذہبی سخت گیریون سے آزاد ہو کر کی۔

(۲) مذہبی اعمال ایسے سخت ہوتے ہین کہ ان کی پابندی معاشرت اور تمدن کی ترقی کا موقع نہین دیتی،

(۳) ہر مذہب دوسرے مذہب والون کے ساتھ سخت تعصب اور نفرت کی تلقین کرتا ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ کبھی کسی قوم نے غیر مذہب والون پر انصاف کے ساتھ حکومت نہین کی جسکی وجہ سے نوع انسانی کا ایک گروہ کثیر ہمیشہ ذلیل و خوار رہ کر تمدن اور تہذیب سے محروم رہا

یہ باتین اسلام مین نہین پائی جاتین

عام مذاہب کی نسبت یہ اعتراضات واقعیت سے خالی نہین لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہین کہ مذہب اسلام، ان اعتراضات کا ہدف ہو سکتا ہے یا نہین،

بے شبہہ، اکثر مذاہب نے انسان کے ہر ہر جزئی فعل کو مذہب کے شکنجہ مین جکڑا ہے، لیکن اسلام اسی غرض سے آیا کہ اس قسم کی تنگ درزیون کو مٹا دے۔ یہودیون کے ہان ایک ایک چیز مذہب کے شکنجہ مین جکڑی ہوئی تھی، خدا نے آنحضرتؐ کی بعثت کا بڑا مقصد یہ قرار دیا کہ یہ قیدین اور بندشین اُٹھا دی جائین۔

قرآن مجید مین ارشاد کیا۔

اسلام

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ	جو لوگ کہ پیغمبر امی کی پیروی کرتے ہین جسکا نام یہ لوگ اپنے ہان توریت و انجیل مین لکھا ہوا پاتے ہین وہ اُنکو اچھی بات کا

یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَھُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْھِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ (اعراف رکوع ۱۹)	حکم دیتا ہے اور بری بات سے روکتا ہے، اور پاک چیزونکو اُنکے لیے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزون کو اون پر حرام کرتا ہے اور وہ بوجھ جو انپر تھے، اور وہ بیڑیان جو انپر تھین اُتار دیتا ہے

خوب غور کرو کہ یہودیون پر کونسا بوجھ تھا جس کو آنحضرتؐ نے ہلکا کیا، اور اُنکے پانون مین کونسی بیڑیان تھین جو آپ نے اتروا دین۔

قرآن مجید مین خاص طور پر یہود اور نصاریٰ کو مخاطب کرکے کہا ہے کہ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِکُمْ یعنی مذہب مین غلو نہ کرو۔ مذہبی غلو کی دو صورتین ہین ایک یہ کہ ہر قسم کی حرکات و سکنات کو مذہب کے دائرہ مین داخل کرلیا جائے۔ دوسرے یہ کہ احکام مذہبی سخت و ناقابل تعمیل مقرر کیے جائین، اسلام نے ان دونون کو مٹا دیا۔ مذہب کے دائرہ کو لوگون نے یہانتک وسعت دی تھی کہ زندگی کے عیش و عشرت ناز و نعمت عمدہ خورد و پوش کو بھی اس مین داخل کر لیا تھا اور اسکو ناجائز قرار دیا تھا، اسپر قرآن مجید نے کہا،

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِیْنَةَ اللّٰهِ الَّتِیْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّیِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ	اے پیغمبر اُنسے کہہ کہ خدا نے جو آرایش اور جو اچھے کھانے اپنے بندون کے لیے پیدا کیے ہین انکو کس نے حرام کیا ہے،

خدا کے انہی احکام کی بنا پر آنحضرتؐ نے دنیاوی معاشرت اور تمدن کو مذہب کے دائرہ سے بالکل الگ رکھا اور فرمایا کہ اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ یعنی دنیا کی باتین تمھین خوب جانتے ہو،

دوسرا اعتراض تو اسلام سے بمراحل دور ہے، اسلام کو دعویٰ ہے اور بجا دعویٰ ہے کہ اسکے احکام مذہبی نہایت نرم، آسان اور سہل العمل ہین،

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِی الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (حج)	اور خدا نے دین کے بارے مین تم پر کسی طرح کی سختی نہین کی
مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ	خدا یہ نہین چاہتا کہ تم پر کسی طرح کی تنگی روا رکھو بلکہ یہ چاہتا
لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ (مائدہ)	ہے کہ تمکو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمتین تمام کرے،
يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ	خدا تمھارے ساتھ آسانی کرنی چاہتا ہو نہ کہ سختی،
لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔	خدا کسی پر اس سے زیادہ بوجھ نہین ڈالتا جسقدر اسکو طاقت ہی

(سورۃ بقر)

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا	خدا چاہتا ہو کہ تمسے بوجھ ہلکا کرے اور آدمی کمزور پیدا کیا گیا ہو،

یہ صرف دعوی نہین، بلکہ اسلام کے تمام احکام اس دعوے کے شاہد ہین، مذہبی اعمال کی سختی کی متعدد صورتین ہین،

(۱) فرائض کی تعداد زیادہ ہو، اور وہ ایسے ہون جنکی تعمیل مشکل ہو یا جن کی تعمیل مین وقت کا بڑا حصہ صرف ہو جائے۔

اسلام مین صرف پانچ فرائض ہین نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ جہاد۔ حج اور زکوٰۃ دولتمندون پر محدود ہے، جہاد صرف اسوقت فرض ہے جب حفاظت خود اختیاری کی ضرورت ہو، صرف دو فرض ہین جو سب کے لیے عام ہین، نماز روزہ، روزہ سال مین ایک دفعہ ہے، وہ بھی مسافر اور بیمار اور نہایت کمزور آدمیون کے لیے نہین، نماز البتہ کسی حالت مین معاف نہین لیکن اس کی یہ صورت ہے کہ بیمار کے لیے وضو کی ضرورت نہین، گھوڑے یا جہاز کی سواری مین سمت قبلہ کی پابندی نہین، وہ حسب اختلاف ضرورت کھڑے ہو کر

بیٹھ کر لیٹ کر گھوڑے پر سوار ہو کر غرض ہر طرح ادا کی جا سکتی ہے سفر مین بجاے چار رکعت
کے صرف دو رکعتین رہجاتی ہین، اس کے ادا کے لیے جو ارکان و آداب مقرر ہین
ان مین سے خصوصیت کے ساتھ نہایت کم کی پابندی ضرور ہے مثلاً ہاتھ کھول کر بھی
نماز پڑھ سکتے ہین باندھ کر بھی، ہاتھ سینے پر بھی باندھ سکتے ہین بالاے ناف بھی،
آمین پکار کر بھی کہہ سکتے ہین آہستہ بھی، غرض بعض امور کے سوا باقی کسی خاص طریقہ کی پابندی
ضرور نہین، چنانچہ مختلف اماموں نے مختلف صورتین اختیار کین۔

(۲) فرائض کے ادا کرنے کے لیے نہایت جزئی چھوٹی چھوٹی قیدین لگائی جائین
اور ہر ایک کو ضروری قرار دیا جائے، دیگر مذہب مین، اس قسم کی جو سختی تھی اس کا اندازہ
توراۃ کے احکام سے ہو سکتا ہے، مثلاً قربانی جو اسلام مین نہایت سادہ اور آسان طریقہ سے
ادا ہو سکتی ہے، توراۃ مین اسکے لیے جو قیدین مذکور ہین انکا مختصر سا نمونہ یہ ہے "اور ہارون
پاکترین مکان مین یون آئے کہ خطا کی قربانی کے لیے ایک بچھڑا اور سوختنی قربانی کے
لیے ایک مینڈھا لائے اور کتانی مقدس پیراہن پہنے اور اس کے بدن مین کتانی پاجامہ
ہو، اور کتانی پٹکے سے اسکی کمر بندی ہو اور اپنے سر پر کتانی عمامہ رکھے، یہ مقدس کپڑے ہین
اور اپنا بدن پانی سے دھوئے اور انھین پہنے اور بنی اسرائیل کی جماعت سے بکری کے
دو بچے خطا کی قربانی کے لیے لے، اور ہرون اپنے اس بچھڑے کو جو خطا کی قربانی کے لیے
اس کی طرف سے ہے نزدیک لائے اور اپنے گھر کے لیے کفارہ دے۔ پھر ان دونون
حلوانون کو لے کے جماعت کے خیمے کے دروازہ پر خداوند کے آگے حاضر کرے

اور ہرون ان دونون حلوانون پر قرعہ ڈالے۔ایک قرعہ خداوند کے لیے اور دوسرا قرعہ جلادے کے لیے اور ہرون اس حلوان کو جسپر خداوند کے نام کا قرعہ پڑے لائے اور اُسے خطا کی قربانی کے لیے ذبح کرے "

اور وہ ایک عودسوز اس آگ کے انگارون سے جو خداوند کے آگے مذبح پر ہے بھرے اور اپنی مٹھیان بخور کے کوٹے ہوے مصالح سے بھی بھرے اور اسی پردہ کے اندر لائے اور اس بخور کو خداوند کے حضور آگ مین ڈال دے تاکہ بخور کا دھوان کفارہ گاہ کو جو شہادت کے صندوق پر ہے چھپائے کہ وہ ہلاک نہو، پھر وہ اس بچھڑے کا لہو لے کے اپنی انگلی سے کفارہ گاہ پر پورب کی طرف کو چھڑکے اور کفارہ گاہ کے آگے بھی لہو اپنی انگلی سے سات مرتبہ چھڑکے (تورات احبار باب ۱۶)

اسی قسم کے طفلانہ قیود ہندوؤن اور تمام دیگر قومون مین پائے جاتے ہین یہانتک کہ کوئی شخص بطور خود عبادت الٰہی ادا ہی نہین کرسکتا جب تک کوئی عبادت کرانے والا پیشوا موجود نہ ہو، ہندؤن کو پنڈتون کی ضرورت ہے، علیسائیون کو پادری کی، یہودیونکو احبار کی لیکن مسلمان کو کسی دوسرے شخص کی دستگیری کی ضرورت نہین، وہ اپنا آپ پادری اپنا آپ پنڈوا اپنا آپ احبار ہے،

اسلام نے طریقہ عمل کے نمونہ کے لیے اس قسم کی کوئی شرط اختیار رکھی کی ہے تو ساتھ ہی بتادیا ہے کہ یہ قیدین فی نفسہ ضروری نہین، نماز کے لیے قبلہ کی سمت کا جہان حکم دیا ساتھ ہی کہدیا کہ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللهِ یعنی جس طرف مُنھ کرو اُسی طرف خدا کا مُنھ ہے،

قربانی کا جہان ذکر کیا یہ بھی فرمایا کہ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاۗؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى

یعنی خدا تک نہ قربانی کا گوشت پہنچتا ہے نہ خون بلکہ تقوی اور پرہیزگاری پہنچتی ہے،

تیسرے اعتراض کا جواب بہ تفصیل آگے آئے گا،

ہمارا صرف یہ دعویٰ نہین کہ اسلام تمدن کے موافق ہے، بلکہ ہمارا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ تمدن کو ترقی دینے والا ہے اور اس حد تک پہونچانے والا ہے جو تمدن کا انتہائی درجہ ہے

اس امر سے انکار نہین ہوسکتا کہ دنیاوی تمدن آج یورپ مین جس حد تک پہونچا ہے کبھی نہین پہونچا تھا اسلیے ہم کو غور کرنا چاہیے کہ اس تمدن کے اصلی اصول کیا ہین،

یورپ کے تمدن کے مہمات اصول حسب ذیل عنوان مین محدود کیے جاسکتے ہین اور دنیا مین جب کبھی کسی قوم نے تمدن مین ترقی کی ہے، یا آیندہ کرے گی تو انھی اصول پر کی ہوگی اور کرے گی،

ترقی تمدن کے جو اصول ہین سب اسلام مین پائے جاتے ہین

(۱) انسان کی تمام ترقیون کی پہلی بنیاد یہ ہے کہ وہ یہ خیال کرے کہ وہ اعلیٰ ترین مخلوقات ہے اور تمام کائنات مین جو کچھ ہے وہ اسی لیے ہے کہ انسان اس سے تمتع اٹھائے۔ سب سے پہلے قرآن مجید نے اس اصول کی تعلیم کی۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ	ہم نے انسان کی بناوٹ بہتر سے بہتر بنائی،
وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا	تمام آسمان و زمین کی چیزون کو تمھارا مسخر کیا۔

اس قسم کی اور بہت سی آیتین ہین جو آیندہ آئینگی۔

(۲) انسان کی تمام ترقیون کی بنیاد یہ ہے کہ اس کو یہ یقین ہو کہ اس کے خیر و شر

ترقی اور تنزل - عروج اور زوال کا مدار تامتر اسکی سعی اور کوشش پر ہے اور دنیا اور دین کی تمام کامیابیان محض اسکی کوششون پر موقوف ہین قرآن مجید نے اس اصول کو نہایت توضیح اور تاکید کے ساتھ بیان کیا۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی۔ — انسان کے لیے اتنا ہی ہے جتنی اُسکی کوشش ہے

لَہَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْہَا مَا اکْتَسَبَتْ (بقرہ) — انسان کے نفس کو جو فائدہ پہنچتا ہو اُسی کی کمائی کی بدولت ہے اور جو نقصان پہونچتا ہے اُسی کے کرتوت کی بدولت

وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْہَا (انعام) — اور جو کوئی برا کام کرتا ہے تو اسکا وبال اسی پر پڑتا ہے

اَوَلَمَّا اَصَابَتْکُمْ مُصِیْبَۃٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِثْلَیْہَا قُلْتُمْ اَنّٰی ہٰذَا قُلْ ہُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِکُمْ (آل عمران) — کیا جب جب ایسا ہوگا کہ تم پر کوئی مصیبت پڑے حالانکہ اسکے دو چند تم پر پہلے پڑ چکی ہے تو تم کہو گے کہ یہ مصیبت کہان سے آئی، اے محمد! کہدے کہ یہ خود تمھاری اپنی ذات کی وجہ سے ہے

ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ لَمْ یَکُ مُغَیِّرًا نِّعْمَۃً اَنْعَمَہَا عَلٰی قَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ (انفال) — یہ اس لیے کہ خدا جب کسی قوم کو کوئی نعمت دیتا ہے تو پھر اُسکو بدلتا نہین جب تک وہ خود اپنے آپ کو نہ بدلین،

ظَہَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ (روم) — لوگونکے کرتوت کی بدولت تمام خشکی و تری مین فساد پھیل گیا

مَا اَصَابَکُمْ مِّنْ مُّصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ (حمعسق) — تم پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہو تو خود تمھارے کرتوت کی بدولت

اسلام نے اس مضمون پر اسقدر زور دیا کہ قرآن مجید مین جابجا تصریح کی کہ بندہ جب ایک کام کر لیتا ہے تو خدا بھی اسی کے موافق کرتا ہے،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَہْدِیْہِمْ — جو لوگ ایمان لائے اور اُنھون نے کام بھی اچھے کیے خدا اُنکو

رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ (یونس)	ان کے ایمان کی وجہ سے ہدایت کرتا ہے،
ان الذین لا یومنون بایٰت اللہ لا یهدیهم اللہ	جو لوگ خدا کی نشانیوں پر ایمان نہیں لاتے خدا انکو ہدایت نہین کرتا
وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ	جو لوگ ہمارے لیے مجاہدہ کرتے ہین، ہم اُن کو اپنی
سُبُلَنَا۔ (عنکبوت)	راہ دکھاتے ہین۔
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا	مسلمانو! خدا سے ڈرو۔ اور ٹھیک بات بولو تو خدا تمھارے
سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ (الاحزاب)	اعمال کو صالح کر دے گا،
یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰہَ یَنْصُرْکُمْ	مسلمانو! اگر تم خدا کی مدد کروگے تو خدا بھی تمھاری مدد کریگا
وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ۔ (محمد)	اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔
فَلَمَّا زَاغُوْا اَزَاغَ اللّٰہُ قُلُوْبَهُمْ (صف)	پھر جب وہ لوگ کج ہوئے تو خدا نے بھی اُنکے دلون کو کج کر دیا
اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ (رعد)	خدا کسی قوم کیحالت نہین بدلتا جبتک وہ خود اپنی حالت نہ بدلین

اِن آیتون مین خدا نے اپنے کام کو بندہ کے کام سے متاخر رکھا فلما زاغوا الخ مین بیان کیا کہ جب ان لوگون نے کجی کی تو خدا نے بھی اُن کے دلونکو کج کر دیا یا ایها الذین اٰمنوا مین یہ کہا کہ مسلمانو! پرہیزگاری اختیار کرو اور ٹھیک بات کہو تو خدا تمھارے عمل صالح کر دیگا، حالانکہ پرہیزگاری خود عمل صالح کا نام ہے، اور جب کوئی شخص پرہیزگاری کرے گا تو پھر اسکے عمل کے صالح کرنے کی کیا ضرورت ہے،

اس موقع پر یہ بات بھی ظاہر کرنی ضرور ہی کہ قرآن مجید مین ایسی بھی بہت سی آیتین ہین جن سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہی کہ انسان مجبور محض ہے اور جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے،

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِہٖ	اور وہ اپنے بندون پر بالا دست ہے۔
قُلْ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰہِ،	کہدے کہ سب کچھ خدا ہی کی طرف سے ہے،

عیسائی اکثر طعنہ دیتے ہین کہ مسلمانون مین جو کاہلی اور پست ہمتی پائی جاتی ہے وہ اسی مسئلہ قضا و قدر کا اثر ہے اور اس لیے مسلمانون کا تنزل خود انکے مذہب کا لازمی نتیجہ ہے،

اس اعتراض کو اگرچہ ہمارے توکل پیشیہ علما اور صوفیہ نے اپنے طرز عمل سے قوی کر دیا ہے لیکن درحقیقت یہ اعتراض بالکل لغو ہے،

اس کا سرسری جواب تو یہ ہے کہ یہی قضا و قدر کا اعتقاد تھا جس کی بدولت صحابہؓ مین سے ایک ایک شخص ہزارون آدمیون کے دل مین گھس جاتا تھا اور سیکڑون کو خاک مین ملاکر صحیح سلامت نکل آتا تھا اگر آج اسی جوہر کو ہمارے علما و صوفیہ اپنی شکستہ پائی اور کاہلی کے لیے استعمال کرتے ہین تو اس مین اسلام کا کیا قصور۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ بے شبہہ اسلام نے انسان کو مختار کل قرار دیا ہے لیکن ساتھ ہی اس بات کی بھی احتیاط رکھی ہے کہ یہ اعتقاد الحاد کی حد سے نہ مل جائے انسان کے مختار ہونے کے دو معنی ہو سکتے ہین۔ ایک یہ کہ خالق، اور خدا کوئی چیز نہین، اسلیے انسان قادر مطلق ہے، جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے جو نہین چاہتا نہین کرتا۔ دوسرے معنے یہ ہین کہ خدا قادر مطلق ہے لیکن اسنے انسان کو اپنے افعال کا مختار بنایا ہے اسلیے انسان جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے اسلام نے پہلے معنی کی نفی کی ہے اور اسی بنا پر قرآن مین آیا ہے،

وَمَا تَشَاۗءُوْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَاۗءَ اللّٰہُ	تم کسی بات کو نہ چاہو گے جب تک خدا نہ چاہے،

جس کا یہ مطلب ہے کہ تم کو جو مشیت اور ارادہ کی قوت دی گئی ہے یہ خدا ہی نے دی ہے
اگر خداوند چاہتا تو تم مین یہ قوت بھی نہ ہوتی،

ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ۔

قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ | یعنی جو کچھ دنیا مین ہے سب کی علۃ العلل خدا ہی کی ذات ہے

اِس امر کا قطعی فیصلہ کہ اسلام نے اختیار کی تعلیم کی تھی یا جبر کی، اس بات سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ اسلام کے مرکز تھے، جو اسلام کی مجسم تصویر تھے، جو لوگ اسلام کی ایک ایک دا سے واقف تھے یعنی صحابہؓ انہون نے کیا سمجھا اور ان پر اسلام کی تلقین کا کیا اثر ہوا؟ تاریخ شاہد ہے کہ اسلام کی تعلیم نے اُن کو اختیار عزم۔ استقلال۔ اور حوصلہ کا مجسم پیکر بنا دیا تھا،

مساوات

(۳) تمدن کی ترقی کا سب سے بڑا اصول مساواۃ کا اصول ہے یعنی یہ کہ تمام انسانوں کے حقوق مساوی ہین۔ فلاسفر گوندرسیہ کا قول ہے کہ "حقوق انسانی کے سمجھنے کا پہلا دیباچہ مساوات ہے اور مساوات ہی تمام اخلاق حمیدہ کی بنیاد ہے"

لیکن اسلام کے قبل تک یہ خیال کسی قوم اور ملک مین پیدا نہین ہوا تھا، تعزیرات کے متعلق مہذب سے مہذب تومون کا طرز عمل یہ تھا کہ مجرمون کے مرتبہ اور درجہ کے لحاظ سے سزائین دیجاتی تھین۔ لاروس اپنی انسائکلوپیڈیا مین لکھتا ہے کہ "رومن امپائر مین ایک ہی جرم کی سزائین مختلف ہوتی تھین۔ یعنے مجرم کی حیثیت اور درجہ کے لحاظ سے سزا ہوتی تھی" اس کے بعد مصنف مذکور نے اس نا انصافی اور ظلم کی تفصیل کی ہے اور رومن سے لیکر فرینچ تک کے واقعات گنائے ہین۔ اخیر مین لکھا ہے کہ ۱۷۸۹ء کے ہنگامہ نے

یہ تمام امتیازات مٹا دیے کیونکہ اس نے خود ان القاب وخطابات کو مٹا دیا جو لوگون کی ذاتی عزت یا وراثت کے اعزاز کی بنا پر قائم تھے،،

فلاسفر فرنک لکھتا ہے کہ "مساوات کی بنیاد پچاس برس سے یورپ کی بعض قومون مین پڑی ہے اور اب دوسرے حصون مین بھی پھیلتی جاتی ہے،،

فلاسفر مذکور مساوات کی ابتدا پچاس برس سے بتاتا ہے لیکن اسلام مین بارہ سو برس پہلے یہ اصول قائم ہو چکا تھا۔ قرآن مجید مین ہے،

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ۔	لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا، اور تمھارے کنبے اور قبیلے ٹھہرائے اس غرض سے کہ ایک دوسرے کو پہچانے جائین لیکن خدا کے نزدیک صاحب عزت وہی ہے جو بہت پرہیز گار ہو۔

یہ صرف الفاظ نہ تھے بلکہ اسلام کا نظام اسی اصول پر قائم ہوا، اور اسلام جب تک اسلام تھا اسی اصول پر قائم رہا۔ عرب مین قبائل کے مدارج مقرر تھے۔ جو قبیلہ زیادہ شریف اور معزز تھا اُس کا ایک آدمی دوسرے قبائل کے متعدد آدمیون کے برابر مانا جاتا تھا۔ یعنی معزز قبیلہ کے ایک آدمی کے خون کے بدلے مین دوسرے قبائل کے کئی آدمی قتل کئے جاتے تھے۔ اسی طرح غلام کے خون کے معاوضہ مین آقا قتل نہین کیا جاسکتا تھا، اسلام نے اصول مساوات کی بنا پر یہ تفرقے بالکل مٹا دیئے قریش جن کو یہ غرور تھا کہ جنگ بدر مین انھون نے انصار کے مقابلہ سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ انصار پر ہاتھ اٹھانا بھی انکو عار ہے، وہ حبش اور ایران کے زرخرید غلامونکے برابر کر دیے گئے۔ ابوسفیان جو تمام قریش کا سردار

رہ چکا تھا اور جس کو خود رسول اللہؐ کے حریف مقابل ہونے کا دعوی تھا جب اسلام لایا تو اسکو بلالؓ و صہیبؓ کا ہم رتبہ ہو کر رہنا پڑا حالانکہ بلالؓ و صہیبؓ دونوں عجمی زر خرید غلام تھے۔

جبلہ بن الایہم عرب کا مشہور بادشاہ تھا جب وہ اسلام لایا تو اُسنے چاہا کہ ایک عامی آدمی کے مقابلہ مین اس کی عزت مرجح تسلیم کی جائے لیکن عمر فاروقؓ نے جو اسلام کے اصلی تصویر تھے گوارا نہ کیا اور وہ اسی ضد پر مرتد ہو کر عیسائیون سے جا کر مل گیا۔

عمر فاروقؓ نے جب شام کا سفر کیا اور بیت المقدس مین داخل ہوے تو انکا غلام اونٹ پر سوار تھا اور خود انکے ہاتھون مین اونٹ کی باگ تھی حالانکہ یہ وہ وقت تھا کہ تمام لوگ خلیفۂ اسلام کی جاہ و شوکت دیکھنے کے لیے گھرون سے نکل آئے تھے،

اس قسم کے ہزارون واقعات ہین جنکا شمار نہین کیا جا سکتا۔ نتیجہ عام کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ تمام مورخین نے لکھا ہے کہ اسلام مین سب سے پہلا ظلم جو شروع ہوا وہ تَنَحَّ عَنِ الطَّرِيقِ۔ (راستہ سے ذرا ہٹ جاؤ) کا کہنا تھا، یعنی اوائل اسلام مین بڑے سے بڑا آدمی راہ مین کسی معمولی آدمی کو نہین کہہ سکتا تھا کہ ذرا ہٹ جاؤ، اول جو ظلم شروع ہوا وہ اسی لفظ کا استعمال کرنا تھا،

مذہبی بے تعصبی

(۴) تمدن کی ترقی کا بہت بڑا ذریعہ، اور ترقی تمدن کی بہت بڑی علامت مذہبی نفرت اور مذہبی جبر کا دور کرنا ہے، دنیا جب سے آباد ہے ہمیشہ ہر ملک مین، ہر قوم مین ہر سلطنت مین یہ طریقہ رہا کہ غیر مذہب والون پر جبر کیا جاتا تھا، انکو مذہبی آزادی نہین دیجاتی تھی۔ اُن سے نفرت اور حقارت کی تلقین کی جاتی تھی اور مختلف طریقون سے لوگونکو

تبدیل مذہب پر مجبور کیا جاتا تھا۔ صرف یہی نہین بلکہ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا یہ مذاق تھا اور یہ گویا انسان کی فطرت ہوگئی تھی کہ جب دو شخصون مین کسی راے اور خیال کے متعلق اختلاف ہوتا تھا، تو اسکا اثر معاشرت کے تمام امور پر پڑتا تھا یعنی دونون مین اجنبیت پیدا ہوکر منافرت اور عداوت کی حد تک نوبت پہونچتی تھی،

سب سے پہلے اسلام نے اختلاف مذہب اور دیگر تعلقات کے حدود جدا گانہ قائم کیے یعنی یہ بتایا کہ اگر کسی شخص سے مذہب مین اختلاف ہو تو اسکا اثر عام معاشرت پر نہین پڑنا چاہیے۔ والدین کے جہان حقوق بیان کیے وہان فرمایا کہ،

وَاِنْ جَاھَدَاکَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِکَ بِیْ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْھُمَا وَصَاحِبْھُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا۔

اگر وہ دونون اس بات پر زور ڈالین کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک کرے جسکا تجکو علم نہین ہو (یعنی اگر والدین شرک پر مجبور کرین) تو تو ان کا کہنا نہ مان لیکن دنیا مین اُنسے اچھا برتاؤ کر

پھر عام طور پر فرمایا،

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَلَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ، [1]

جن لوگون نے تم سے مذہبی جنگ نہین کی اور تمکو تمھارے گھرون سے نہین نکالا انکی نسبت خدا تمکو منع نہین کرتا کہ تم اُنکے ساتھ بھلائی اور انصاف کرو بیشبہہ خدا انصاف کو پسند کرتا ہے

[1] قرآن مجید مین بہت سی آیتین اس قسم کی موجود ہین جنمین یہ حکم ہے کہ غیر مذہب والون سے دوستی اور محبت نہ رکھو اور انہی آیتون کو ہمارے ظاہر بین علما ہر موقع پر پیش کرتے ہین لیکن وہ آیتین اُن کافرون سے مخصوص ہین جو مسلمانون سے مذہبی لڑائی لڑتے ہین چنانچہ خود خدا نے اس آیت کے بعد تصریح کردی اور فرمایا کہ انما ینھٰکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم یعنے خدا تو ان لوگون سے دوستی رکھنے کو منع کرتا ہے جو تمسے مذہب کے بارہ مین لڑے اور تمکو تمھارے گھرون سے نکال دیا اور تمھارے نکال دینے پر اعانت کی؛

اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ اس مسئلہ کا اصلی فلسفہ بتا دیا۔ یعنی خدا نے انسانون کی فطرت ہی ایسی بنائی ہے کہ انکی صورت۔ سیرت۔ خیال۔ مذاق اور راے مین اختلاف ہو، اس لیے اس بات کی خواہش کرنا کہ تمام لوگ خواہ مخواہ متحد الخیال ہو جائین گویا فطرت انسانی کو مٹانا ہے،

اس نکتہ کو قرآن نے ان لفظون مین ادا کیا۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَّاحِدَةً	اور اگر خدا چاہتا تو تمام آدمیونکو ایک ہی اُمّت بناتا لیکن
وَلَا يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ	لوگ ہمیشہ مختلف رہین گے بجز انکے جنپر تیرے خدا کا رحم
وَلِذَالِكَ خَلَقَهُمْ (هود)	ہوا اور خدا نے اسی لیے ان لوگونکو بنایا ہی ہے،
وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَآمَنَ مَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا	اور اگر خدا چاہتا تو دنیا کے تمام آدمی مسلمان ہو جاتے
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً (مائدہ)	اور اگر خدا چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بناتا۔
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا أَشْرَكُوا۔ (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو لوگ شرک نہ کرتے،
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى (انعام)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا،
أَفَلَمْ يَيْأَسِ الَّذِينَ آمَنُوا أَنْ لَّوْ يَشَاءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا (رعد)	کیا مسلمان مایوس نہین ہوے کہ اگر خدا چاہتا تو تمام لوگونکو ہدایت کر دیتا۔
وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَهُمْ أُمَّةً وَّاحِدَةً (حمعسق)	اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی امت بناتا،
وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (نحل)	اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو راہ راست پر لاتا۔
وَلَوْ شِئْنَا لَآتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا (سجدہ)	اور اگر ہم چاہتے تو ہر شخص کو ہدایت کر دیتے۔

بعض وقت جناب رسول اللہ کو بہ اقتضائے بشریت کافرون کی سرکشی اور بے پروائی

گران گذرتی تھی - اسپر قرآن مجید مین یہ آیت اتری۔

وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ	اور اگر انکی سرکشی تجھپر گران گذرتی ہو تو اگر ممکن ہو کہ زمین کے اندر سرنگ تلاش کرو یا آسمان مین سیڑھی بہم پہونچاؤ تا کہ انکو کوئی معجزہ دکھاؤ (توکر دیکھو) اور اگر خدا چاہتا تو سب کو راہ راست پر متفق کر دیتا۔ تو دیکھ جاہل نہ بن۔

لیکن چونکہ اکثر انسانون کی فطرت ایسی بھی بنائی ہے کہ وہ ہدایت اور وعظ وپند سے حق بات کو قبول کر لیتے ہین، اس لیے اسلام نے وعظ اور پند کے ذریعہ سے دعوت اسلام کی اجازت دی اور فرمایا۔

وَادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (نحل)	لوگونکو اپنے خدا کے راستہ کی طرف بُلا بذریعہ حکمت کے اور بذریعہ وعظ کے اور لوگون سے بحث کر معقول طریقہ سے
فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنتَ مُذَكِّرٌ لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ	لوگون کو نصیحت کر تو صرف نصیحت کرنیوالا ہے نہ کہ داروغہ
فَمَن شَاءَ اتَّخَذَ إِلَىٰ رَبِّهِ سَبِيلًا (مزمل)	تو جس کے جی مین آئے وہ اپنے خدا کی راہ اختیار کرے
أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ (یونس)	کیا تو لوگون کو زبردستی مسلمان کرنا چاہتا ہے،

اعتقاد اور یقین ایسی چیز ہے جو دل سے متعلق ہے اس لیے کوئی شخص کسی کے دل مین کوئی یقین جبر اور زبردستی سے نہین پیدا کر سکتا، اس بنا پر مذہب مین جبر کرنا بالکل بیفائدہ چیز ہے لیکن یہ نکتہ اس وقت تک دنیا کی سمجھ مین نہ آیا جب تک اسلام نے یہ نہین کہا کہ۔

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ - (آل عمران)	مذہب کوئی زبردستی کی چیز نہین،

ژدول سیمان جو فرانس کا بہت بڑا فاضل گذرا ہے کہتا ہے کہ "مذہبی آزادی کو کچھ بہت دن نہین گذرے کیونکہ دنیا کی تمام تاریخین درحقیقت مذہبی تعصب اور کینہ وری کا مجموعہ ہین،، اسکے بعد فاضل مذکور نے قرون اولی سے عہد وسطی تک، مذہبی تعصب کے واقعات تفصیل کے ساتھ گنائے ہین، اخیر مین لکھا ہے کہ بالآخر فلسفیانہ روح نے ۲۸۔ اگست ۱۷۸۹ء کو مذہبی آزادی پر بحث کی لیکن یہ خیال وجود مین اُسوقت آیا جب یہودیون کو ۱۷۹۱ء مین ظلم سے نجات دی گئی، تاہم چونکہ فرینچ ریوولیوشن کا طریق انتظام اچھا نہ تھا اس لیے وہ مذہبی آزادی کو مضبوط بنیاد پر قائم نہ کر سکا"

یہ فاضل ژدول سیمان جس چیز کی ابتدا ۱۷۹۱ء سے بیان کرتا ہے، اسلام مین بارہ سو برس پہلے قائم ہو چکی تھی، لیکن چونکہ فاضل مذکور، اسلام کی حقیقت اور تاریخ سے واقف نہ تھا اُسنے دوسری قومون کی بنا پر تمام عالم کی نسبت عام رائے قائم کی اور اس کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔

(۵) ترقی تمدن کے بڑے اسباب مین سے ایک یہ ہے کہ عورتون اور مردون کے حقوق برابر قائم کیے جائین۔ اسلام سے پہلے تمام دنیا کا عمل اس اصول کے خلاف تھا۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے اسکی تلقین کی چنانچہ یہ بحث نہایت تفصیل کے ساتھ اوپر گذر چکی ہے،

اپنی آپ عزت کا خیال،

(۶) کسی قوم کی ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ اس کے ہر فرد کو من حیث القوم سلف آنر یعنے اپنے آپ عزت کا خیال دلایا جائے،، اسلام نے ابتدا ہی سے اس نکتہ کو

ملحوظ رکھا چنانچہ مسلمانون کو مخاطب کرکے کہا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ	تم تمام قومون سے بڑھکر ہو۔
لِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ	عزت خدا کےلیے ہے اور اُسکے رسول کے لیے اور مسلمانونکے لیے

قرن اوّل مین یعنی جب تک اسلام اسلام رہا یہ خیال تمام مسلمانون مین اسقدر جاگزین تھا کہ قوم کا ہر ہر فرد من حیث القوم اپنے آپ کو افضل ترین عالم سمجھتا تھا، یہی سلف آز کا خیال تھا جو مسلمانون کی ہر قسم کی حوصلہ مندیون، اولعزمیون، بلند خیالیونکا باعث تھا، تاریخون مین تم نے پڑھا ہو گا کہ ایک معمولی درجہ کا مسلمان بھی قیصر و کسری کے دربار مین کس دلیری اور آزادی سے سوال وجواب کرتا تھا،

(۷) ترقی کا مقدم ترین اصول، علم ہے، اسلام نے علم کو گویا لازمۂ اسلام قرار دیا قرآن مجید اور احادیث صحیحہ مین علم کی تحصیل کے متعلق کثرت سے جو ہدایتین ہین، اُن سے قطع نظر واقعات پر نظر ڈالو، تاریخ ہر ہر قدم پر اس بات کی شہادت دینے کے لیے موجود ہے کہ اسلام دنیا مین جہان جہان گیا علم کو ساتھ لیکر گیا، وہ قومین جو ازل سے جاہل اور اُمّی رہتی آئی تھین جس دن اسلام لائین علم وفن سے معمور ہو گئین، عرب ابتداے عالم سے جاہل تھا یہان تک کہ اسلام کے اوائل تک بڑے بڑے شعرا لکھنے پڑھنے کو عار سمجھتے تھے روبہ جو مشہور شاعر تھا لکھا پڑھا تھا لیکن ایک موقع پر جب اس کو کچھ لکھنا پڑا تو اُسنے حاضرین سے نہایت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ یہ راز کہین ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ میری بڑی بدنامی ہوگی، لیکن یہی عرب اسلام کے وجود کے ساتھ علوم وفنون کا مرکز بن گیا،

اور امام شافعی، امام مالک، زہری، جیسے مجتہدین وہان پیدا ہونے لگے، ترکونکی قوم ہزارون برس پہلے سے موجود تھی لیکن انکا امتیازی وصف یہ تھا ع چنان بردند صبراز دل کہ ترکان خوان یغمارا، یہی ترک تھے جن مین اسلام لانے کے ساتھ حکیم ابونصر فارابی اور امیر خسرو، اور سیکڑون علما وشعرا پیدا ہوے۔ جن جن قومون نے دنیا مین اسلام قبول کیا، ان سب کا شمار کرو، اور دیکھو کہ اسلام کے قبل اُن کی علمی حالت کیا تھی اور کیا ہوگئی صاف نظر آئیگا کہ علم، اسلام کے عنصر مین داخل تھا۔

حکومت جمہوری

(۸) ترقی کا ایک بڑا اصول یہ ہے کہ نظام حکومت۔ جمہوریت کی بنا پر قائم کیا جائے اس اصول پر اسلام نے اسقدر زور دیا کہ خود آنحضرتؐ کو اسکی پابندی کا حکم ہوا،

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ -	اور لوگون سے مشورہ کر

حالانکہ وحی والہام ہوتے ہوئے آپ کو کسی سے مشورہ اور صلاح لینے کی کیا حاجت تھی، مزید تاکید کے لیے مسلمانون کی امتیازی خصوصیت یہ قرار دی۔

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ -	ان کا کام آپس کے مشورہ سے ہوتا ہے

تقسیم عمل

(۹) ترقی کا بڑا اصول یہ ہے کہ تقسیم عمل کے اصول پر کام کیا جائے یعنی ہر فرقہ ایک خاص کام مین مشغول ہو تاکہ اس کام کو بوجہ خصوصیت کے نہایت اعلیٰ درجہ تک ترقی دے سکے یورپ مین یہ اُصول یہان تک ترقی کر گیا ہے کہ طبیبون اور حکیمون مین سے خاص خاص امراض کے الگ الگ طبیب ہین اور وہ ان امراض کے سوا اور بیماریون کے علاج سے واسطہ نہین رکھتے، خود قدرت نے اسی اصول پر عمل کیا ہے، ہاتھ پاؤن، سر، دل، دماغ کے

کام الگ الگ تقسیم کردیے ہین، اسلام نے اس اصول کیطرف ان الفاظ مین اشارہ کیا،

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ يَّدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ۔	اور تم مین سے ایک گروہ کو ایسا ہونا چاہیے کہ لوگونکو اچھے کام کی رغبت دلائے اچھی باتونکا حکم دے۔ بُری باتون سے روکے
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ۔	تمام مسلمانون کو اُٹھ کھڑا نہین ہونا چاہیے لیکن یہ تو ہونا چاہیے کہ ہر گروہ مین سے کچھ لوگ آمادہ ہون کہ مذہب مین تفقہ حاصل کرین،

(۱۰) ہر زمانہ مین ایک گروہ ایسا ہوتا آیا ہے جس کی یہ راے ہے کہ انسانون کے افراد مین جو اختلاف مراتب ہے یہ مٹا دیا جائے یورپ مین انارکسٹ نہلسٹ وغیرہ اسی خیال کے لوگ ہین، لیکن یہ درحقیقت اصول فطرت کے خلاف ہے اور اگر اسپر عمل کیا جائے تو ہر قسم کی ترقیان دفعۃً رک جائین۔ اسلام نے اسکا فلسفہ ان لفظون مین ادا کیا۔

انسانونکا مختلف المراتب ہونا

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَّعِيْشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا،	ہم نے دنیا مین انسانونکی روزی انکے باہم تقسیم کی ہے اور ایک کو ایک پر ترجیح دی ہے تاکہ ایک کو ایک اپنے کام مین لائے،

علمی ترقی کی انتہا نہونی

(۱۱) ترقی کا بہت بڑا اصول یہ ہے کہ علمی ترقی کی کوئی انتہا نہ قرار دیجائے یعنی انسان ترقی کی کسی حد تک پہنچکر قانع نہو، اور یہ خیال رکھے کہ ابھی ترقی کے اور منازل طے کرنے باقی ہین، اس مسئلہ پر اسلام نے اسقدر زور دیا کہ خود جناب سرور کائنات کو جو علوم لدنیہ سے ممتاز تھے ان الفاظ سے مخاطب کیا۔

قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا | کہ۔کہ اے خدا مجکو اور زیادہ علم دے۔

دین و دنیا کا باہمی تعلق

دین و دنیا کا تعلق

مذہب کے حق و باطل ہونے کا یہ بہت بڑا معیار رہا ہے۔ابتدائے عالم سے آجتک تمام مذاہب اور تمام قومون نے (بجز اسلام) کے اس معیار مین غلطی کی ہے فرقہ اباحیہ مزدکیہ اور متبعان اپیکیورس صرف دنیاوی لذائذ کے قائل تھے، باقی تمام دیگر مذاہب نے دنیاوی تمتعات کو ہیچ بتایا، اور جس قدر انسان دنیاوی حظوظ سے کنارہ کش رہے اسی نسبت سے کمال کے مدارج قائم کیے اسی خیال نے دنیا مین جوگی، تارک الدنیا، راہب، منک اور ننز پیدا کیے اور ان لوگون کی وہ عزت دلون مین قائم کی کہ ایک ذلیل بوریانشین کے آگے بڑے سے بڑے شہنشاہ کا سر جھک جاتا ہے،

ویر باش لکھتا ہے کہ "مذہب کی سب سے بڑی فضیلت یہ ہے کہ ملکی اور سیاسی زندگی تباہ کر دی جائے، دنیا کے تمام کاروبار اس غرض سے چھوڑ دیے جائین کہ نہایت خضوع کے ساتھ بہشت کے انتظار مین گھلا جائے اور ہر قسم کے فطری جذبات اور خواہشین قتل کر دی جائین"۔

لاروس لکھتا ہے کہ "زاہدون کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فطرتی خواہشون کا جو اثر انپر ہو اسکو بالکل مٹادین"، مذہب کی تخصیص نہین فلسفہ و حکمت کا میلان بھی اسی طرف ہے سقراط افلاطون دیوجانس کلبی۔ابونصر فارابی کی زندگی بالکل جوگیون کی طرز زندگی سے

مشابہ تھی۔ خوب غور سے دیکھو یہ خیال تمام دنیا پر کس قدر چھایا ہوا ہے ہم جب کسی شخص کی نسبت سُنتے ہین کہ دنیا اسکی نظر مین ہیچ ہے وہ فرش خاک پر پڑا رہتا ہے۔ نان و نمک پر بسر کرلیتا ہے، تو خود بخود ہمارے دل مین اس کی وقعت قائم ہوجاتی ہو اور ہم اس سے کچھ بحث نہین کرتے کہ ان باتون کے سوا، اسمین کوئی اور کمال بھی ہے یا نہین،

دین اور دنیا کا موازنہ اور ان مین صحیح تناسب کا قائم رکھنا اس قدر مشکل ہو کہ یورپ کے بڑے بڑے اہل نظر اس کو ناممکن الحصول قرار دیکر اس کے حاصل ہونے پر حسرت ظاہر کرتے ہین۔ ہنری برنجیہ۔ ریویو آف ریویو (جلد ۲۴) مین لکھتا ہے "آہ کاش کوئی ذہین شخص، مذہبی اور علمی تعصب کے نقابون کو ایک ساتھ چاک کر ڈالتا اور اس مضبوط تعلق کو جو مذہبی خیال اور علمی تفکر مین ہے کھول کر دکھا دیتا۔ ایسا کرنے سے جو رنج وہ کشمکش دونون مین ایک مدت سے چلی آتی ہے وہ مٹ جاتی"

اب دیکھو اسلام نے دین و دنیا کا کیونکر موازنہ کیا اس نے سب سے پہلے جوگی پن اور ترک دنیا کے خیال کو مٹایا۔

وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ	اور جوگی پنا جسکو عیسائیون نے ایجاد کیا، ہمنے انپر نہین لکھا تھا
وَلَا تَنْسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا،	دنیا مین تمھارا جو حصّہ ہے اُس کو بھول نہ جاؤ،
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ	مسلمانو! خدا نے جو اچھی چیزین تمکو حلال کی ہین انکو حرام نکرو
قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ ؟ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ،	اے محمد صلعم کہدے کہ خدا نے جو آرائش بندونکے لیے پیدا کی ہو اسکو حرام کسنے کیا، اور اچھی خوراکون کو کسنے حرام کیا

رہبانیت کو مٹانا

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

خدا تمھارے ساتھ آسانی کا برتاؤ چاہتا ہے نہ کہ سختی

تمام دیگر مذاہب کی تلقین ہے کہ اس وسیع دنیا سے انسان کا حصہ سد رمق کھانا اور دو گز کپڑا ہے، لیکن اسلام بتاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہے زمین، دشت، کوہ، دریا، درخت، چارپائے لعل و جواہر۔ فواکہ و روائح سب اس لیے ہیں کہ انسان اُس سے جائز طور پر لطف اٹھائے،

وَسَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا
اَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً (لقمان)
وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ
وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌۢ بِاَمْرِهٖ (نحل)
وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا
وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ
فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ۔
وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَ
زِيْنَةً۔
وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ
يُنْبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ
وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ۔

اور خدا نے تمھارے لیے زمین اور آسمان کی تمام چیزوں کو مسخر
کر دیا اور تمھارے اوپر اپنی ہر قسم کی نعمتیں ظاہری و باطنی پوری
کر دیں اور خدا نے تمھارے لیے رات۔ دن۔ سورج۔ چاند کو
مسخر کر دیا اور ستارے بھی تمھارے تابع فرمان ہیں،
وہی خدا ہے جس نے دریا کو اسلیے مسخر کر دیا کہ اُس سے تازہ گوشت
کھاؤ۔ اور اُس سے زیور نکالو جسکو تم پہنتے ہو اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو
کہ پھاڑتی ہوئی چلی جا رہی ہیں اور تاکہ تم خدا کا فضل (تجارت) تلاش کرو
اور گھوڑوں اور گدہوں اور خچروں کو تمھاری سواری
اور آرایش کے لیے پیدا کیا،
اور بہت سی چیزیں تمھارے لیے زمین میں پیدا کیں جنکے رنگ مختلف ہیں
اور وہی تمھارے لیے پانی سے کھیتی۔ زیتون۔ کھجور اور انگور
اور ہر طرح کے پھل پیدا کرتا ہے،

اس قسم کی سیکڑون آیتین ہین جنکا استقصا ضروری نہین،

ان آیتون مین بہ تصریح و توضیح بیان کیا کہ دنیا مین جو کچھ ہے سب اسی لیے ہی کہ انسان اس سے تمتع اُٹھائے۔ اور اسی غرض سے خدا نے تمام چیزون کو انسان کا مسخر کر دیا۔ تسخیر مین جس قسم کی تعمیم قرآن نے بیان کی وہ بظاہر استعارہ یا شاعرانہ طرز ادا معلوم ہوتا ہی لیکن زمانہ ہر روز ثابت کرتا جاتا ہے کہ استعارہ نہین بلکہ حقیقی معنے مقصود ہین۔ بھاپ۔ بجلی۔ الکٹرسٹی آواز وغیرہ یہ چیزین کسطرح مسخر ہو چکین، اور ان کی تسخیر سے کیسے کیسے عجیب و غریب کام لیے گئے،

یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ دنیاوی حظوظ و لذائذ جن چیزون کا نام ہے گو وہ ہزارون لاکھون ہین لیکن انکو اگر اقسام مین محدود کیا جائے تو کل تین قسمین ٹھہرین گی دولت و مال۔ آل و اولاد۔ شہرت اور بقائے نام۔ اب دیکھو، اسلام نے ان کے متعلق کیا کہا۔

تونگری اور جاہ و دولت کو ان نعمائے الٰہی مین شمار کیا جن کے عطا کرنے کا احسان انبیاء علیہم السلام پر رکھا گیا، جناب رسول اللہ صلعم پر خدا نے جو احسانات کیے ان کا جہان تذکرہ کیا یہ بھی فرمایا۔

دنیا کا مرتبہ

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ — اور تجکو مفلس پایا تھا تو غنی کر دیا۔

حضرت سلیمانؑ کو جو سلطنت اور جاہ و دولت عطا کی گئی اس کا ذکر قرآن مجید مین نہایت شان و شوکت سے کیا اور اسکے ساتھ یہ بھی بتا دیا کہ خود حضرت سلیمان نے خدا سے اسکی استدعا کی تھی۔

رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَّا يَنبَغِي لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِي — خدایا مجکو ایسی سلطنت دے کہ میرے بعد کسی کو نہ مل سکے،

بنو اسرائیل پر خدا نے جو احسانات کیے ان مین بڑا احسان یہ جتایا۔

اِذْ جَعَلَ فِيكُمْ اَنْبِيَاءَ وَ جَعَلَكُمْ مُلُوكًا	تم لوگون مین پیغمبر اور بادشاہ پیدا کیے۔
وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا بَنِیْ اِسْرَائِيْلَ الْكِتٰبَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ	اور ہمنے بنی اسرائیل کو کتاب حکومت اور پیغمبری دی

ایک اور آیت مین ہے

فَقَدْ اٰتَيْنَا اٰلَ اِبْرَاهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا	سو ہمنے ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکومت دی اور انکو بہت بڑا ملک دیا

سب سے بڑھ کر یہ کہ امت محمدیہ کو اعمال صالحہ کے معاوضہ مین جس چیز کے عطا کرنے کا وعدہ ہوا وہ خلافت اور سلطنت تھی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ۔	خدانے ان لوگون سے جو ایمان لائے اور جنھون نے اچھے کام کیے یہ وعدہ کیا کہ ان کو خلافت دیگا۔

انسان کے اشرف المخلوقات ہونیکا جہان ذکر کیا اس کی دنیاوی ترقیون کا ذکر اس پیرایہ مین کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ترقیونکو انسان کے اشرف المخلوقات ہونے مین بڑا دخل ہے،

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا	اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی، اور ان کو خشکی وتری مین پہنچایا۔ اور انکو اچھے کھانے دیے اور انکو اپنی اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی،

ایک بہت بڑا قرینہ جس سے یہ پتہ لگ سکتا ہے کہ اسلام نے دولت و مال کا کیا درجہ قائم کیا ہے اس بات کا دریافت کرنا ہے کہ قرآن مجید مین خدانے مال و دولت کو کس لقب سے یاد کیا ہے

قرآنمجید مین مال و دولت کو کن الفاظ سے یاد کیا ہے

استقصا اور تفحص سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید نے ۲۵ جگہ مال کو خدا کا فضل کہا ہے ۲۱ جگہ اسکو خیر کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ۱۲ جگہ حسنہ کہا ہے، اور ۱۲ جگہ رحمت کا لقب دیا ہے

چنانچہ علامہ احمد بن محمد الرازی نے ان تمام مقامات کی آیتین بعینہا نقل کی ہین ہم نمونہ کے طور پر چند آیتون کو نقل کرتے ہین جن مین مال کو خیر کے لقب سے یاد کیا ہے،

وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِأَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ - قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ - وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ خَيْرٍ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا - إِنِّي أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي - وَأَنْفِقُوا خَيْرًا لِأَنْفُسِكُمْ - وَإِنَّهُ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيدٌ -

دنیاوی حظوظ کی دوسری قسم آل واولاد ہے، قرآن مجید مین ایک موقع پر خدا نے اپنے خاص بندون کے امتیازی اوصاف گنائے ہین، چنانچہ ان الفاظ سے ابتدا کی ہے،

وَعِبَادُ الرَّحْمَٰنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ -	اور وہ لوگ جو یہ کہتے ہین کہ اے پروردگار ہم کو ہماری بیویون اور اولاد سے آنکھ کی ٹھنڈک دے -

تیسری چیز شہرت اور نیکنامی ہے، اس کا احسان خدا نے خود آنحضرت صلعم پر رکھا اور فرمایا

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ -

اخیر مین یہ کہنا بھی ضرور ہے کہ قرآن مجید نے مختلف موقعون پر دولت و مال کی برائی بھی بیان کی ہے، لیکن جب دونون قسم کے موقعون کا موازنہ کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ جس دولت و مال کی برائی بیان کی ہے وہ وہ ہے کہ بے موقع اور بیجا صرف کی جائے اور اس کی برائی سے کس کو انکار ہوسکتا ہے،

تمت

ضمیمہ

مسئلۂ نبوت پر امام [illegible]

از مطالب عالیہ امام رازی

فصل اوّل جو لوگ نبوت کے قائل ہین انمین دو فرقے ہین، ایک کا یہ مذہب ہی کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے یعنی اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم دیکھین گے کہ اس کے پاس معجزہ ہی یا نہین؟ اگر ہی تو وہ سچا نبی ہے، اور جب اسطرح اسکی نبوت ثابت ہو جائے گی تو جس بات کو وہ حق کہے گا ہم حق سمجھین گے اور جسکو باطل کہے گا اسکو باطل، قدیم اور عام مذہب یہی ہی،

دوسرے فریق کا یہ مذہب ہے کہ پہلے ہمکو خود یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ حق اور باطل کیا ہی؟ اس کے بعد جب ہم کو یہ نظر آئے کہ ایک شخص حق کی طرف لوگون کو دعوت دیتا ہی اور اسکی دعوت مین یہ تاثیر ہے کہ لوگ باطل چھوڑ کر حق کی طرف آتے جاتے ہین تو ہم سمجھین گے کہ وہ سچا پیغمبر ہے، یہ طریقہ قریب العقل اور قلیل الشبہات ہی،

اس دوسرے طریقہ کو ہم تفصیل سے بیان کرتے ہین، لیکن پہلے مقدمات ذیل ذہن نشین کر لینے چاہئین،

(۱) انسان کا کمال یہ ہی کہ اسکی قوت نظری اور عملی دونون کامل ہون، قوت نظری کے کمال کے یہ معنی کہ حقائق اشیاء کا اسکو صحیح علم ہو یعنے اُس کے ذہن مین جس شے کا تصور آئے ٹھیک اصلی صورت مین آئے، قوت عملی کے کمال کے یہ معنی کہ نفس مین ایسا ملکہ پیدا ہو جائے کہ خود بخود اچھے کام سرزد ہون

(۲) دنیا مین تین طرح کے آدمی ہین ناقص[۱] یعنی جنکی قوت نظری اور عملی دونون ناقص ہی، یہ عوام الناس ہین، خود[۲] کامل ہین لیکن دوسرون کو کامل نہین کر سکتے یہ اولیاء اور صلحاء ہین، خود[۳] کامل ہین دوسرون کو بھی کامل کر سکتے ہین یہ انبیاء ہین،

(۳) قوت نظری اور عملی کے درجے بہ لحاظ نقصان و کمال و شدت و ضعف نہایت مختلف ہین
یہان تک کہ انکی کوئی حد نہین قرار پا سکتی۔
(۴) گو عموماً تمام لوگون مین نقصان پایا جاتا ہے، لیکن ضرور ہی کہ انہی مین کوئی ایسا کامل بھی ہو
جو نقصان سے مراحل دور ہو۔ اس کی تصدیق مختلف مثالون سے ہوتی ہے،
(۱) یہ ظاہر ہے کہ انسانون مین کمال اور نقصان کے درجے نہایت متفاوت ہین نقصان کے
مدارج بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہونچ جاتے ہین کہ بعض انسان عقل و ادراک مین بالکل جانورونسے
قریب ہو جاتے ہین، جب نقصان کی جانب یہ حالت ہی تو ضرور ہی کہ کمال کیجانب بھی یہی حالت ہو
یہان تک کہ انسانیت کی سرحد، ملکوتیت سے مل جائے۔
(۲) استقرار بھی اس کی شہادت دیتا ہی، اجسام عنصری کی تین قسمین ہین، معدن، نبات، حیوان
انہین سب سے افضل حیوان ہے، پھر نبات۔ پھر معدن۔ حیوان کے بھی بہت سے انواع ہین، ان
سب مین اشرف انسان ہی، اسی طرح انسان کے بھی بہت سے اصناف ہین مثلاً زنگی، ہندی، رومی،
شامی۔ فرنگی، ترک، ان سب مین جو لوگ ایشیا کے وسط حصہ مین سکونت رکھتے ہین وہ سب سے افضل ہین،
اس قیاس پر ضرور ہی کہ خود ان لوگون مین بھی کمال کا درجہ متفاوت ہو کر بڑھتا جائے یہانتک کہ ایک
ایسا شخص نکل آئے جو اپنے صنف مین بھی سب سے افضل ہو،
ہر دور مین ایک ایسا شخص ہوتا ہی جو اپنے زمانہ کا افضل الناس ہوتا ہی، صوفیہ اسی کو قطب کہتے ہین اور
سچ کہتے ہین کیونکہ جب اس عالم جسمانی کا بہترین حصہ انسان ہی جو قوت نظریہ کی وجہ سے عالم ملکوت
سے استفادہ کرتا ہی اور قوت عملیہ کی وجہ سے دنیا کا عمدہ سے عمدہ انتظام کر سکتا ہے تو عالم کا مقصود

اصلی، دراصل یہی انسان ہی اور جب یہ شخص (یعنی قطب) اور تمام انسانون سے بھی بڑھکر ہی تو گویا
اس تمام عالم عنصری کا حاصل یہی شخص ہے، اس بنا پر اس شخص کو عالم کا قطب کہنا بالکل صحیح ہی شیعہ
اسی کو امام معصوم، صاحب الزمان اور غائب عن العیان کہتے ہین، اور یہ کہنا انکا بجا ہی کیونکہ جب وہ نقائص سے
خالی ہی تو معصوم ہے اور جب اپنے دور کا مقصد اصلی ہے تو صاحب الزمان ہی اور چونکہ عام لوگ اسکے
کمال سے واقف نہین اسلیے گویا وہ غائب عن العیان ہے،
اسی قیاس پر ایک ایسا شخص بھی ہونا چاہیے جو سب فضلون سے بھی افضل ہو ایسا شخص سیکڑون ہزارون
برس مین کہین جا کر پیدا ہوتا ہے اور وہی پیغمبر برحق اور موجد شریعت ہوتا ہی ایسے اشخاص بھی ہوتے
ہین جو ان فضائل مین پیغمبر سے کم لیکن اور تمام لوگون سے زیادہ ہوتے ہین یہ امام اور قائم مقام پیغمبر
ہوتے ہین، امام کو پیغمبر سے وہ نسبت ہوتی ہی جو چاند کو آفتاب سے ہی امام سے جو کم رتبہ ہین انکو پیغمبر سے
وہ نسبت ہوتی ہی جو عام ستارون کو آفتاب سے ہے، باقی عوام الناس تو وہ حوادث یومیہ ہین
جو اجرام فلکی کی تاثیر سے وجود مین آتے ہین،
(۵) پیغمبر انسانیت کی اخیر سرحد پر ہوتا ہی اور یہ ثابت ہو چکا ہی کہ ہر نوع کی انتہا دوسرے
نوع کی ابتدا سے متصل ہے۔ اسلیے بشریت کی انتہا ملکوتیت کی ابتدا ہی اس بنا پر پیغمبر مین ملکوتی
صفات پائے جاتے ہین، وہ جسمانیات سے بے پروا ہوتا ہے، روحانیت اسپر غالب ہوتی ہی اسکی قوت
نظریہ کے آئینہ مین معارف آلہی مرتسم ہوتے ہین، اسکی قوت عملیہ عالم اجسام مین طرح طرح کے تصرفات
کر سکتی ہے اور اسی کا نام معجزہ ہی،
اوپر ثابت ہو چکا کہ نفوس ناطقہ مختلف الماہیتہ ہین، بعض کی قوت نظری نہایت کامل ہوتی ہی لیکن

قوت علمی ضعیف ہوتی ہے، بعض اسکے برعکس ہوتے ہین بعض کو دونون مین کمال ہوتا ہی اور یہ
شاذ ونادر ہے، بعض کی دونون قوتین ضعیف ہوتی ہین جیسا کہ عوام الناس کا حال ہے۔

جب یہ مقدمات ثابت ہوچکے تو سمجھنا چاہیے کہ روح کا مرض خدا سے اعراض اور دنیا مین انہماک ہی جو
شخص اس مرض کا طبیب ہوتا ہی یعنی لوگون کو خدا کی طرف توجہ دلاتا ہی اور دنیا سے ہٹاتا ہی وہی پیغمبر ہوتا ہے
اوپر یہ بیان ہوچکا ہی کہ اس صفت مین اختلاف مراتب ہوتا ہی اسلیے جس شخص مین یہ صفت درجہ کمال
پر پائی جائے گی وہ درجہ نبوت مین بھی کمال درجہ پر ہوگا، جس مین کم درجہ پر ہوگی اسکی نبوت کا درجہ
بھی نسبۃً کم ہوگا،

فصل دوم | قرآن مجید سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبوت کے ثابت کرنیکا یہی طریقہ افضل اور اکمل ہے،
چنانچہ ہم قرآن مجید کی بعض سورتین نقل کرکے اُنکی تفسیر کرتے ہین جس سے اس دعوی کی تصدیق ہوگی
سبح اسم ربک الاعلی الخ چونکہ الٰہیات اصل اور نبوت اسکی فرع ہی اسلیے قرآن مجید کا عام
طریقہ یہ ہے کہ پہلے الٰہیات کا بیان ہوتا ہے چنانچہ اس سورہ مین الٰہیات سے ابتدا کی، اور فرمایا کہ
اپنے خدا کی تسبیح پڑھ جو سب سے برتر ہے یعنی اسکو ممکنات سے کسیطرح کی مناسبت نہین کیونکہ تمام
ممکنات مادہ وصورت، یا جنس وفصل سے مرکب ہین اور اُن کی ذات یا صفات تغیر اور فنا کے
قابل ہین لیکن خدا ان تمام باتون سے برتر ہے،

قرآن مجید مین خدا کے ثبوت کی جسقدر دلیلین مذکور ہین سب کا مدار صفات کے حدوث پر ہی (امام
رازی کا یہ دعوی جو درحقیقت اشاعرہ کی آواز بازگشت ہے ہمارے نزدیک صحیح نہین خدا کا ثبوت
صفات کے حدوث پر مبنی نہین)

الذی خلق فسوّیٰ (وہ خدا جسنے بنایا اور ٹھیک بنایا) اس سے جسم کے عجائبات مراد ہین۔

والذی قدّر فھدیٰ (وہ خدا جسنے اندازہ کیا اور راہ دکھائی) اس سے روح کیطرف اشارہ ہی،

والذی اخرج المرعیٰ (اور وہ خدا جسنے چارہ پیدا کیا) اس سے نباتات کیطرف اشارہ ہی حاصل یہ

جماد۔ نبات، حیوان، روح سب خدا کے ثبوت کے دلائل ہین،

آیات کا ذکر ہوچکا تو نبوات کا بیان کیا، اوپر بیان ہوچکا کہ انبیا کا کمال چار چیزون مین ہے قوت نظری، قوت عملی، دوسرونکی قوت نظری کی تکمیل، دوسرونکی قوت عملی کی تکمیل چنانچہ ان چارون کو بہ ترتیب بیان کیا،

سنقرئک فلا تنسیٰ (ہم تجکو پڑھا دین گے کہ پھر تو نہ بھولیگا) یہ قوت نظری کے کمال کا بیان ہے یعنی اے پیغمبر تجکو نفس قدسی عطا کیا گیا ہے جو غلطی اور نسیان سے محفوظ ہے، البتہ اقتضائے بشریت اس سے مستثنے ہے،

ونیسرک للیسریٰ (اور ہم تجکو آہستہ آہستہ لائین گے آسانی کیطرف) اس سے قوت عملی کے کمال کیطرف اشارہ ہی، یعنی تجھ مین ایسا ملکہ پیدا کرینگے کہ خود بخود تجھ سے وہ کام سرزد ہونگے جو سعادت اور راحت دارین کا سبب ہین ؛

فذکر ان نفعت الذکریٰ (تو لوگونکو سمجھا، اگر سمجھانا مفید ہو) اس سے ناقصون کی اصلاح کی طرف اشارہ ہی کیونکہ سمجھانے سے یہی مراد ہے کہ ناقصونکی اصلاح کیجائے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ ہر شخص مین اصلاح کی قابلیت نہین کیونکہ نفوس انسانی کے مدارج مختلف ہین بعضونکو سمجھانے سے فائدہ پہنچتا ہی بعضونکو نہین بعضونکو فائدہ کے بجائے الٹا نقصان ہوتا ہی کیونکہ سمجھانیسے اُنکے حسد، غیظ، غضب اور بڑھ جاتے ہین

اور ترقی ہوتی ہے؛

اس کے بعد خدا نے دونون قسم کے آدمیونکی خاصیتین بیان کین چنانچہ فرمایا۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى (وہ قبول کریگا جس کو خدا کا ڈر ہے یعنی جن لوگون مین اصلاح کی قابلیت ہوتی ہے ان کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ خوف الٰہی ہر وقت اُنپر چھایا ہوا ہوتا ہے،

وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى (اور نصیحت سے وہ بدبخت دور رہتا ہی جو بڑی آگ مین داخل ہونیوالا ہے) یعنی جو بدبخت ہین وہ نصیحت سے متنفر ہوتے ہین اور اسوجہ سے دنیا مین بھی مبتلاے مصیبت رہتے ہین اور آخرت مین بھی،

ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى (پھر یہ بدبخت نہ مریگا نہ جیے گا) نہ مرنا اسلیے کہ انسان مرنے سے درصل نہین مرتا کیونکہ روح زندہ رہتی ہے، نہ زندہ رہنا اسلیے کہ ایسا جینا گویا جینا نہین؛

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (وہ کامیاب رہا جسنے نفس کا تزکیہ کیا) انبیا کی تعلیم کا دو مقصد ہوتا ہی شر کا مٹانا اور خیر کی تعلیم دینا، مَنْ تَزَكّٰى سے پہلے مقصد کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تزکیہ کے معنی اخلاق ذمیمہ کے زائل کرنے کے ہین۔

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (اور خدا کو یاد کیا اور نماز ادا کی) اس آیت مین تعلیم خیر یعنی علم وعمل کی تکمیل کا بیان ہے کیونکہ راس العلم خدا کی معرفت اور راس العبادات نماز ہے،

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا (بلکہ یہ لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہین) یعنی لوگ انبیا کی تعلیم سے اعراض کرتے ہین اسکی وجہ یہ ہوتی ہو کہ انپر دنیا کی محبت غالب ہوتی ہے،

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى (اور آخرت زیادہ بہتر اور پایدار ہی) آخرت کی ترجیح دو طرح پر ثابت کی ایک یہ کہ

روحانی لذت، جسمانی لذت پر مقدم ہے، دوسرے یہ کہ آخرت کی لذتین بڑی اور دائمی ہین
حاصل یہ کہ آیات مذکورہ مین چار چیزونکا بیان ہی خدا کی ذات و صفات نبوت کے اوصاف
سعید و شقی کی تقسیم اور دونون کا انجام، دنیا پر عقبیٰ کی ترجیح، اور یہی چار چیزین ہین جو علم و عمل کی
بنیاد ہین پھر فرمایا اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُولیٰ (یہ بات پہلی صحیفون مین بھی ہی) یعنی جسقدر انبیا گذرے سب کی
تعلیم کا مقصد یہی چار چیزین ہین۔
اسی طرح سورہ والعصر مین بھی انہی چیزونکا بیان ہوا ہے چنانچہ ہم اسکی بھی تفسیر بیان کرتے ہین۔
اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (بے شبہہ انسان نقصان مین ہی) پہلے ہم بیان کر چکے ہین کہ انسان مین ۹۰ مختلف
قوتین ہین دس حواس ظاہری و باطنی دو شہوت و غضب سات نباتی قوتین اور یہی وہ ۹۰ ہجو کید اہین جو جہنم
کے دوزخ پر متعین ہین، یہ قوتین سب کی سب انسان کو دنیا کی طرف کھینچتی ہین صرف ایک عقل روکنا
چاہتی ہی لیکن اوس کی قوت اِن سب کے مقابلہ مین ضعیف ہے، اس سے ثابت ہوا کہ تمام انسان معرض خطر
مین ہین صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہین جنکے پاس روحانی تریاق ہی یہ تریاق چار چیزون سے مرکب ہے
پہلا قوت نظریہ کا کمال اسکو ان لفظون مین بیان کیا،
اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (مگر وہ لوگ جو ایمان لائے) دوسرا قوت علمی کا کمال چنانچہ اس آیت مین اسکی طرف
اشارہ ہی وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (اور وہ لوگ جنھون نے اچھے کام کیے) تیسرا لوگونکی قوت نظری کی تکمیل اس آیت مین
بیان کی وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ[1] چوتھا قوت علمی کی تکمیل چنانچہ فرمایا۔
وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ[2] یہان یہ شبہہ ہو سکتا ہی کہ اس آیت مین صرف صبر کا ذکر ہے اور محض صبر سے

[1] ترجمہ، اور لوگون کو نصیحت کی سچائی کی [2] ترجمہ، اور لوگونکو نصیحت کی صبر کی،

قوت عملی کی تکمیل کیونکر ہوسکتی ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ جسقدر برائیان ہین دو چیزون کے تابع ہین شہوت اور غضب، شہوت ہر قسم کی بدکاریون کا سبب ہے، اور غضب خونریزی اور سفاکی کا، اسی بنا پر جب خدا نے آدم کو پیدا کرنا چاہا تو فرشتون نے کہا،

اَتَجۡعَلُ فِیۡہَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡہَا وَیَسۡفِکُ الدِّمَآءَ (کیا تو ایسے شخص کو پیدا کرنا چاہتا ہی جو خونریزی اور فساد کریگا) تو جب انسان شہوت اور غضب کے روکنے پر قادر ہوگا اور اسی کا نام صبر ہی تو قوت عملی کی جس قدر خوبیان ہین سب خودبخود اس کو حاصل ہونگی،

بہت سی آیتون سے اسکی تائید ہوتی ہی کہ نبوت کے لیے صرف انہی اوصاف چہارگانہ کا پایا جانا کافی ہے معجزہ کی ضرورت نہین، چنانچہ کفار نے جب رسول اللہ صلعم سے معجزات طلب کیے اور کہا کہ ہم تم پر اسوقت تک ایمان نہ لائین گے جب تک تم زمین سے چشمہ نہ جاری کردو تو خدا نے فرمایا

قُلۡ سُبۡحَانَ رَبِّیۡ ہَلۡ کُنۡتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوۡلًا (اے محمد کہدے کہ سبحان اللہ مین تو صرف آدمی ہون اور پیغمبر ہون) یعنی پیغمبری کے لیے ان باتون پر قادر ہونا ضرور نہین بلکہ صرف قوت نظری اور عملی کا کمال کافی ہے،

اسی سورۂ شعرا مین جب خدا نے کہا کہ قرآن مجید خدا کا کلام اور شیطان کا کلام نہین، تو ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ مین تم کو بتاؤن کہ شیطان کس شخص کے پاس آتے ہین،

تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیۡمٍ (وہ جھوٹون اور گنہگارون کے پاس آتے ہین) یعنی اگر یہ کلام شیطان کی طرف سے ہوتا تو شیطان چونکہ جھوٹ اور بدکاری کی تعلیم دیتا ہے اس لیے ضرور تھا کہ اس کلام کا پیش کرنیوالا خود بھی جھوٹا اور بدکار ہوتا اور اسی کی تعلیم بھی دیتا حالانکہ محمد تو ترک دینا

اور توجہ الی اللہ کی تعلیم دیتے ہین اس آیت مین رسول اللہ کی نبوت پر جو استدلال کیا گیا صرف اس بنا پر کہ وہ ترک دنیا اور توجہ الی اللہ کی تعلیم دیتے ہین اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کے لیے اسی قدر کافی ہے معجزہ کی ضرورت نہین۔

کفار یہ بھی کہتے تھے کہ محمد شاعر ہین اور ہر شاعر کے پاس ایک شیطان ہوتا ہی اسکو شاعری مین مدد دیتا ہے خدا نے اسکے جواب مین فرمایا کہ شعرا ہر کوچہ مین سر مارتے پھرتے ہین یعنی وہ لذات دنیوی کا ذکر کرتے ہین اور اسی کی ترغیب دلاتے ہین اور رسول اللہ خدا پرستی کی تعلیم دیتے ہین اسلیے شیطان انکا شریک اور معین نہین ہوسکتا، ان تمام آیتون سے ثابت ہوا کہ نبوت کے اثبات کا یہ طرز اعلی اور افضل ہے

فصل سوم | پیغمبر کی دعوت کا طریقہ،

نبوت کا اصلی مقصد لوگون کو دنیا سے اعراض اور عاقبت کی طرف توجہ کرنیکی تعلیم دینی ہی لیکن چونکہ انسان کو دنیاوی تعلقات سے گریز نہین اس لیے پیغمبر کو دنیوی معاملات پر بھی متوجہ ہونا پڑتا ہے،

مذہبی تعلیم کے متعلق جو پیغمبر کا فرض ہی اس کے مہمات اصول تین ہین،

(۱) یہ بتانا کہ عالم حادث ہی اور اسکا ایک صانع ہے جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہیگا جسکو ممکنات سے کسی طرح کی مشابہت نہین، جو کمال کے تمام اوصاف کا جامع ہی جس کی قدرت تمام ممکنات مین ساری ہی جسکا علم تمام اشیاء پر محیط ہے، جو واحد اور یکتا ہے یعنی نہ اُسکے اجزا ہین نہ اسکا کوئی شریک ہے، نہ مقابل ہے، نہ اسکی بیوی ہے، نہ بچے ہین، اسکے بعد یہ بتانا کہ عالم مین جو کچھ ہوتا ہی خدا کے حکم اور ارادہ سے ہوتا ہے، اور یہ کہ خدا ظلم اور ہر زہ کاری سے بالکل مبرا ہے، لیکن ان امور کی تعلیم کے لیے پیغمبر حسب ذیل طریقے اختیار کرتا ہے،

(۱) ان عقائد کی تعلیم مناظرہ اور مباحثہ کے طریقہ پر نہین دیتا، کیونکہ اس طریقہ سے اعتراضات کا
راستہ کھلتا ہے، اور پیغمبر اگر ان اعتراضات کے جواب مین مشغول ہو تو یہ سلسلہ بڑھتا جائے، اور اصل
مقصد رہ جائے، اس لیے پیغمبر دلائل کو خطابیات کے پیرایہ مین ادا کرتا ہے جن مین ترغیب اور ترہیب
بھی شامل ہوتی ہے، ترغیب و ترہیب کی وجہ سے دل مرعوب ہو جاتا ہے اور چون و چرا کی مجال نہین
رہتی اور چونکہ فی نفسہ بھی وہ دلائل قوی ہوتے ہین، اسلیے ارباب نظر کو بھی اسکے قبول سے چارہ نہین ہوتا
(۲) پیغمبر تنزیہ محض کی تعلیم نہین دیتا، کیونکہ تنزیہ محض عام لوگونکے خیال مین نہین آسکتی بلکہ
وہ پہلے یہ بتاتا ہے کہ خدا ممکنات کی مشابہت سے منزہ ہے جیسا کہ قرآن مجید مین ہے،
لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ پھر یہ بتاتا ہے کہ خدا تمام مخلوقات پر غالب ہے تمام اچھی
باتین اسی تک منتہی ہوتی ہین وہ عرش پر قائم ہے لیکن ان پیچیدہ عقائد کے متعلق لوگونکو غور اور
فکر سے بالکل روکتا ہے، ہان کوئی صاحب بصیرت ہو تو مضائقہ نہین، پھر بتاتا ہے کہ انسان فاعل
مختار ہے جس کام کو چاہے کر سکتا ہے، جسکو نہ چاہے چھوڑ سکتا ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی تلقین کرتا
ہے کہ گو انسان کو خدا نے ہر طرح کا اختیار دیا ہے تاہم جو کچھ ہوتا ہے خدا کے حکم سے ہوتا ہے، ایک ذرہ اُسکے
حکم کے بغیر حرکت نہین کر سکتا،
یہ دونون خیال اگرچہ بظاہر متناقض ہین لیکن وہ ان کو اسی طرح رہنے دیتا ہے اور لوگون کو
انپر غور و فکر کرنے سے روکتا ہے،
چنانچہ جناب رسالتؐ پناہ نے تعلیم کا یہی طریقہ اختیار کیا اور یہی طریقہ تمام طریقون سے بہتر ہے،
آپ نے سب سے پہلے خدا کی تنزیہ نہایت زور کے ساتھ بیان کی اور یہ آیتین پیش کین،

واللہ الغنی وانتم الفقرآء یعنے خدا بے نیاز ہے اور تم لوگ محتاج ہو۔ اس آیت سے خدا کا ہر چیز سے منزہ ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب غنی ہو گا تو اسکو کسی چیز کی حاجت نہ ہو گی اور جب کسی چیز کی حاجت نہو گی تو وہ مرکب ہو گا نہ متحیز ورنہ اگر مرکب یا متحیز ہو تو اسکو اجزا یا مکان کی حاجت ہو گی لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (اسکے مثل کوئی چیز نہیں) اس سے ثابت ہے کہ خدا جسمانی نہین ورنہ اجسام کے مشابہ ہوتا۔ اسکے ساتھ خدا کے وجود کو بار بار بڑی تاکید کے ساتھ بیان کیا، اس لیے ضرور تھا کہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو لوگ سمجھتے کہ جب خدا نہ جسم ہے، نہ کسی مکان مین ہے، نہ جہت مین ہی، تو سرے سے ہو ہی گا نہین۔ پھر آنحضرتؐ نے یہ بیان کیا کہ خدا تمام معلومات کا عالم ہی،

وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَآ اِلَّا ھُوَ۔ اَللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثیٰ وَمَا تَغِیْضُ الْاَرْحَامُ

لیکن اس سے کچھ بحث نہین کی کہ علم کی یہ صفت عین ذات ہی یا غیر، پھر فرمایا کہ انسان فاعل ہے، صانع ہی، خالق ہے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ خیر و شر جو کچھ ہوتا ہے سب خدا کی طرف سے ہوتا ہے ان دونون باتون مین بظاہر جو تناقض معلوم ہوتا ہی اسکی طرف کچھ توجہ نہین کی بلکہ صرف یہ حکم دیا کہ انپر اجمالی ایمان لاؤ،

غرض آنحضرتؐ کی تعلیم کا اصل اصول یہ ہے کہ خدا کو ہر طرح منزہ مانا جائے اور اُس کے متعلق کچھ غور نہ کیا جائے کہ اس سے تناقض لازم آتا ہے، اس مین راز یہ ہے کہ اگر یہ مانا جائے کہ انسان اپنے بُرے افعال کا آپ خالق ہے تو خدا ظلم کے الزام سے بچ جاتا ہی لیکن اس کی قدرت کی وسعت تنگ ہو جاتی ہے، اور اگر یہ کہا جائے کہ افعال بد کا خالق بھی خدا ہی ہی تو گو قدرت کی وسعت ثابت ہوتی ہی لیکن خدا پر ظلم کا الزام آتا ہے، اس لیے آنحضرتؐ نے یہ تعلیم کی کہ خدا کو

تمام افعال کا خالق بھی مانا جائے اور ظلم اور جور سے بری بھی مانا جائے[1]

دوسرا اصول انبیاء کی تعلیم کا یہ ہے کہ انسان کو تین طرح سے خدا کی عبادت کرنی چاہیئے دل سے[2] اعضا سے مال سے[3]، پہلی قسم کی عبادت معارف اور اعتقادات ہین، دوسری نماز روزہ وغیرہ تیسری زکوٰۃ وغیرہ، تیسرا اصول قیامت اور واقعات قیامت پر ایمان لانا،

یہ تین چیزین انبیاء کی تعلیم کا اصل الاصول ہین،

مہمات دین کی دو قسمین ہین، امور حسنہ کی تحصیل[1] امور قبیحہ کا ازالہ، دوسری قسم پہلی پر مقدم ہی کیونکہ ایک لوح پر اگر کوئی غلط تحریر ہو تو پہلے اس کے مٹانے کی ضرورت ہوگی، اس بنا پر سورۂ بقر مین فرائض مذہبی کے جو مراتب ہفتگانہ مذکور ہین ان مین سے پہلے تقویٰ کا ذکر ہی، هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کیونکہ اتقا امور قبیحہ سے بچنے کو کہتے ہین، باقی مراتب مین یہ ترتیب ہے، کہ روح کا

---

[1] امام رازی کی یہ تقریر اگرچہ بظاہر نہایت لغو اور دور از کار معلوم ہوتی ہے، وہ ایسی تعلیم کی عمدگی ثابت کرتے ہین جو بالکل متناقض اور ضد یکدگر ہے، باقی یہ حکم کہ اس تناقض پر غور نہ کرو، کہان تک تعمیل کے قابل ہے، غور اور فکر سے باز رہنا انسان کی اختیاری چیز نہین، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام رازی نے انسان کی فطرت کو خوب سمجھا ہے، خود دیکھتے ہین کہ ہزارون لاکھون آدمی خدا کی نسبت یہ تسلیم کرتے ہین کہ وہ تمام چیزون کا خالق ہی کوئی چیز اسکے حکم اور مرضی کے بغیر وجود مین نہین آسکتی، ایک پتہ اسکے اشارہ کے بغیر ہل نہین سکتا باوجود اسکے یہ بھی مانتے ہین کہ خدا عادل ہے، منصف ہے، رحیم ہے، فیاض ہے، تو جب ایسے متناقض خیالون کو لوگ تسلیم کرتے ہین اور انکو خیال تک نہین آتا کہ یہ دونون اعتقاد باہم متناقض ہین تو اگر اسکی تعلیم دیجائے تو کیا اعتراض کی بات ہے، اسمین بھی شبہ نہین کہ اس مسئلہ مین ایک خاص پہلو اختیار کرنیسے یا جبر محض ہوجاتا ہی یا خدا کی عظمت و شان کا پورا اثر اسکے دل پر نہین رہتا، اسلیے یہی جامع الاضداد طریقہ فطرت انسانی کے مناسب ہے لیکن میرے دل سے پوچھو تو مین انسان کو فاعل بااختیار مانتا ہون اور اس سے خدا کی عظمت و شان مین کچھ فرق نہین آتا،

مرتبہ جسم سے مقدم ہے اور جسم کا مرتبہ مال سے اسلیے پہلے۔

یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ فرمایا کیونکہ ایمان اور اعتقاد لانا روح سے متعلق ہے، پھر نماز کا ذکر کیا،

یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ کیونکہ نماز جسمانی اعمال مین داخل ہے، پھر زکوٰۃ کا بیان کیا،

وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کیونکہ زکوٰۃ مال سے متعلق ہے، یہ چارون امور آلہیات سے متعلق تھے،

انکا بیان ہو چکا، تو نبوت کے متعلقات بیان کیے چنانچہ فرمایا۔

وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ اس مین آنحضرتؐ پر ایمان لانیکا ذکر ہے، پھر فرمایا،

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ یعنی انبیاے سابقین پر ایمان لانا بھی مشروط ہی جب الٰہیات اور نبوات کا

بیان ہو چکا اور ماضی حال مستقبل تینون زمانہ کے متعلق جو فرائض ہین انکی تفصیل ہو چکی تو فرمایا،

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (یہی لوگ خدا کی طرف سے ہدایت پر ہین اور

یہی لوگ کامیاب ہین) مقصد یہ کہ جب تک آدمی دنیا مین ہے مسافر ہی اور مسافر کے لیے ضرور

ہے کہ راستہ کے علامات اور حالات معلوم ہون اس بنا پر ان لوگونکی شان مین جو فرائض مذکورہ پر کاربند

ہین فرمایا کہ یہ لوگ راستہ سے واقف ہین، اور یہی لوگ مرنے کے بعد کامیاب بھی ہونگے یعنی

منزل مقصود تک پہونچ جائین گے۔

(اس تقریر کے بعد امام صاحب کہتے ہین کہ دعوت اسلام کا یہ طریقہ بہترین طرق ہی، اور اگر مین

شریعت اسلامی کے نکات اور لطائف کی تفصیل بیان کرون تو ایک دفتر ہو جائیگا اس لیے

اختصار پر قناعت کرتا ہون،)

فصل چہارم | اس امر کے بیان مین کہ آنحضرتؐ افضل الانبیا ہین۔

اوپر بیان ہو چکا کہ پیغمبر وہ ہوتا ہے جو نفوس انسانی کا علاج کرتا ہی، اس بناپر جس شخص مین یہ وصف زیادہ کمال کے ساتھ پایا جائے گا، اسی قدر وہ پیغمبری مین بھی کامل ہوگا، اب انبیاے سابقین کے حالات پر غور کرو، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کا اثر بنو اسرائیل تک محدود رہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم قریبًا بالکل بے اثر رہی، جو لوگ آج عیسائیت کے مدعی ہین وہ تثلیث کے قائل ہین، اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ نے تثلیث کی تعلیم نہین دی تھی، اس بناپر جو لوگ عیسائی کہلاتے ہین وہ بھی درحقیقت عیسائی نہین، اب رسول اللہ صلعم کی نبوت پر غور کرو،

آنحضرتؐ سے پہلے تمام عالم گمراہی مین مبتلا تھا، بت پرست پتھر پوجتے تھے، یہود خدا کو مجسم مانتے تھے مجوسی دو خدا مانتے، اور ماؤن اور بیٹون سے نکاح کرتے تھے، عیسائی تثلیث کے قائل تھے، صابئین ستارہ پرست تھے، اس لحاظ سے تمام عالم گمراہ اور برگشتہ تھا، آنحضرتؐ کا پیدا ہونا تھا کہ تمام ادیان باطلہ غبار بنکر اڑ گئے، اور آفتاب توحید کی روشنی تمام دنیا مین پھیل گئی۔ اس سے علانیہ ثابت ہی کہ آنحضرتؐ کی دعوت اور ہدایت کا اثر تمام انبیاے سابقین سے بڑھکر تھا، اس لیے آپ نبوت کے اعتبار سے تمام انبیا سے اعلیٰ اور افضل ہین۔ آنحضرتؐ کے افضل الانبیا ہونے کی یہ دلیل لمّی دلیل ہی یعنے پہلے نبوت کی حقیقت بیان کی گئی پھر یہ ثابت کیا گیا کہ یہ وصف جس کمال کے درجہ پر آپکی ذات مین تھا اور کسی پیغمبر مین نہ تھا۔

فصل پنجم اس بیان مین کہ نبوت کی صحت پر اس طریقہ سے استدلال کرنا زیادہ قوی ہی بہ نسبت اسکے کہ معجزات سے استدلال کیا جائے،

معجزہ سے نبوت پر استدلال کرنا برہان اِنی ہے یعنی اثر سے موثر پر استدلال کرنا ہی، اور جو طریقہ

ہم نے ابھی بیان کیا، یہ برہان لمی ہے جس سے اصل نبوت کی حقیقت بھی ظاہر ہوجاتی ہے، اس استدلال کا ماحصل یہ ہے کہ آنحضرتؐ امراض روحانی کے طبیب ہیں، اور امراض روحانی کے طبیب ہی کو پیغمبر کہتے ہیں۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوگا کہ آنحضرتؐ کا منطق و فلسفہ و ہندسہ و طب وغیرہ سے واقف ہونا ضرور نہیں بلکہ یہ چیزیں استغراق اور توجہ الی اللہ میں خلل انداز ہوتی ہیں، اس تقریر سے وہ تمام اعتراضات جو نبوت پر وارد ہوتے ہیں اور جنکا ذکر اوپر گذر چکا خود بخود اُٹھ جاتے ہیں مثلاً یہ اعتراض کہ ہر پیغمبر انبیاے سابقین کی شریعت کو منسوخ کردیتا ہے اور یہ بالکل لغویات ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ شریعت کے دو حصے ہیں، عقلی، اور وضعی عقلی میں نسخ نہیں ہوتا کیونکہ وہ صرف خدا کی تقدیس، اور خلق اللہ کی خیرخواہی کا نام ہے اور یہ نسخ کے قابل نہیں، اسی بنا پر قرآن مجید میں آیا ہے کہ۔

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۭ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ آؤ ہم تم ایک ایسی بات پر متفق ہوجائیں جو ہم دونوں کے نزدیک مسلم ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجیں۔

شریعت کا دوسرا حصہ یعنی احکام اور قانون، یہ البتہ نسخ کے قابل ہے اور اسمیں مصلحت یہ ہے کہ انسان جب کسی کام کو ایک مدت سے کرتا آتا ہے تو پھر اس میں اثر باقی نہیں رہتا، وہ اس کام کو بربنائے عادت کرنے لگتا ہے، نہ بربنائے رغبت و شوق، اس لیے نسخ کے ذریعہ سے ایک جدت آجاتی ہے اور لوگ اس کام کو شوق اور رغبت سے کرنے لگتے ہیں، باقی یہ اعتراض کہ شریعتون میں جو تھوڑا سا اول بدل ہوتا ہے اسکے لیے قتل و خونریزی کا جائز رکھنا پسندیدہ نہیں تو اسکا جواب یہ ہے کہ جزئیات میں اگر ایسا نہ کیا جائے تو کلیات کو بھی لوگ نہ مانیں گے (لیکن میرے نزدیک

شریعت اسلامی مین حفاظت خود اختیاری کے سوا، کسی حالت مین قتل و رخونریزی کی اجازت ہی نہین۔ شبلی نعمانی

سب سے اخیر اعتراض یہ تھا کہ قرآن مجید مین تشبیہ کے الفاظ بہت وارد ہین جن سے خدا کا جسمانی اور مکانی ہونا ثابت ہوتا ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ تنزیہ محض، عام لوگون کے خیال مین آ ہی نہین سکتی تھی اس لیے بین بین کا طریقہ اختیار کیا گیا۔

بحث نبوّت پر امام غزالی کی تقریر کا خلاصہ

از معارج القدس غزالی

نبوت اور رسالت

اس مسئلہ مین امور ذیل سے بحث ہے،

۱- کیا نبوت کی حد اور حقیقت بیان کی جا سکتی ہے؟

۲- نبوت کوئی اکتسابی چیز ہے یا الہامی؟

۳- نبوت پر استدلال

۴- نبوت کے خواص جنکو معجزات کہتے ہین۔

۵- تبلیغ نبوت کی کیفیت۔

پہلی بحث

نبوت کے مفہوم سمجھنے کے لیے یہ ضرور نہین کہ اسکی حدّ تام بیان کی جائے، سیکڑون ہزارون چیزین ہین جن کی جنس وفصل، حدّ اور حقیقت ہمکو معلوم نہین، باوجود اس کے ہم اسکے مفہوم کو سمجھتے اور جانتے ہین، اس سے معلوم ہوا کہ کسی شے کا جاننا، حد تام، یا جنس وفصل کے جاننے پر موقوف نہین، عقل، روح، اور غیر مادی اشیاء کا تصور ہم کرتے ہین اور اُنکی حقیقت کو بالکل نہین جانتے،

فرض کرو کہ کوئی شخص اگر خود کسی پیغمبر سے نبوت کی ماہیت اور اسکی جنس و فصل پوچھتا، تو کیا پیغمبر نبوت کی حد و رسم کے بتانے مین مشغول ہوتا؟ اور کیا اگر پیغمبر ایسا نہ کرتا تو اس شخص کو یہ حق ہوتا کہ جبتک پیغمبر، نبوت کی حد تام نہ بتائے وہ ایمان نہ لائے،

نبوت ایک وصف ہی جو انسانیت سے بالاتر ہے، جس طرح انسانیت حیوانیت سے بالاتر ہے انسان حیوانات کو مسخر کرتا ہے، لیکن حیوانات یہ عذر نہین پیش کر سکتے کہ جب تک ہکو انسان کی حقیقت اور ماہیت نہ بتائی جائے ہم انسان کی اطاعت نہ کرین گے۔ عام انسان اور پیغمبر مین بھی یہی نسبت ہے، فرعون نے حضرت موسیٰ سے، بار بار خدا کی ماہیت اور حقیقت پوچھی لیکن حضرت موسیٰ نے حقیقت کچھ نہین بتائی بلکہ صرف اسکی قدرت کے آثار بتائے جسکی وجہ یہ تھی کہ خدا کی حد و حقیقت بتائی نہین جا سکتی اور خدا پر ایمان لانے کے لیے حد و حقیقت کا معلوم ہونا ضروری نہین۔

دوسری بحث | نبوت کوئی اکتسابی چیز نہین بلکہ خدا جس شخص مین یہ قابلیت پیدا کرتا ہو وہی نبی ہوتا ہے، قرآن مجید مین ہے،

اَللّٰہُ یَعلَمُ حَیثُ یَجعَلُ رِسَالَتَہٗ یعنے خدا ہی جانتا ہے کہ پیغمبری کے لیے کسکو انتخاب کرے البتہ ریاضت فکر، مجاہدہ لوازم نبوت سے ہین جن کی وجہ سے نبی، وحی کے قابل ہوتا ہی، اسکی یہ مثال ہی کہ انسان کا انسان ہونا کوئی اکتسابی چیز نہین، باین ہمہ انسان سے جو افعال سرزد ہوتے ہین انمین کسب اور مجاہدہ کو دخل ہوتا ہے اسی طرح نبوت گو کوئی اکتسابی چیز نہین لیکن نبی عبادت اور مجاہدہ کرتا ہے تب اسپر نبوت کے آثار مرتب ہوتے ہین اسی بنا پر آنحضرت ؐ عبادت کرتے تھے کہ آپ کے پاؤن پر ورم آجاتا تھا؛

نبی فطرۃً معتدل مزاج اور پاکیزہ صورت ہوتا ہی، اسکی اُٹھان اور تربیت عمدہ ہوتی ہی اسمین شریفانہ اخلاق پائے جاتے ہین، اسکے چہرہ سے نور ٹپکتا ہے، حلم۔ وقار۔ تواضع، راست گوئی دیانتداری، اسکی فطرت ہوتی ہے، وہ ہر قسم کی رذائل اور دنی باتون سے بری ہوتا ہی، عفو، احسان، صلہ، رحم، حفظ غیب، حسن جوار، اعانت مظلوم، یہ تمام اوصاف اسمین بالطبع پائے جاتے ہین، وہ بالطبع اچھی باتون کو پسند اور بُری باتون سے نفرت کرتا ہی، وہ مغرور۔ جابر۔ درشت خو اور کج خلق نہین ہوتا چپ رہتا ہے تو لوگون پر اسکا رعب چھاجاتا ہی، بات کرتا ہی تو اسپر کوئی گرفت نہین کرسکتا، اسکی حرکت وسکون دونومین سنجیدگی پائی جاتی ہے، تمام لوگ طوعًا اور کرہًا اسکے سامنے سر جھکادیتے ہین

تیسری بحث | نبوت کا ثبوت

نبوت کے ثبوت کے دو طریقے ہین اجمالی و تفصیلی چنانچہ ہم دونون کو الگ الگ بیان کرتے ہین،

یہ امر بدیہی ہی کہ انسان کو جو چیز تمام حیوانات سے الگ کرتی ہی وہ نفس ناطقہ ہی، یہی چیز ہے جسکی بدولت انسان حیوانات سے فائق ہے، انکو مسخر کرتا ہے، انپر ہر طرح کا تصرف کرتا ہے، اسی طرح انبیا مین ایک خاص عقل ہوتی ہی جس کی وجہ سے وہ تمام انسانون سے ممتاز نظر آتے ہین، تمام انسان انکے محکوم اور تحت التصرف ہوتے ہین اور جس طرح انسان کے افعال و حرکات حیوانات کے لیے معجزہ ہین یعنی حیوان کبھی انسان کی قوت فکری اور عقلی کا ہمسر نہین ہوسکتا اسیطرح انبیا سے جو افعال سرزد ہوتے ہین۔ وہ عام انسانون کے لیے معجزہ ہوتے ہین یعنی اور لوگون سے وہ افعال سرزد نہین ہوسکتے،

جس طرح نبی کی عقل اورون سے ممتاز ہوتی ہی اسیطرح اسکا نفس اسکی طبیعت، اسکا مزاج بھی

تمام لوگون سے ممتاز اور نفوس ملکی کے مشابہ ہوتا ہے،

جسطرح ہر حیوان انسان نہین ہو سکتا، اسی طرح ہر آدمی نبی نہین ہو سکتا، خدا ہی جانتا ہی کہ کس شخص مین نبی ہونے کی قابلیت ہی اور کس مین نہین ؟ خدا جس شخص کو نبوت کے لیے انتخاب کرتا ہی اسکی عقل اسکی طبیعت اسکا مزاج بھی منتخب ہوتا ہی یعنے اور لوگون کی عقل، مزاج، اور طبیعت سے اسکو کچھ نسبت نہین ہوتی، وہ صورۃً انسانون کے مشابہ ہوتا ہے لیکن معنًی سب سے الگ تھلگ ہی، وہ بشر ہوتا ہے لیکن اسکی بشریت وحی کے قابل ہوتی ہی، قرآنمجید کی اس آیت مین قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ مین انہی دونون باتون کی طرف اشارہ ہے،

تفصیلی ثبوت کے تین طریقے ہین،

پہلا طریقہ انسان مین تین قسم کی قوتین پائی جاتی ہین **فکری۔ قولی۔ عملی**، ان قوتون سے جو افعال سرزد ہوتے ہین وہ اچھے بھی ہوتے ہین اور برے بھی، ان دو متضاد حالتون کے لحاظ سے ہر ایک کا الگ نام ہوتا ہے، فکر کو حق و باطل سے موسوم کرتے ہین، قول کو صادق و کاذب کہتے ہین عمل کو خیر و شر سے تعبیر کرتے ہین،

یہ امر ظاہر ہی کہ تمام افعال قابل عمل نہین ہین اور نہ سب قابل ترک، بلکہ بعض قابل عمل ہین اور بعض قابل ترک،

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ قابل عمل و قابل ترک کی تمیز آیا ہر شخص کر سکتا ہی، یا کوئی نہین کر سکتا، یا بعض کر سکتے ہین اور بعض نہین پہلے دونون احتمال بداہۃً باطل ہین، اسلیے صرف تیسرا احتمال باقی رہا یعنی بعض انسان ایسے ہوتے ہین جو ان حدود کو متعین کر سکتے ہین کہ فلان افعال عمل کے قابل ہین،

اور فلان نہین، یہی لوگ پیغمبر اور بانی شریعت ہوتے ہین؛

دوسرا طریقہ یہ امر ظاہر ہی کہ انسان کی بقا آپس کی اعانت اور اجتماع کے بغیر نہین ہوسکتی، اگر آپس مین تعاون اور تعاضد نہو تو نہ انسان کا کوئی فرد باقی رہ سکتا ہے، نہ اُسکی نوع، نہ اُس کا مال، نہ اسکی عزت، اس اجتماع اور تعاون کے جو اصول اور آئین ہین انہی کو شریعت کہتے ہین اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسان کی بقاے نوع اور بقاے جان و مال کے لیے دو چیزونکی ضرورت ہے تعاون اور تمانع، تعاون کے ذریعہ سے انسان اپنی خوراک، لباس، اور مسکن اور دیگر ضروریات مہیا کرتا ہے اور تمانع کے ذریعہ سے اس کی جان مال و اولاد خطرات سے محفوظ رہتی ہی لیکن اس تعاون اور تمانع کا کوئی باقاعدہ ضابطہ اور دستور العمل ہونا چاہیے،

یہ ظاہر ہی کہ ہر شخص ایسا دستور العمل اور ضابطہ نہین بنا سکتا جو تمام بنی نوع انسان کے مناسب حال اور ہر ہر شخص کی ضروریات کا کفیل ہو، ایسا ضابطہ صرف وہ شخص وضع کرسکتا ہی جسکو قوت قدسیہ حاصل ہو، جسکو ان روحانیات سے فیض پہونچتا ہو جنکے ہاتھ مین نظام عالم کی باگ ہے، یہ شخص سوز مذہب سے آگاہ ہوتا ہے، ہر بات مین حق کا پیرو ہوتا ہی، ہر شخص سے اُسکی سمجھ کے موافق خطاب کرتا ہی، لوگون کو اُن کی استطاعت کے موافق، احکام کی تکلیف دیتا ہے، یہی شخص پیغمبر اور رسول ہوتا ہے،

تیسرا طریقہ اس طریقہ کے سمجھنے کے لیے مقدمات ذیل ذہن نشین رکھنے چاہئین۔

(۱) چونکہ ممکن کا وجود و عدم برابر ہے اس لیے ممکن کے وجود [illegible] آنے کے لیے مرجح کا ہونا ضرور ہے، جس کی وجہ سے وجود کو عدم پر ترجیح ہو، یہی مرجح ممکن کی علت ہوتا ہی،

(۲) ہر قسم کی حرکات کے لیے ایک محرک کی ضرورت ہوتی ہی جو حرکت کی تجدید کرتا رہتا ہی
حرکات کی بھی دو قسمین ہین، طبعی اور ارادی، ارادی حرکت کے لیے ضرور ہے کہ اس کے محرک
مین ارادہ اور اختیار پایا جائے،
ارادی حرکت کی بھی دو قسمین ہین، خیر و شر، پہلی قسم کے لیے ضرور ہے کہ اسکا محرک حسن عقل و تدبیر
ہو، اسی بنا پر خدا نے فرمایا ہے وَاَوْحٰی فِیْ کُلِّ سَمَاءٍ اَمْرَهَا یعنے خدا نے ہر آسمان مین بذریعۂ وحی کے اپنا حکم بھیجا
(۳) جس طرح انسانی حرکات کو ارادہ اور اختیار کی حاجت ہے یعنی ارادہ اور اختیار کے بغیر وہ
وقوع مین نہین آسکتین، اسی طرح ان حرکات کو ایک ایسے رہنما کی بھی ضرورت ہی جو ٹھیک راستہ بتائے
تا کہ وہ حق کو باطل سے سچ کو جھوٹ سے، خیر کو شر سے تمیز کر سکے،
(۴) خدا کے حکم، دو قسم کے ہین تدبیری اور تکلیفی، پہلا حکم تمام نظام عالم مین جاری ہے
جسکی بنا پر تمام عالم مین تدبیر اور نظام کا سلسلہ نظر آتا ہی، قرآن مجید ہے،

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرَات	آفتاب، چاند، تارے سب اسکے حکم کے تابعدار ہین،
بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ	ہان خلق اور امر دونون خدا ہی کے لیے ہین،

تکلیفی حکم صرف انسان کے لیے ہی چنانچہ قرآن مین ہے،

یَا اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ	اے لوگو! خدا کی عبادت کرو جسنے تمکو پیدا کیا،

مقدمات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ انسان کی تمام حرکات ممکن ہین، اسلیے مرجح کی ضرورت ہے
اختیاری ہین، اس لیے عقل کی ضرورت ہی، محتمل الخیر والشر ہین، اس لیے رہنما کی ضرورت ہے
اسی رہنما کا نام پیغمبر ہے،

نظام عالم مین خدا کا تدبیری حکم جو نافذ ہے، ملائکہ کے ذریعہ سے ہے، اس قیاس پر انسانون پر خدا کا جو تکلیفی حکم نافذ ہے وہ بھی کسی کے ذریعہ سے ہوگا اُسی کا نام پیغمبر ہے۔

باقی جن لوگون کا یہ خیال ہے کہ آمر و نہی۔ ترغیب و ترہیب تنبیہ و تہدید انبیا خود اپنی طرف سے کرتے ہین، خدا کو اس سے واسطہ نہین، اور خدا کی طرف ان افعال کی نسبت مجازاً ہی تو یہ لوگ انبیا کو (نعوذ باللہ) کاذب اور خائن قرار دیتے ہین،

جب یہ مسلم ہے کہ خدا تمام عالم کا بادشاہ ہی، اور بادشاہ عموماً آمر و نہی، تنبیہ و تہدید، ترغیب و ترہیب کرتے ہین تو خدا سے یہ امور کیون بعید ہین،

نبوت کے خواص | نبوت کے تین خاصے ہین ایک قوت تخیل سے متعلق ہی دوسرا قوت نظری سے تیسرا قوت عملی سے، پہلی خاصیت کی تفصیل حسب ذیل ہے،

امام غزالیؒ نے یہان یونانی فلسفہ کا ایک مسئلہ بیان کیا ہی اور اسکو بہت پھیلا کر لکھا ہی لیکن وہ مسئلہ نہایت لغو اور مہمل ہی اور اسکی دلیل اُس سے زیادہ مہمل، اسکا خلاصہ یہ ہی کہ یونانیون کے نزدیک افلاک ذی روح ہین اور تمام کلیات و جزئیات کی صور علمیہ انکے نفس مین مرتسم ہین اس بنا پر وہ عالم جزئیات و کلیات ہین، انسان کو جو علم ہوتا ہے وہ اسوجہ سے ہوتا ہی کہ اُنکے صور علمیہ جو افلاک نفوس اور جواہر مجردہ مین مرتسم ہین وہی انسان کے نفس ناطقہ مین مرتسم ہو جاتے ہین کیونکہ نفس ناطقہ چونکہ مجرد ہے اس لیے اسکو عقول مجردہ اور نفوس افلاک سے اتصال ہوتا ہے، لیکن امام صاحب کا اصلی استدلال اس مسئلہ کے ماننے پر موقوف نہین، وہ قوت تخیلہ سے استدلال کرتے ہین اور قوت متخیلہ کے وجود سے کسی کو انکار نہین ہے)

قوت متخیلہ مین جو اشیا کی صورتون کے مرتسم ہونے کی قابلیت ہی، وہ مختلف المدارج ہی بعض
آدمیون مین یہ قابلیت قوی ہوتی ہی، بعض مین کمزور، اور بعض مین بالکل ندارد، قوت متخیلہ جب قوی
ہوتی ہی، تو محسوسات سے فارغ ہونے کے ساتھ ہی فوراً اسمین صورتین مرتسم ہونی شروع ہوتی ہین،
قوت متخیلہ کا ایک یہ بھی خاصہ ہی کہ وہ ایک صورت پر قناعت نہین کرتی ایک صورت کو چھوڑ کر وہ
دوسری صورتین پیدا کرنی شروع کرتی ہے، جو پہلی صورت کے مشابہ یا مخالف ہوتی ہین، مثلاً
انسان ایک شے کو آنکھون سے دیکھ رہا ہی، دیکھتے دیکھتے اس کا خیال ایک ذرا سے تعلق سی
دوسری چیز کیطرف منتقل ہو جاتا ہے، پھر اُس چیز سے ایک اور چیز کیطرف یہانتک کہ پہلی چیز بالکل
بھول جاتی ہی اسی حالت مین پھر یہ خیال ہوتا ہے کہ اس چیز کا کیون تصور ہوا تھا اسطرح پھر سلسلہ بہ سلسلہ
پہلے خیال کی طرف واپس آجاتا ہے،

یہ قوت بعضون مین اسقدر مستحکم اور قوی ہوتی ہے کہ جو صورت خیال مین آتی ہی وہ قائم رہتی ہی
اور اُس سے ہٹ کر دوسری صورتون کی طرف منتقل نہین ہوتی، اس قسم کی قوت سے جو خواب
نظر آتا ہے وہ محتاج تعبیر نہین ہوتا۔

قوت متخیلہ عموماً اسوقت کام کرتی ہے جب ظاہری حواس بیکار ہوتے ہین اسی بنا پر نیند کی
حالت مین یہ قوت زیادہ تر کام کرتی ہی کیونکہ اُسوقت حواس ظاہری معطل رہتے ہین لیکن بعض
آدمیون مین یہ قوت اسقدر قوی ہوتی ہی کہ حواس ظاہری کے بحال رہنے کی حالت مین بھی
وہ اپنا کام کرتی ہے، اور اسلیے بیداری مین بھی انکو وہ باتین نظر آتی ہین جو اور لوگونکو خواب
کی حالت مین نظر آتی ہین،

قوت متخیلہ کو جو صورتین نظر آتی ہین کبھی وہ انہین تصرف کرکے حس مشترک کے حوالہ کرتی ہے، اس صورت مین انسان عجیب وغریب خدائی صورتین اور آوازین مشاہدہ کرتا ہو اور سنتا ہے، یہ صورتین اور آوازین بالکل محسوسات کے مثل ہوتی ہین، یہ نبوت کا ادنی درجہ ہے، اس سے ترقی ہوکر یہ حالت پیدا ہوتی ہے، کہ قوت متخیلہ ان صورتون مین کسی قسم کا تصرف نہین کرتی اور بعینہ وہی صورتین حس مشترک مین آتی ہین،

اس سے بڑھکر یہ کہ قوت متخیلہ، اور قوت عقلی اور عملی ایک ساتھ کام کرتی ہین، اور یہ درجہ نبوت کا وہ درجہ ہے جو قوت عقلی، عملی اور خیالی تینون کا جامع ہے، قرآن مجید کے قصوں پر خیال کرو، کسطرح ایک ایک جزئی واقعہ بیان کیا ہے، گویا تمام واقعات آنحضرت کی آنکھون کے سامنے تھے، اور یہ تمام واقعات بالکل سچ ہین،

یہ امر کہ جو صورتین قوت متخیلہ مین مرتسم ہوتی ہین وہ حس مشترک مین آکر آنکھون سے نظر آنے لگتی ہین، اس سے کوئی شخص انکار نہین کرسکتا۔ مجانین کو دیکھو، وہ جو کچھ تخیل کرتے ہین، انکو آنکھون سے نظر آنے لگتا ہے، اصل یہ ہے کہ قوت متخیلہ عقل اور حس دو قوتون کے درمیان مین واقع ہے، حس، قوت متخیلہ کے سامنے محسوس صورتین پیش کرکے اسکو اپنی طرف کھینچتی رہتی ہے، عقل کا یہ کام ہے کہ قوت متخیلہ کو غلط تخیلات سے روکتی ہے، ان دونون قوتون کی کشمکش اور مزاحمت مین قوت متخیلہ اپنا اصلی کام آزادی سے نہین کرسکتی، لیکن جب ان مین سے ایک کا زور کم ہوتا ہے، تو قوت متخیلہ آزادی حاصل کرنا چاہتی ہے، مثلاً جب قوت حسیہ کا بار اسپر نہین پڑتا تو وہ عقل پر غالب آکر اپنے خاص کام مین مشغول ہوتی

[1] انبیا کی اس قوت کو قوت متخیلہ کے بجائے، قوت قدسیہ کہنا زیادہ صحیح ہے، ۱۲ شبلی نعمانی،

یعنی صورتون کو اصلی صورت مین حس مشترک کے حوالہ کرتی ہے، نیند مین یہی کیفیت ہوتی ہی یا مثلاً جب عقل کی حکومت سے اسکو نجات ملتی ہے تو قوت حسیہ پر غالب آ کر خیالی صورتونکو اسطرح حس مشترک مین بھیجتی ہے کہ وہ آنکھون سے نظر آنے لگتی ہین چنانچہ جنون اور خوف کی حالت مین ایسا ہی ہوتا ہی اسی بنا پر ان حالتون مین مجانین کو وحشتناک صورتین نظر آتی ہین،

اسی بنا پر واقعات غیب کی خبر جو لوگ دیتے ہین اسی حالت مین دیتے ہین جب انکے قوائے حسیہ باطل ہو جاتے ہین اور انپر صرع یا غشی طاری ہوتی ہے،

کبھی ایسا ہوتا ہی کہ قوت تخیلہ زیادہ کام کرتے کرتے تھک جاتی ہی اس صورت مین وہ محسوسات کو بالکل نظر انداز کر دیتی ہے، اور اس وجہ سے نفس ناطقہ سے اتصال ہوتا ہے اور صور مجردہ کو وہ مشاہدہ کرتی ہے، کاہن جو واقعات آیندہ کی پیشینگوئیان کرتے ہین اسی حالت مین کرتے ہین۔

یہان یہ اعتراض پیدا ہوگا کہ جب مجانین، کاہن، آسیب زدہ بھی واقعات آیندہ کی پیشینگوئی کر سکتے ہین تو نبوت کو کیا ترجیح ہوئی،

اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ تخیل کے مراتب مختلف اور متفاوت ہین یہانتک کہ بعض حکما کا قول ہی کہ تخیل کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ روح کو اس نفس سے اتصال ہو جائے جو فلک قمر کی مدبر اور واہب الصُّور ہے، اور تمام وہ صورتین اسمین مرتسم ہوسکین جو نفس فلکی مین مرتسم ہین دیسی ہی ارسطو کا خیال ہی کہ افلاک صاحب ادراک ہین اور جو صُور علمیہ ان مین مرتسم ہین وہ سب انسان کے نفس ناطقہ مین بھی مرتسم ہو سکتے ہین، یہ تخیل کا اعلےٰ درجہ ہے،

تخیل کا ادنیٰ درجہ حیوانات مین پایا جاتا ہے اور بعض حیوانات مین مطلقاً یہ قوت نہین ہوتی،

یہ اختلاف قوت وضعف کی بنا پر تھا، بتاین اور تضاد کا اختلاف اسطرح ہوتا ہو کہ بعض تخیلات بچے اور صحیح ہوتے ہین اور اُنکا مخرج نفوس مقدسہ ہوتے ہین بعض بالکل جھوٹے اور فتنہ انگیز اور اُنکا مخرج نفوس خبیثہ ہوتے ہین بعض دونون کے بین بین، یہ بات بھی یہان جتانے کے قابل ہو کہ عقل، خیال اور حس، کے مختلف اقسام ہین، عقل[1] محض جسمین مطلق خیال کی آمیزش نہین، خیال[2] محض جسمین عقل کا لگاؤ نہین، عقل[3] جو بالکل خیال ہو، خیال[4] جو بالکل عقل ہو، حس[5] جو خیال سے پیدا ہوتی ہو، خیال[6] جو حس سے پیدا ہوتا ہے،

اسی طرح بعض علم بالکل ظن کے مشابہ ہوتے ہین اور بعض ظن علم کے ہم پایہ ہوتے ہین۔ قرآن مجید کی اس آیت مین وانا ظننا ان لن نعجز اللہ فی الارض دوسری قسم کے ظن کا ذکر ہے،

در قرآن مجید[1] مین جن کا جہان ذکر آیا ہے، ظن کے لفظ سے آیا ہو اس سے ثابت ہوتا ہو کہ انکا وجود اور انکا تصور خیالی ہو اور اُن کی صورتین صرف خیال کو نظر آسکتی ہین اور چونکہ خیال حس اور عقل کے درمیان مین ہے، اسلیے جو چیز خیالی ہوگی وہ جسمانی اور روحانی کے بین بین ہوگی جیسے اجنہ اور شیاطین، اور جو چیز وسط مین ہوتی ہے، وہ یا تو طرفین سے مرکب ہوتی ہو یا دونون سے الگ ہوتی ہے"

نبوت کی دوسری خاصیت

یہ خاصیت قوت نظری کے تابع ہے،

اشیائے مجہولہ کے ادراک کا طریقہ یہ ہو کہ چند معلوم باتونکو ترتیب دیتے ہین اس ترتیب سے ایک مجہول بات معلوم ہو جاتی ہو، مثلاً ہمکو معلوم تھا کہ عالم مین تغیر ہوتا رہتا ہو یہ بھی معلوم تھا کہ جس چیز مین

[1] یہ فقرہ امام غزالی کی عبارت کا لفظی ترجمہ ہے،

تغیر ہوتا رہتا ہے وہ فانی ہی، ان دونو مقدمات کو جب اسطرح ترتیب دیا کہ عالم متغیر ہے اور جو متغیر ہی فانی ہی تو یہ نتیجہ نکلا کہ عالم فانی ہی، یہ نتیجہ ہمکو پہلے معلوم نتھا لیکن جن مقدمات کی ترتیب سے معلوم ہلو وہ پہلے سے معلوم تھے، ان مقدمات کو صغری اور کبری کہتے ہین، اور جو جزء دونون مقدمون مین مشترک ہوتا ہی اسکو حد اوسط کہتے ہین،

اشیاے مجہولہ کا علم دو طریقہ سے ہوتا ہی فکر اور حدس، فکر مین ذہن، مقدمات معلومہ کیطرف متوجہ ہوتا ہے، حد اوسط کو تلاش کرتا ہی، سب کو ملا کر ترتیب دیتا ہی ترتیب سے نتیجہ حاصل ہوتا ہی، حدس مین دفعۃً تمام مقدمات ذہن مین آجاتے ہین اور انسے فوراً نتیجہ کی طرف ذہن منتقل ہو جاتا ہی ممکن ہی اس حالت مین بھی حرکت فکری وقوع مین آتی ہو لیکن یہ حرکت اسقدر جلد اور غیر نمایان ہوتی ہی کہ ذہن اسکو مطلق محسوس نہین کرتا حدس مین کم وکیف دونون اعتبار سے اختلاف مراتب ہوتا ہی بعض آدمیونکو اکثر حدس ہوتا ہی بعض آدمیونکو نہایت جلد ہوتا ہی یعنے ذرا سا غور کرنے سے فوراً مقدمات ذہن مین آجاتے ہین اور ساتھ ہی نتیجہ بھی ذہن مین آجاتا ہے حدس کے مراتب نہایت مختلف ہین بعض ایسے کودن ہوتے ہین کہ بیسکڑون دفعہ غور کرنیسے بھی انکا ذہن نتیجہ کیطرف منتقل نہین ہوتا، بعض کا ذہن جلدی سے منتقل ہوتا ہی بعض کا اس سے بھی زیادہ وہکذا الی غیر النہایہ،

حدس کا جو سب سے انتہائی درجہ ہے وہ نبوت کا خاصہ ہی، نبی کو جو اشیاء کا علم ہوتا ہی مقدمات کی ترتیب اور استنباط سے نہین ہوتا بلکہ خود بخود دفعۃً اسکے دل مین القا ہو جاتا ہی،

یہان یہ اعتراض وارد ہوتا ہی کہ یہ قوت نبی کے سوا اور لوگون مین بھی ہوتی ہی جو شخص کسی فن کا ماہر ہوتا ہی اس فن کے متعلق اکثر امور دفعۃً اسکے ذہن مین آجاتے ہین، تو نبی کو ترجیح کیا ہوئی؟ اس کا

جواب یہ ہی کہ جب یہ ثابت ہو چکا کہ اس قوت مین اختلافِ مدارج ہی تو نبوت کا خاصہ وہ حد ہے جو ان مدارج کی اخیر انتہا ہے،

نبوت کا تیسرا خاصہ | یہ امر بداہتہً ثابت ہی کہ خیال اور تصور کا اثر جسم پر پڑتا ہی۔ انسان پر جب خوف طاری ہوتا ہی تو جسم پر ایک خاص حالت طاری ہوتی ہی غصہ کی حالت مین دوسرا اثر ہوتا ہی ایک محبوب صورت کا خیال دل مین آتا ہے تو اعضا مین ایک اور قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قواے نفسانی جسم پر اثر کرتے ہین اب جس طرح نفس کا اثر اپنے جسم پر ہوتا ہی ممکن ہے کہ بعض نفوس ایسے قوی ہون کہ انکا اثر صرف اُنکے جسم پر محدود نہو بلکہ اور اجسام پر بھی اثر کرین جس سے تبرید یا تحریک۔ یا سکون۔ یا تکثیف یا تلیین حاصل ہو اور اسکا یہ نتیجہ ہو کہ بادل پیدا ہو جائین یا زلزلہ آجائے یا چشمہ جاری ہو جائے۔

اس قسم کی قوت جن نفوس مین ہوتی ہے وہ اگر نیک اور پاکیزہ اخلاق ہون تو یہ افعال معجزہ یا کرامت کہلاتے ہین، ورنہ سحر اور جادو، یہ قوت تزکیہ نفس اور ریاضت سے ترقی کر سکتی ہے،

اس موقع پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہی کہ یہ امور فرضی نہین ہین بلکہ چونکہ تجربون سے انکا ثبوت ہوا ہے اس لیے اُنکے اسباب سے بحث کی گئی، اگر کسی شخص مین یہ قوت خود موجود ہو اور وہ ان افعال کے اسباب پر غور کرے تو اسکو وجدان اور دلیل دونون حاصل ہونگے،

خاتمہ | نوع بشری مین سب سے افضل وہ ہے جس کی قوت حدسیہ اسقدر قوی ہو کہ اسکو تعلم و تعلیم کی بالکل حاجت نہو اور قوت متخیلہ اسقدر صحیح اور مضبوط ہو کہ محسوسات اُسکو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکین، بلکہ نفس سے جو ادراکات پیدا ہوتے ہین وہ مجسم ہو کر سامنے آئین۔

اور قوت نفسانی اسقدر قوی ہو کہ عالم اجسام پر اثر ڈال سکے یہانتک کہ اجرام علوی بھی اسکی دسترس مین آجائین۔

اِس درجہ سے اُترکر وہ شخص ہے جسمین صرف دو پہلی باتین ہون، اس سے کم وہ جس کی صرف قوت نظری قوی ہو، اُس سے کم وہ جسکی صرف قوت عملی قوی ہو،

جس شخص مین تینون باتین پائی جائین وہ گویا شہنشاہ ہے، عالم علوی سے اسکو یہ نسبت ہے کہ جب چاہے اس عالم مین شامل ہوجائے عالم نفسانی کا وہ گویا رہنے والا ہے اور عالم اجسام پر جس قسم کا چاہے تصرف کرسکتا ہے،

اس سے کم درجہ پر جو شخص ہے وہ دوسرے درجہ کا بادشاہ ہے، اِس سے کم درجہ کے لوگ شرفاے امت ہین،

جنمین کسی قسم کی قوت نہو لیکن اخلاق حسنہ سے متصف ہونے کی قابلیت ہو وہ اذکیاے امت ہین جو عام آدمیون سے ممتاز ہین،
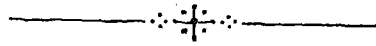
تصحیح اسماء

چونکہ اِس کتاب مین اکثر فرانس و جرمن وغیرہ کے فضلا اور مصنفین کے نام آئے ہین جن کا صحیح تلفظ اُردو مین ادا نہین ہوسکتا، اسلئے اون نامون کو انگریزی خط مین لکھا جاتا ہے کہ ناظرین ان نامون کو صحت کے ساتھ پڑھ سکین،

نام	English	کیفیت
ولیس	R. Wallace	ڈارون کا معاصر اور ہم پایہ اور مسئلہ ارتقا کی ایجاد مین ڈارون کا شریک تھا۔
لودج	Lodge	فزیکل سائنس کا مشہور عالم ہے
ریچٹ	Ricket	
زولنر	Zolner	جرمنی کا مشہور فاضل ہے جو اسٹرانومی کا بہت بڑا ماہر ہے
ٹنڈل	Tyndall	طبعیات کا بہت بڑا عالم ہے،
کروکس	Crookes	فن کمسٹری کا بہت بڑا ماہر ہے،
الیٹ	Elliot Couse	امریکن علمی سوسائٹی کا پریسیڈنٹ ہے،
ڈوٹروشیہ	Du; Dutrochet	
ڈوبویس ریمونڈ	Du; Bois: Reymond	
میلن اڈورڈ	Milne Edwards	
ویبٹر	Vabalier	
لاروس	Larousse	فرانس کا مشہور فاضل ہے جس نے انسائیکلوپیڈیا لکھی
شفر	Sheffer	
بوشنر	Buchner	

	Racinie	راسین
	Benjamin Constant	بنجامن کانستان
	Ghisler	گسلر
	Conte	کانٹ
	Du: Morgan	دومارگن
	john Cox	جان کوکس
	Hickson	ہکسن
	Lombroso	لمبروزو
	Haslop	ہزلوپ
	Hodgson	ہوڈسن
	Camille Flammar-ion	کیمیل فلامریان
	Chamber	شمبر
	parkes	پارکس
	Cromwell Forley	کرامول فارلی
	weber	ویبر
	Alexzanderkoz-okoff	الکسنڈر کازوکاف

مولانا شبلی کا سلسلۂ علم الکلام

مولانا نے چاہا تھا کہ پہلے مسلمانون کے علم الکلام کی تاریخ لکھین، پھر اکابر علمائے متکلمین کی سوانح عمریان، اور اُنکے متکلمانہ مجتہدات لکھین اور اُس کے بعد انھین بزرگون کے اصول کے مطابق جدید علم کلام ترتیب دین۔ چنانچہ اس تجویز کے مطابق انھون نے حسب ذیل کتابین لکھین جو ہمارے ہان موجود ہین۔

(۱) علم الکلام یعنی مسلمانون کے علم کلام کی تاریخ مطبوعہ معارف قیمت، عہ

(۲) الغزالی، امام غزالی کی سیرت اور اُنکے فلسفیانہ اجتہادات، قیمت، عہ

(۳) سوانح مولانا روم، مولانا رومی کے حالات، اور ان کا علم کلام قیمت، عہ

(۴) الکلام، یعنی جدید علم کلام جس مین فلسفۂ حال کے مقابلہ مین اسلامی عقائد کو ثابت کیا گیا ہے۔ مطبوعہ معارف، قیمت، عہ

منیجر دار المصنفین اعظم گڑھ

EXTRACTS FROM THE RULES
OF
I. C. L. S. LIBRARY.

6. Not more than one book shall be issued to one member at a time.
   Every book must be returned to the Library whithin a week of the date of its issue.
   Book lost, injured or defaced in any way by one of the borrowers must either be replaced or its price paid for.
7. Books of Reference and Text Books will not be issued to any Member without the special permission of the Librarian.
   Such books must be returned within 48 ho s.
8. The books shall not be transferable.
9. A fine of one Anna will be charged for eac' day the book is kept over-time.
10. Members abusing the privileges conferred on them by this chapter may be debarred from using the Library by the Librarian